

بوند بھر خوشی

طیبہ

”بڑے سے کمرے میں جہاں ہر چیز وائٹ اور براؤن کے کابینشن سجی ہوئی تھی، ایک طرف سلائڈ دوڑ سے منسلک بالکونی میں رکھا ہوا جھولا جھول رہا تھا، اور اندر کی جانب رکھی ریلنگ چیر کمرے کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھی، یہ ساری خوبصورتی عمامہ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، اس کی وجہ شاید اس کے اندر کی وحشت تھی۔ یا پھر لوگوں کے رویے یہ تو کوئی نہیں جانتا لیکن یہ طے ہے کہ جب بھی اس سے کوئی خوشی ملی بوند بھر ہی ملی۔“

”میں کتنے دنوں سے اس دن کا انتظار کر رہی تھی، اور اب جب یہ دن آگیا ہے، تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ”کروں“، کیانہ ”کروں! ایک تو پتہ نہیں یہ رضیہ میری چیزیں کہاں رکھ دیتی

ہے۔ اپنے ڈریسنگ کے ڈرار میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ بلیک کلر کے سمپل سے سوٹ کے ساتھ وائٹ ڈوپٹہ سلیقے سے سرپر سیٹ کیا ہوا تھا۔“

رضیہ!! رضیہ!!

”اپنی مطلوبہ چیز نہ ملنے پر اپنی (اٹینڈنٹ) کو آواز دی تھی جو کسی جن کی طرح فوراً سے حاضر ہوئی تھی۔“

”رضیہ! میں نے کتنی بار کہا ہے، میری چیزیں میری پُہنچ سے دور مت رکھا کرو! مجھے بالکل پسند نہیں کہ میں ہر چھوٹی سی چیز کے لیے تمہیں آواز دوں۔ رضیہ کے آتے ہی عمامہ برہم ہوئی تھی۔“

”کیا ہوا! بی بی جی! آپ مجھے بتائے کیا چاہئے آپکو، میں لادیتی ہوں، رضیہ نے فوراً سے آگے بڑھتے ہوئے ادب سے کہا۔“

”کیا مطلب ہے کیا چاہئے، تمہیں یاد نہیں، آج تائی جان کے گھر دعوت ہے، اور ابھی تم نے میرے کپڑے تک نہیں نکالے، تم جانتی ہو نا! بابا وقت کے کتنے پابند ہیں، اور میں نہیں چاہتی کہ بابا مجھے گھر چھوڑ جائے۔ برہمی سے کہتی ابھی تک ڈرار میں متلاشی نظروں سے ادھر ادھر کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔“

”کیا ڈھونڈ رہی ہیں آپ۔ رضیہ نے عمامہ کو ڈرار میں کچھ ڈھونڈتے دیکھ کر پوچھا تھا۔“

”میں نے یہاں اپنی ایئرنگ رکھی تھی، جواب نہیں مل رہی۔ ڈرار بند کرتے ہوئے رضیہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔“

”اوووو!! بی بی جی! آپ بھی نہ رکھتی کہی ہیں، اور ڈھونڈتی کہی اور ہیں، یہ دیکھیں یہ رہی آپ کی ایئرنگ، اور آپ کے کپڑے بھی تیار ہیں، آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں ابھی بہت وقت ہے جانے میں سائیڈ ٹیبل کے ڈرار میں سے ایئرنگ نکال کر عمامہ کو دیے تھے۔“

”اور بی بی جی! آپ تو ایسے پریشان ہو رہی ہیں، جیسے پتا نہیں کتنی بڑی تقریب ہے، اور آپ وہاں کی مہمانے خصوصی، جب کہ آپ سب مجھے سے بہتر جانتی ہیں۔ وارڈ ڈراب سے کپڑے نکالتے ہوئے۔ رضیہ نے لاپرواہی سے کہا تو عمامہ کا کچھ پل کے لیے خاموش ہو گئی۔“

”ہاں! میں جانتی ہوں سب، میں کون سا اس تقریب میں جانے کے لیئے اتنی اکساٹیڈ ہو رہی ہوں، میرے لیے تو اس گھر سے باہر نکلنے کا ایک موقع ہے، وہ کہتے کہتے ایک پل کے لیے رکی اور پھر ایک دم سے سوال کیا۔“

”آپ نے کبھی سونے کا پنجرہ دیکھا ہے؟ رضیہ عمامہ کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔“

”نہیں...!! رضیہ نے فوراً اسے نہ میں سر ہلایا تھا۔“

”تو پھر آپ اپنے کام پر دھیان دیں، میں زرا دیکھوں کوئی تیار ہوا ہے یا نہیں۔ وہیل چیئر کا رخ باہر کی جانب کیا تھا۔“

”پیچھے رضیہ عمامہ کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔“



عباس!! عباس!

”پتا نہیں، کام کے ٹائم یہ لڑکا کہاں غائب ہو جاتا ہے! مجال ہے جو کبھی پہلی آواز پر جواب دے دے۔ عباس کے کمرے میں داخل ہوتے خفگی سے کہا تھا۔

”یہ لڑکا کہاں گیا! عباس کو کمرے میں نہ پا کر شمینہ بیگم فکر مند ہوئی تھی۔ کہ یک دم کسی نے پیچھے سے آکر شمینہ بیگم کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔“

”عباس! یہ کیا طریقہ ہے، یہ کوئی وقت یہ سب کرنے کا۔ کان سے پکڑ کر سامنے کیا تھا، انداز میں ہلکی سی خفگی نمایاں تھی۔ ٹراؤزر شرٹ میں عام سے ہلیے میں بھی جازب نظر آ رہا تھا۔“

آہنہ!! ماما کان تو چھوڑ دیں درد ہو رہا ہے۔ عباس کے چہرے پر شرارت صاف نظر آ رہی تھی۔

”کب سے ماں آواز دے رہی ہے، یہ نہیں جواب ہی دے دوں! کوئی کام ہی ہوگا، جو میری ماں مجھے بلارہی ہے۔ شمینہ بیگم نے ڈپٹا تو عباس کے چہرے کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی تھی۔

”اما! آپ کو پتا ہے جب آپ مجھے یوں ڈانٹتی ہیں، تو کتنی حسین لگتی ہیں، آپ کے اسی حسن کو دیکھنے کے لیے میں آپ کو تنگ کرتا ہوں! تا کے آپ کے اس حسن کو دیکھ سکوں۔ عباس نے کان پکڑتے ہوئے اپنی ماں کو مکھن لگایا تھا۔

”بس کرو یہ ساری باتیں میں جو کہنے آئی تھی وہ تو میں بھول ہی گئی! اپنی چچی اور پھوپھو کو تو بلا لیا، لیکن اب جب کام کا وقت ہے، تو تم ایسے غائب ہو جیسے گدھے کے سر سے سینگ، ثمنیہ بیگم کے لہجے میں مصنوعی خفگی تھی۔ عباس خاموشی سے اپنی ماں کی ڈانٹ پر مسکرا رہا تھا۔“

اما! اما! میری پیاری اما! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں! اپنے بیٹے کے ہوتے ہوئے! میں نے سارے انتظامات کر دیے ہیں۔ ثمنیہ بیگم کے کندھوں کے گرد بازو جھائل کرتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔ تو ثمنیہ بیگم نے اپنے بیٹے کو گھور کر دیکھا تھا۔

”اب آپ مجھے ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، مانا کے یہ سارے کام آپ کی بہوں کے کرنے کے ہیں، اور میں آپ کو بتا رہا ہوں میں آپ کی بہوں کی ذمہ داری زیادہ دیر تک نہیں اٹھا سکتا، اس لیے

جتنی جلدی ہو سکتا ہے آپ اپنی بہوں لے آئیں۔ سنجیدہ لہجے میں کہتے ایک پل کے لیے ثمنینہ بیگم کو حیران کر گیا تھا۔“

ہا ہا ہا! ماما! اپنا چہرہ اتو دیکھیں اپنی ماں کی حالت دیکھ کر محض ہوتے ہوئے کہا۔

”بد معاش! اپنی ماں کے ساتھ مزاح کر رہا ہے! زرا شرم نہی! ابھی بتاتی ہوں میں تمہیں!!“
برہمی سے کہتی عباس کی جانب لپکی اپنی ماں کے ارادے بھانپتے ہوئے بھاگ نکلا تھا۔ اب عباس آگے اور ثمنینہ بیگم اس کے پیچھے پورے کمرے میں عباس اپنی ماں کو دوڑا رہا تھا کچھ دیر عباس کے پیچھے بھاگتے ہوئے تھک کر ہانپتے ہوئے سٹول پر بیٹھ گئی تھی۔“

”ماما! آپ ٹھیک تو ہیں! ثمنینہ بیگم کو دیکھ کر عباس سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس لے کر فوراً ان کے پاس پہنچ کر متفکر ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ ثمنینہ بیگم نے فوراً سے عباس کا کان پکڑ لیا تھا۔

”ہاں! تو اب بتاؤ زرا کیا کہہ رہے تھے تم! کیا سمجھ رہے تھے! ڈرامے صرف تمہیں ہی آتے ہیں، میں تمہاری ماں ہوں! اور بہت اچھے سے جانتی ہوں تمہیں کس طرح قابو کرنا ہے۔
شمینہ بیگم کے لہجے۔ ہلکی سی خفگی نمایاں تھی۔“

”آہنہ!! ماما کان تو چھوڑ دیں اگر آپ میرے کان اس طرح کھینچ کھینچ کر لمبے کر دیں گی تو کون دے گا آپ کے بیٹے کو اپنی بیٹی۔ عباس کی آنکھوں میں شرارت صاف عیاں ہو رہی تھی۔“
”تم اس کی فکر نہیں کرو آرہی ہے تمہاری چچی! میں بات کرتی ہوں، اور کہتی ہوں میرا بیٹا بڑا ہو گیا ہے، اب ہماری امانت ہمیں دے دیں۔ مدافعا نہ انداز میں کہا۔
”اپنی ماں کی بات سن کر خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔“

”ویسے مجھے اتنی جلدی نہیں ہے! لیکن اب آپ کہہ رہی ہیں تو..... کیا کہہ سکتا ہوں! عباس میں ڈرامائی انداز میں کہا۔ تو شمینہ بیگم نے گھوری سے نوازا تھا۔ جس پر عباس خاموش ہو گیا تھا۔



”عنایہ! اپنے بابا کو فون کر دینا تھا، یہ نہ ہو ہم انتظار کرتے رہیں! اور تمہارے بابا کو یاد ہی نہ ہو۔
لاؤنچ میں داخل ہوتے ہوئے شہلا بیگم نے کہا۔“

”امی جی! آپ فکر نہیں کریں! میں نے بابا کو کال کر دی وہ افس سے نکل گئے بے تھوڑی دیر
میں آجائے گے۔ عنایہ نے بتایا تھا۔“

”تو پھر تم یہاں کیوں بیٹھی ہو! جا کر جلدی سے تیار ہو جاؤ! بھابھی کی کال آئی تھی پوچھ رہی تھی
کب تک آئیں گے ہم۔ جلدی تیار ہونے کا کہہ کر مڑ کر رکی جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“
”میں بھی پھر تیار ہو جاؤں! اس پہلے کے شہلا بیگم عنایہ سے کچھ کہتی عمامہ کی آواز آئی تھی۔
آپی آپ بھی چل رہی ہے نا! ہمارے ساتھ۔ عنایہ نے پوچھا۔

”نہیں!!! اس پہلے کے عمامہ جواب دیتی شہلا بیگم نے کہا تو عمامہ نے فوراً سے اپنی ماں کو دیکھا
تھا۔

”لیکن امی جی! آپ نے تو کہا تھا کہ آپ بھی چلے گی ساتھ! عمامہ کی آنکھوں میں آنی نہی کو دیکھ کر عنایہ نے شہلا بیگم سے سوال کیا تھا۔“

”میں نے کہا تھا تو! اب میں ہی کہہ رہی ہوں نہیں جائے گی! اور تم میرے ساتھ بحث نہ کرو! اور جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ عباس دو بار کال کر چکا ہے۔ شہلا بیگم کا انداز خاصہ سخت گیر تھا عمامہ با مشکل اپنے آنسوؤں پر بند باندھا تھا۔

”لیکن امی جی! عنایہ نے احتجاج کرنا چاہا تھا۔“

جاؤ.....!!! شہلا بیگم نے سختی سے کہا تھا تو وہ پیرچھ کر فوراً سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

”میں ابھی تمہارے پاس ہی آرہی تھی، عنایہ تو نا سمجھ ہے! لیکن تم تو میری سمجھ دار بیٹی ہو! اور سب سمجھتی ہو! اور ویسے بھی تم وہاں جا کر تنگ ہو جاؤ گی۔ عنایہ کے جاتے ہی شہلا بیگم عمامہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ اپنی ماں کی بات سن کر عمامہ دل گرفتہ ہوئی تھی۔“

”عمائمہ تمھیں لے کر جانے کا مسئلہ نہیں ہے! لیکن تم خود ہی بتاؤ جب گاڑی سے اترنے کے لیئے عنایہ یا! تمھارے بابا تمھاری مدد کرے گے، اور پھر وہیل چیئر پر انداز لے کر جائے گے تو! کتنا اکوارڈ لگے گا؛ اور سب کی عجیب نظریں ان سب کو کیسے انگور کرو گی۔ شہلا بیگم نے متانت سے کہا۔“

”ہمممم...!! عمائمہ نے بامشکل خود کو رونے سے روکا تھا۔“

”لیکن اگر تم پھر بھی چلنا چاہتی ہو تو! تیار ہو جاؤ! کیوں کہ تمھارے بابا کبھی بھی تمھیں یوں روتا ہوا چھوڑ کر نہیں جائے گے۔ شہلا بیگم نے بے تاسر لہجے میں کہا تھا۔ ہمیشہ سے یہی تو ہوتا آیا جب بھی وہ کسی بات کو لے کر خوش ہوئی! اسی طرح اسی کو لوگوں کی نظروں سے ڈرا دیا گیا، لوگ کیا کہے گے، لوگ کیا سوچے گے، یہ نہ کرو! وہ نہ کرو! احساس کمتری نے اس کے اندر تک گھر کر لیا تھا۔“

”کیا باتیں ہو رہی ہیں! ابھی تک تم لوگ تیار نہیں ہوئے!“

اس پہلے کے عمامہ کچھ کہتی باہر سے آتے ہوئے ایاز صاحب بولے تھے۔“

”میں تیار ہی ہوں! آپ چنچ کر لیں پھر چلتے ہیں۔ شہلا بیگم نے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر بولی تھی۔“

”اور عمامہ! تم! ہاشم صاحب نے عمامہ کو دیکھ کر کہا پوچھا تھا۔“

”باباجان! میں نہیں جا رہی، میرا دل نہیں چاہ رہا! آپ سب چلیں جائیں۔ خود پر ضبط کرتے ہوئے بامشکل بول پائی تھی۔“

”لیکن بیٹا!

”باباجان! میرا سچ میں دل نہیں چاہ رہا! ایاز صاحب نے کچھ کہنا چاہا تھا اس سے پہلے عمامہ اپنی بات کہہ کر وہاں سے تیزی سے نکل گئی تھی۔“

”اس سے کیا ہوا! ایاز صاحب نے عمامہ کو جاتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔“

”کچھ نہیں آپ کو پتا تو ہے کہی بھی جانے سے گھبرا جاتی ہے شہلا بیگم نے ایاز صاحب کے ہاتھ سے افس بیگ لیتے ہوئے کہا تو ہاشم صاحب اپنی بیٹی کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔“



”رضیہ! تم جاؤ یہاں سے، اور جب تک میں ناں بلاؤں آنے کی ضرورت نہیں۔ کمرے میں آتے ہی سرد لہجے میں رضیہ کا حکم دیا تھا۔“

”ایک منٹ رُکو!! رضیہ جانے لگی تھی عمامہ نے آواز دی تھی۔“

یہ کپڑے اور یہ ایئر رنگ بھی لے جاؤ سرد لہجے میں کہتی عمامہ اپنے بیڈ کی سائڈ ٹیبل کے ڈرار کھول کر اپنی میڈیسن نکلا رہی تھی۔

لیکن بی بی جی! رضیہ نے کچھ کہنا چاہا۔

”جتنا کہہ رہی ہوں اتنا کرو! بابا! یا کوئی میرا پوچھے! تو کہہ دینا میرے سر میں درد تھا، اس لیے میڈسن لے کر سو گئی ہوں۔ دو گولیاں اپنے ہتھیلی پر رکھے سر دلہجے میں رضیہ کا ہدایت دی تھی۔

تو آپ نہی“!!!!.....

عمائمہ کے گھورنے پر رضیہ خاموشی سے ساری چیزیں اٹھا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہیل چیئر کا رخ اپنی ریلنگ چیئر کی طرف کر لیا تھا۔

”اپنی وہیل چیئر سے اٹھ کر ریلنگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں چھلک کر بہہ نکلے تھے، وہ رونا نہیں چاہتی تھی، لیکن آنسوؤں کو کون سمجھائے کے میں سمجھ دار ہوں! اور سمجھ دار، روتے نہیں۔ بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے سوچا اور کرب سے آنکھیں میچ لی تھی۔“



”حیدر صاحب کی تین بچے تھے، دو بیٹے اور ایک بیٹی، ارسلان حیدر، ایاز حیدر اور بیٹی ماریہ، ارسلان کی شادی ثمنیہ سے ہوئی تھی، اور ایاز نے اپنی پسند سے شہلا سے شادی کی تھی، ارسلان اور ثمنیہ کے دو بیٹے تھے، عالی اور عباس، عالی شادی کر کے اپنی بیوی کے ساتھ باہر سیٹل ہو گیا تھا، ایاز اور شہلا کی دو بیٹیاں بڑی بیٹی عمامہ پیدائشی طور پر دونو پیرو سے معذور تھی، خاندان کے بڑوں کا کہنا تھا یہ سب خاندان سے باہر شادی کرنے کی وجہ سے ہوا ہے، اور زیادہ تر لوگ اس بات کا قصور وار شہلا بیگم کو سمجھتے، جب کے ان کی دوسری بیٹی عنایہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور ماریہ کی شادی عمران لغاری سے ہوئی تھی، اور ان کے دو بچے تھے عمر اور کرن۔“

جاری.....

بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 2

”کالے رنگ کی چمچماتی پیچارو عالیشان ولا کے مین گیٹ سے تیزی سے اندر داخل ہو کر وسیع و عریض رہداری سے ہوتے ہوئے، جس کے ایک طرف خوبصورت سیومنگ پول اور دوسری جانب وسیع گارڈن اپنی خوبصورتی کی اعلیٰ مثال تھا، گاڑی پورچ میں آکر رکی، فرنٹ سیٹ سے اتار کر اکرم گاڑی کا دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھ تھا، اس سے پہلے کے وہ دروازہ کھولتا اذہان گاڑی سے اتر گیا تھا بھوری گہری آنکھوں سے سن گلاس اتارتے ہوئے وجہیہ چہرے پر کھڑے نین نکش اور ہلکی بڑھی شیو، گندمی رنگت، کشادہ ماتھے پر بکھرے بال، اس کی وجاہت کو چار چاند لگا رہے تھے، ایک سرد نظر اس ولا پر ڈالی تھی اور گہری سانس لے کر اندر کی جانب بڑھا تھا۔ اکرم بھی اس کے ساتھ بڑھا، پریشانی کے آثار اذہان کے چہرے پر صاف عیاں تھے۔“

”علیزہ کیسی ہے! تیزی سے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اپنے ساتھ آتے ہوئے اکرم سے پوچھا تھا۔“

”رات کو پینک اٹیک ہوا تھا، اب بہتر ہیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ علیزہ بی بی نے کسی بات کی ٹینشن لی ہے۔ اکرم نے ساتھ چلتے ہوئے بتایا۔ جا پر اذہان کے تیزی سے چلتے قدم رک گئے تھے۔“

”ٹینشن! کس بات کی، اکرم کی بات پوری ہونے سے پہلے اکرم کی جانب سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے اذہان شاہ نے سر دلچے میں سوال کیا۔ جس پر اکرم ٹھٹھک گیا تھا۔“

”وہ.. سر!!“

”میں کچھ پوچھ رہا ہوں! تمہارے بھروسے پر چھوڑ کر گیا تھا، میں اپنی بہن کو، یہ خیال رکھا ہے تم نے! اذہان شاہ کی آواز بلند ہوئی تھی، غصے سے لب بھنچ لیے تھے۔“

”چھوٹے صاحب! علیزہ بی بی، کو پھر سے پینک اٹیک ہوا ہے، وہ کسی سے نہیں سنبھل رہی۔“

اکرم کے کچھ کہنے سے پہلے ایک ملازمہ نے اکرا اطلاع دی تھی۔ اذہان ایک تیکھی نظر اکرم پر ڈالتے تیزی سے علیزہ کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔“



”خبردار!!! اگر کسی نے میرے پاس آنے کی کوشش کی تو میں مار دوں گی۔ کانچ کا شوپیس اٹھا کر کمرے کے وسط میں پھینکتے ہوئے چیخ کر بولتی۔ اپنے ارد گرد کھڑی ملازمہ کو خوف میں مبتلا کر گئی۔“

”میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤ گی، تم گندی ہو دور رہو! میں بتا رہی ہوں میرے پاس آنے کی کوشش بھی کی نہ کرنا، میں... میں! اپنی جان لے لوں گی۔ بکھری ہوئی حالت میں آنکھوں میں انجانا خوف لئے آگے پیچھے دیکھتے ہوئے فرش سے ایک کانچ کا ٹکڑا اٹھا کر اپنے سامنے نہ نظر آنے والی شخص سے کہتی کانچ اپنی کلائی پر رکھ گئی تھی۔“

علیزہ!!.....

”کمرے میں داخل ہوتے اپنی بہن کی ابتر حالت دیکھ کر اذہان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا ایک بار پھر تلخ ماضی کی جھلک آنکھوں کے سامنے لہرائی۔“

علیزہ! علیزہ!

”کمرے میں بکھری ہوئی چیزوں کو سائیڈ میں کرتے ہوئے علیزہ تک پہنچا تھا۔“

بھائی....!! اذہان کو دیکھتے ہی علیزہ کی آنکھوں میں آنسوؤں امنڈ آئیں تھیں اور کانچ ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی۔“

اذہان نے فوراً اسے آگے بڑھ کر علیزہ کو گلے لگا لیا تھا۔

”علیزہ!، کچھ نہیں ہو اسب ٹھیک اب میں اگیا ہو پریشانی والی کوئی بات نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا! ادھر دیکھو میری طرف کچھ نہیں ہوا۔ دیکھو میری طرف علیزہ اپنے بھائی پر یقین ہے نا! تمہیں علیزہ کو بیڈ پر بیٹھاتے ہوئے خود پنچو کے کے بل اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

”بھائی! وہ ہمارے بابا کو مار دیا! پلیز آپ ممی کو روکے وہ مار دیں گی وہ.... وہ... مجھے بھی مار دیں گی اور آپ کو بھی! ایک بار پھر سے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ڈر اور خوف نمایاں تھا۔ اپنی بہن کی حالت دیکھ کر تڑپ کر رہ گیا تھا۔“

”کچھ نہیں ہوا علیزہ! کچھ نہیں! سب ٹھیک ہے! کچھ نہیں ہونے دو نگاہیں تمہیں! پلیز سنبھالو! پلیز میری خاطر خود کو سنبھالو! اگر تم کچھ ہو گیا تو تمہارا بھائی بھی مر جائے گا! اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے خود پر ضبط کرتے علیزہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔“

”نہیں بھائی! وہ مار.....! بابا میرے!..“

”کچھ کہتے کہتے علیزہ کا وجود ڈھیل پڑا اور وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔“

”علیزہ کیا ہوا! علیزہ! آنکھیں کھولو! علیزہ کا چہرہ اٹھتھپاتے پریشانی سے کہا۔ علیزہ کی حالت دیکھ کر اذہان کو اپنی دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔“

”میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو! ڈاکٹر کو کال کرو ملازمہ کو

سختی کہتے علیزہ کو سیدھا کر کے اس پر کمبل دیا تھا۔“

”کال کر دی کچھ دیر میں آجائے گا ڈاکٹر ایک ملازم نے بتایا تھا۔“

”کچھ نہیں ہونے دو نگاہیں تمہیں! جب تک تمہارا بھائی تمہارے ساتھ ہے کوئی تم تک نہیں

پہنچ سکتا! علیزہ ماتھے سے بال ہٹاتے ہوئے اذہان کے لہجے میں درد صاف نظر آ رہا تھا۔

”کچھ دیر میں ڈاکٹر نے آکر چیک کیا اور نیند کا انجیکشن لگا کر انہیں ٹینشن سے دور رکھنے کا کہہ کر

چلا گیا تھا۔“

”کئی سالوں سے یہی ہوتا آ رہا تھا، لیکن کچھ عرصے سے ان اٹیک میں کمی ہوئی تھی، علیزہ زندگی

کی جانب لوٹ آئی تھی، لیکن ایک دم سے ایسا کچھ ہوا تھا جو اس طرح علیزہ کو دوبارہ اٹیک ہوا جو

کے کافی پریشان کن تھا۔ علیزہ کی حالت نے اذہان کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، جتنا وہ خود

کو اس ماضی سے نکالنے کی کوشش کرتا پھر ایسا کچھ ناپکچھ ہو جاتا کہ اس کا ماضی بھیانک خواب کی

طرح سامنے آ جاتا تھا۔“



شمسوقاقا!

”سیر ھوں سے اترتے ہوئے اذہان نے اپنے خاص ملازم کو آواز دی جواب ان کے گھر کا فرد

سمجھا جاتا تھا۔ شمسوقاقا کے نہ آنے پر اذہان کے غصے میں اضافہ ہوا تھا۔“

”شمسوقاقا!! شمسوقاقا!!..“

اب کی بار شمسوقاقا فوراً سے آئے تھے۔

”جی چھوٹے صاحب! آپ نے یاد کیا! شمسوقاقا نے ادب سے کہا۔“

”شمسوقاقا! ایسا کیا ہو گیا جو مجھے یاد کرنا پڑا!

دونو ہاتھ کمر پر باندھ کر چلتے ہوئے اذہان شاہ نے لاؤنچ میں آتے ہوئے سنجیدگی سے استفسار

کیا۔“

”کچھ نہیں چھوٹے صاحب! شمسوقاقا کی زبان لڑکھڑائی تھی۔“

”علیزہ کو پھر سے پینک اٹیک ہوا! رات سے دوبار گھر میں ڈاکٹر آگیا! اور آپ کہہ رہے ہیں کچھ نہیں، میری غیر موجودگی میں علیزہ آپ کی زمے داری ہے اگر آپ سے یہ زمے داری نہیں سنبھل رہی تو بتادیں۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے ساری صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے سوال کیا۔ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا جو نظرے جھکائے کھڑا تھا۔“

”شمسوقا قا! آپ سے کچھ ڈھکا چھپا نہیں ناہی میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں! کہ مجھے آپ کی وفاداری پر شک ہے، کیوں کے اگر مجھے آپ پر شک ہوتا تو میں آپ سے پہلے ”اکرم“ اور ”بوا“ سے باز گشت کرتا۔ شمسوقا قا کو خاموش دیکھ کر اذہان کا لہجہ سرد ہوا تھا۔“

”چھوٹے صاحب! آپ کو معلوم ہے میری ایک بیٹی اپنا ہج اس کی کل اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی، مجھے اس ہاسپٹل لے کر جانا پڑا میں رات سے وہی تھا ابھی ابھی آیا تو علیزہ بیٹی کا پتا چلا تو میں فوراً یہاں چلا آیا۔ شمسوقا قا نے فوراً سے تفصیل بتائی تھی آنکھوں میں ندامت صاف عیاں تھی۔“

”یہ سب آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا! چلیں! جائیں آپ کی بیٹی کو اس وقت آپ کی زیادہ ضرورت ہے، یہاں اب میں اگیا ہوں! علیزہ کو اب میں دیکھ لوں گا۔ اذہان کو فوراً سے اپنے کیے پر شرمندگی ہوئی تھی۔“

”جی چھوٹے صاحب! شمسو قاقا نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے۔“

”سر! مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔“

”اس پہلے کے اذہان اکرم کو بلاتا اکرم خود ہی آگیا تھا۔“

”کہو! اذہان نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سگریٹ سلگائی تھی۔“

”سر! کال شام ایک خاتون علیزہ بی بی سے ملنے آئی اور میرے منہ کرنے کے باوجود، علیزہ بی بی!

سے ملنے کی ضد کر رہی تھی اور..... اکرم کہتے کہتے رکاتو اذہان نے فوراً سے اکرم کو سخت

نظروں سے دیکھا تھا۔“

سر! وہ کہہ رہی تھی کہ وہ آپ کی ماں!

”علیزہ! سے ملی تھی!! اذہان نے اکرم کی بات پوری ہونے سے پہلے سر دلچے میں سوال کیا تھا غصے سے رگیں تن گئی تھی۔“

ج جی! وہ شور ہی اتنا کر رہی تھی کہ علیزہ بی بی خود ہی کمرے سے باہر آگئی وہ تو علیزہ بی بی کو اپنے ساتھ لے جانے پر باضد تھی پر علیزہ بی بی کی اچانک طبیعت خراب ہونے پر وہ گھبرا گئی۔ اکرم نے صاف گوئی سے کام لیا تھا۔“

”ٹھیک ہے تم جاسکتے ہو! لیکن اگر آئندہ وہ عورت اس گھر کے آس پاس بھی نظر آئی تو گارڈ کے ساتھ تمہیں بھی فارغ کرنے میں ایک منٹ نہیں لگاؤ گا۔ اکرم کی بات سن کر سر دلچے میں حکم دیا تھا۔ اپنی جان کی خلا پاتے وہاں سے تیزی سے نکل گیا تھا۔“

”غصے سے مٹھیاں بھینچ کر سگریٹ ہونٹوں سے لگائے گہرا کش لگا کر دھوے کے مرغولے ہوا کے سپرد کرتے ہوئے آنکھیں موند لی تھی، دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے، اذہان! تم میرے

بیٹے ہو! اور تم کمزور نہیں پڑ سکتے تمہیں اپنی بہن کی حفاظت کرنی ہے، آج سے علیزہ کے بھائی بھی تم ہو! اور باپ بھی! اپنے باپ کے کہہ آخری الفاظ یاد آتے ہی اذہان نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھول دی۔“

”بابا! آپ سے کیا وعدہ میں نبھاؤں گا ضرور نبھاؤں گا! آپ کا بیٹا کبھی کمزور نہیں پڑے گا! اذہان نے انگلیوں کے پوروں سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی اور کچھ سوچتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔“



”ایاز! مجھے لگتا ہے، اب بھابھی زیادہ انتظار نہیں کریں گی، کل آپ نے ٹوٹ کیا بہانے بہانے سے وہ اپنی بات کہنے کی کوشش کر رہی تھی؛ چائے کی کیتلی ڈائنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔ شہلا کی بات سن کر ایاز صاحب بریڈ پر جیم لگتے ہوئے رکے اور بریڈ پیلٹ میں رکھ کر دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھتے ہوئے آگے کو جھکے تھے۔“

”ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، بیگم جب تک ہماری رضامندی نہیں ہوگی، بھابھی کچھ نہیں کر سکتی اور ویسے بھی، میں بڑی بیٹی کے ہوتے ہوئے چھوٹی بیٹی کو بیانے کے حق میں، میں بالکل نہیں ہوں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ بھابھی کو خود ہی سمجھا دیں۔ شہلا کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہتے واپس بریڈ پر جیم لگانے لگے تھے۔ شہلا بیگم ایاز کی بات سن کر حیران نہیں ہوئی تھی وہ جانتی تھی ایاز صاحب ایسا ہی کچھ کہیں گے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ، عمامہ! کی وجہ سے آپ عنایہ! کو کبھی نہیں بیاہے گے! کیوں کے عمامہ کی شادی تو کبھی نہیں ہوگی۔ شہلا بیگم کا انداز خاصہ سخت تھا۔“

”شہلا...!! ایاز صاحب کو اپنی بیوی کی بات ناگوار گزری تھی۔“

”آپ کے چلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی! اور یہی حقیقت ہے! پتا نہیں کب مرے گی! اور ہماری جان چھوٹے گی اس عذاب سے! نہ مرتی ہے نہ جان چھوٹتی ہے اس سے۔ مشتعل ہوتے ہوئے اپنی کرسی پیچھے کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھنے لگی تھی۔“

”شہلا تم بھول کیوں جاتی ہو! عنایہ! کی طرح عمامہ! بھی تمہاری ہی بیٹی ہے، تمہارا یہ رویہ عمامہ محسوس کرتی ہے! بچی نہیں رہی اب وہ۔ ایاز نے شہلا کے اٹھنے سے پہلے ہاتھ پکڑ کر واپس کر سی پر بیٹھاتے ہوئے شروع میں برہم ہوتے ہوئے آخر میں سنجیدگی سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ایاز صاحب کی باتیں سن کر شہلا بیگم کو کچھ خاص فرق نہیں پڑا تھا۔“

”تو میں نے کب اس بات سے انکار کیا ہے ایاز! میں دشمن نہیں ہوں عمامہ کی، مجھے بھی یہ سب کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے! میں یہ سب نہیں کہنا چاہتی لیکن پتا نہیں کیوں میں اتنی بے بس ہو جاتی ہوں! اور آپ بھی تو سمجھنے کی کوشش کریں آج کے زمانے میں آپ کہاں سے لائے گے اتنا اعلیٰ ظرف شخص جو ہماری بیٹی کو اپنا یہ دو آنسو ٹوٹ کر گال پر پھسلے گئے تھے۔“

”آب کیوں بھول جاتے ہیں ہماری بیٹی اپناج ہے، اور جو معاشرہ آج تک مجھے ایک اپناج بیٹی پیدا کرنے پر باتیں سننا سکتا ہے، وہ معاشرہ ایک اپناج کو اپنا یہ گا، عمامہ! پر کوئی بھی ترس تو کھا سکتا ہے لیکن محبت سے اپنی زندگی کا حصہ کوئی نہیں بنائے گا۔ آج کل تو اچھی خاصی لڑکی میں بھی سو

عیب نکلاے جاتے ہیں۔ شہلا بیگم کچھ پل کے لیے رکی تھی۔ ایاز صاحب انماک سے شہلا بیگم ساری بات سن رہے تھے۔“

”ہمارے معاشرے کو پولیوں سے پاک معاشرہ چاہئے، جنہیں پولیوں ہو جائے یا پھر کسی بھی وجہ اپانج ہو جائے، انہیں پھر جینے کا کوئی حق نہیں ہوتا، ایک اپانج صرف اور صرف بوجھ ہوتا ہے، اپنے گھر والو پر اور اس معاشرے پر، اور آپ اپنی اپانج بیٹی بیانے کا سوچ رہے ہیں، لیکن ہم اپنی ایک بیٹی کی وجہ سے دوسری کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ سنجیدگی سے کہتے ہوئے شہلا واپس اسی بات پر آئی تھی۔“

”کسے نظر انداز کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں، ڈانگ ہال میں آتے ہوئے عنایہ نے استفسار کرتے ہوئے ڈانگ ٹیبل پر موجود فروٹ باسکٹ سیب اٹھتے ہوئے پوچھا جس پر دونوں خاموش ہو گئیں۔“

”کچھ نہیں میں اور تمہارے بابرات کی دعوت کے بارے میں بات کر رہے تھے، تم بتاؤ آج تم کیسے اتنی جلدی اٹھ گئی! آج تو تمہاری کالج سے چھٹی ہے۔ شہلا بیگم نے جھوٹ کہتے ہوئے بات بدلی تھی۔ عنایہ کرسی کھینچ کر شہلا بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنے لیے گلاس میں جو س انڈھیلنے لگی تھی۔“

”عنایہ بیٹا! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ ایاز صاحب ابھی تک شہلا بیگم کی باتوں کے زیرے اسر تھے۔“

”جی بابا! عنایہ نے سیب کو دانتوں سے کھاتے ہوئے کہا۔“

”کچھ نہیں بس ویسے ہی تمہیں رخصت کرنے کا سوچ کر اداس ہو گئے ہیں۔ ایاز صاحب کے

کچھ کہنے سے پہلے شہلا بیگم نے بتایا تھا۔“

”مجھے رخصت!! عنایہ ٹھٹھکی تھی۔“

”ہاں! عنایہ! رات مجھے بھابھی کی باتوں سے ایسا لگا! اور اس بار تمہارا کوئی بہانہ کام نہیں کرے گا خود کو مینٹلی طور پر تیار کر لو! بھابھی نے اگر مجھ سے ایسی کوئی بات کی تو میں اس بار انکار نہیں کروں گی۔ شروع میں بتاتے ہوئے آخر میں اپنی بات سے آگاہ کیا تھا۔ ایاز صاحب خاموشی سے شہلا کی طرف دیکھ کر گئے تھے۔“

”لیکن بابا! التجائیاں انداز میں ایاز کو دیکھتے ہوئے کہا۔“

”اس بار تمہارے بابا کی بھی ایک نہیں چلے گی۔ شہلا بیگم نے فوراً سے تنبیہ کی تھی۔“

”تو پھر ٹھیک ہے! میں آپ سے بات کرتی ہوں! وہی آپ کو سمجھائے گی۔ عنایہ نے خفگی سے منہ بناتے ہوئے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔“

”بیگم صاحبہ! عمامہ بی بی! کو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔ اس پہلے کے عنایہ ڈانگ ہال سے نکلتی رضیہ نے آکر بتایا تھا۔“

جاری..... بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 3

”علیزہ! علیزہ! دورازے پر نوک کرتے ہوئے اذہان نے دروازہ نوک کرتے ہوئے آواز دی تھی۔“

”اندر سے کوئی جواب نہ آنے پر نوک گھوما کر دروازہ اندر کی جانب دھکیلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا پورے کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا کھڑکیوں پر پڑے پردے باہر سے آتی روشنی کو رکے ہوئے تھے۔“

”علیزہ! کیا تم سو رہی ہوں! کمرے کی لائٹ اون کرتے ہوئے دھیرے سے پکارا تھا۔ لائٹ اون ہوتے ہی پورا کمرے میں روشنی پھیل گئی تھی۔“

”ابھی مجھے کسی سے نہیں ملنا، پلیز! آپ چلے جائے یہاں سے۔ کمبل منہ تک تان تے ہوئے نم لہجے میں آنکھوں میں آنسوؤں لئے کہا تھا۔“

”علیزہ تم رور ہی ہو! تڑپ کر آگے بڑھتے علیزہ کے منہ سے کمبل ہٹایا تھا۔“

”بھائی پلینز! اپنے آنسوؤں چھپانے کی ناکام کوشش کی تھی۔“

”تم اس طرح چھپ کر رور ہی ہو، تم نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ مجھ سے اپنی پریشانی

شکر کر سکو! اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں بابا سے کیا وعدہ پورا کرنے میں ناکام ہو گیا ہوں! نہ ہی میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکا اور نہ ہی اپنی بہن کا اعتبار حاصل کر سکا۔ علیزہ کے سامنے بیٹھتے اذہان کے چہرے پر پریشانی کے آثار عیاں تھے۔“

”نہیں بھائی! ایسی بات نہیں ہے۔ اپنے آنسوؤں صاف کرتے ہوئے علیزہ اٹھ بیٹھی تھی۔“

”تو پھر! کیسی بات ہے، کیا تمہیں اپنے بھائی پر یقین نہیں! تمہیں لگتا ہے کہ کوئی بھی آکر تمہیں لے جائے گا اور میں اپنی بہن کو لے جانے دوں گا! کیا تم نے اپنے بھائی کو اتنا کمزور سمجھ لیا ہے۔ علیزہ کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے مدافعا نہ انداز میں اپنی بات کہی تھی۔ جس پر علیزہ نے فوراً اسے نہ میں سر ہلایا تھا۔“

»بھائی! اگر وہ مجھے لے گئی تو؟ نم لہجے میں آنکھوں میں آنسوؤں لئے علیزہ نے سوال کیا۔«

»جب تک تمہارا بھائی زندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا میرے مرنے کے!....«

»پلیز بھائی! ایسے نہیں کہیں، بابا! کوکھونے کے بعد ایک آپ ہی تو میرے جینے کی وجہ ہیں۔
اذہان کی بات پوری ہونے سے پہلے علیزہ اذہان کے گلے لگا گئی تھی۔ اذہان نے فوراً سے علیزہ کے گرد بازو جمائل کرتے اس کے بال سہلائے تھے۔«

»بھائی...! میں بہت ڈر گئی تھی! اگر وہ مجھے

اپنے ساتھ.....!! دانستہ طور پر بات ادھوری چھوڑی تھی۔ علیزہ کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر اذہان کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔«

»چلو! ایمو شنل ڈرامہ بہت ہو گیا، اب چل کر اپنے بھائی کے لیے ناشتہ ہی بنادو! کل سے میں نے کچھ نہیں کھایا۔ علیزہ کے خوف کو دیکھتے ہوئے بات بدلی تھی۔«

» کیا آپ نے کل سے کچھ نہیں کھایا اپنے آنسوؤں صاف کرتے ہوئے علیزہ کے لہجے میں پریشانی در آئی تھی۔“

”ہمم اپنی پرنسس کے بغیر میں کچھ کھا سکتا ہوں بھلا۔ علیزہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جس پر علیزہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔“

”میں ابھی فریش ہو کر آپ کے لیے ناشتہ بناتی ہوں۔ علیزہ نے فوراً سے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا تھا۔ علیزہ کو دیکھ کر اذہان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔“



”پلیز! امی جی! مجھے معاف کر دیں! میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی! پھر بھی ہمیشہ ہی آپ کے لیے پریشانی اور شرمندگی کا باعث بنتی ہوں، پلیز! معاف کر دیں مجھے۔ نیم بے ہوشی میں عمامہ بس ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔ شہلا بیگم اپنی بیٹی کی باتیں سن کر تڑپ کر رہ گئی تھی۔“

”نہیں عمامہ! تم بہت اچھی ہو! تم تو میری بہت پیاری سمجھ دار بیٹی ہو۔ اپنی بیٹی کا ماتھا چومتے ہوئے شہلا بیگم کی آنکھوں سے آنسوؤں ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔“

”کیا ہوا اسے۔ ایاز نے عمامہ کے قریب بیٹھتے عمامہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا بخار چیک کرتے متفکر ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔“

”سر! عمامہ بی بی! رات سے بہت ڈیپرس تھی، اور مجھے بھی کمرے سے نکال دیا تھا وہ تو میں خود صبح دیکھنے آئی تو پتا چلا۔ رضیہ نے تفصیل بتائی تھی۔ جس پر ایاز صاحب نے شہلا بیگم کو گھور کر دیکھا تھا۔“

”بابا! میں نے ڈاکٹر کو کال کر دی ہے۔ عنایہ نے کمرے میں آتے ہوئے بتایا تھا۔“

”تھوڑی دیر میں ڈاکٹر نے آکر چیک کرنے کے بعد کچھ میڈیسن لکھ دی تھی۔“

”پریشانی کی کوئی بات نہیں بخار کی وجہ سے غنودگی ہے، میں نے انجیکشن لگا دیا ہے، کچھ دیر میں ہوش آجائے گا۔ ڈاکٹر نے پرفشنل انداز میں تفصیل سے آگاہ کیا۔ جس پر ایاز صاحب کو کچھ تسلی ہوئی تھی۔“



”میں کچھ نہیں سنو گی! تمہیں یہ ساری بریڈ ختم کرنی ہے اتنی سی بیماری میں کتنی کمزور ہو گئی ہو۔ ایک نوالہ توڑ کر عمامہ کے منہ ڈالتے ہوئے محبت سے کہا۔ عمامہ کی نظریں اپنی ماں کے چہرے پر مرکوز تھی۔

”مجھے معاف کر دو عمامہ! میں بہت بری ماں! ہوں۔ عمامہ کی آنکھوں میں ویرانی دیکھ کر شہلا بیگم کو اپنے کئے پر پچھتاوا ہوا تھا۔ عمامہ نے فوراً سے نا میں سر ہلایا تھا۔“

”نہیں امی جی! پلیز ایسے نہ کہیں، آپ بہت اچھی ہے۔

عمامہ نے فوراً سے کہا تھا۔“

”میں بھی آپ کی ہی بیٹی ہوں! امی جی عنایہ نے اپنی ماں اور بہن کو ایمو شئل ہوتے دیکھ کر کہا۔ جس پر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔“

”امی جی! لگتا ہے کوئی جیلز! ہو رہا ہے، عنایہ کو تنگ کرتے ہوئے شریر لہجے میں کہا۔ عمامہ کی بات پر عنایہ سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔“

”جی نہیں ایسا کچھ نہیں، میں بھلا کیوں جیلز ہونے لگی! آپ تو میری آپنی پیاری آپنی ہیں۔ عمامہ کے کندھوں کے گرد بازو جمائل کرتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

”اچھا اچھا اس سے دور رہ کر بتاؤ وہ پہلے ہی بیمار ہے، تمہاری باتیں اس کے سر میں درد کر دیں گی تمہارا ریڈیو تو ایک بار اون ہو جائے تو پھر اسے بند کرنا ممکن ہی ہو جاتا ہے۔ عنایہ کو ڈپٹے ہوئے برہم ہوئی تھی۔“

”کیا ہو گیا امی جی! میری باتوں سے سر درد نہیں موڈ خوشگوار ہو جاتا ہے، کیوں آپ صبح کھ رہی ہوں نا! میں۔ شروع میں شوخ لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں اپنی بات کی تائید چاہی تھی عمامہ سے۔ جس پر عمامہ نے فوراً ہاں میں سر ہلایا تھا۔“

”اچھا تو پھر تم دونوں باتیں کرو، لیکن عمامہ! یہ بریڈ ختم کرنی ہے جب تک میں تمہارے لیے سوپ بنا کر لاتی ہوں۔ شہلا بیگم نے اٹھتے ہوئے سہولت سے کہا تھا۔“

”آپ آپ بھی نا!“ ”چھوٹی“ ”چھوٹی“ باتوں، پر پریشان ہو کر خود کو بیمار کر لیتی ہیں! کل مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔ جب امی جی! نے آپ کو گھر رہنے کا کہا! زیادہ غصہ تو مجھے اس بات پر آیا کہ آپ فوراً سے مان بھی گئی جب کے آپ مجھ سے زیادہ اکسانٹڈ تھی میرا کیا ہے میں تو اپنے فرینڈز کے ساتھ بھی آؤٹنگ پر!!“.....

”عنایہ! تم کوئی اور بات کر سکتی ہو! کھانے کے لیے توڑا ہوا نوالہ پیٹ میں رکھتے ہوئے عنایہ کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔“

”اچھا چلیں! ٹھیک ہے، یہ دیکھیں میں نے آپ کو دیکھانے کے لیے سب کی پک بنالی تھی، ویسا آپ بھی ساتھ چلتی تو آپ بھی بہت انجوائے کرتی پتا سب آپ کا پوچھ رہے تھے، عنایہ نے بات بدلتے ہوئے عنایہ کو اپنے موبائل سے پک دیکھائی تھی۔

”ویسے آپ ایک بات ہے، عمر! دن بادن ٹھہر کی ہوتا جا رہا ہے، کل بھی سارا وقت عجیب عجیب نظروں سے گھور رہا تھا، میں تو کہتی ہوں! عمر کو کسی بھی فیملی اوینٹ پر انوائٹ ہی نہیں کرنا چاہئے، بہن بیٹی کو دیکھنے کی تو تمیز ہی نہیں ہے۔ عنایہ نے ناگواری سے بولنا شروع کیا تھا

اور عباس! اس کا تو پوچھے ہی مت! آپ، اس کی فیانسی کو وہ تنگ کر رہا تھا یا پھر یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کے تاڑ رہا تھا! اور اسے اپنے کاموں سے فرصت ہی نہیں تھی، مجال ہے جو ایک نظر دیکھا ہوں۔ عنایہ کی باتیں سن کر عمامہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔ ایک پل کے لیے عمامہ کو لگا کے وہ بھی وہی پہنچ گئی ہے۔

اور کرن! اسے تو اللہ ہی بچائے ایسے شواوف کر رہی تھی ”توبہ توبہ“ دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے بات کرتے کرتے ایک پل کے لیے رکی تھی۔

عباس کے آگے پیچھے تو ایسے گھوم رہی تھی! جیسے وہ میرا نہیں اس کا فیانسی ہو! مجھے تو کرن! سے زیادہ عباس پر غصہ رہا تھا، یہ جانتے ہوئے کے میں دیکھ رہی ہوں پھر بھی ایک بار بھی کرن کو مناں نہیں کیا! اور اس کی دبی دبی ہنسی! میں تو بس تائی جان کی وجہ سے لحاظ کر گئی! میرا بس نہیں چل رہا تھا، کہ سب کے سامنے اسے گنجا کر دوپھر دیکھتی ہوں! کیسے وہ چوہیا عباس کے پیچھے آتی ہے بتاتے ہوئے عنایہ کی آواز بلند ہوئی تھی۔“

”ریکس! عنایہ! ریکس! وہ اب یہاں نہیں اس لیے اتنا غصہ مت کرو۔ عنایہ کے لہجے میں غصہ دیکھتے ہوئے عمامہ نے استحکام سے کام لیا تھا۔“

”آپی ایک بات پوچھو آپ سے؟ عمامہ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔“

”پوچھو“!! ...

”آپ نے کبھی کسی محبت کی ہے۔ غیر متوقع سوال پر عمامہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔“

کیوں...!! خود کو نارمل رکھتے ہوئے عام سے انداز میں جواب دینے کے بجائے سوال کیا تھا۔“

”کل عالی بھائی کی کال آئی تھی اور وہ جس طرح آپ کا پوچھ رہے تھے مجھے لگا شاید!!“.....

”تمہیں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے، اور ایسا کچھ نہیں اس لیے اپنے اس چھوٹے سے دماغ پر اتنا زور نہ دو اور برتن اٹھا کر لے جاؤ اور مجھے آرام کرنے دو۔ عنایہ کی بات پوری ہونے سے پہلے بنا اس کی طرف دیکھے عام سے لہجے میں کہتی بیڈ کراؤن کے ساتھ سر ٹیکا گئی تھی۔“

”یہ تو میری بات کا کوئی جواب نہ ہوا! میں نے کیا پوچھا اور آپ کیا کہہ رہی ہیں، منہ بناتے ہوئے عنایہ نے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا۔“

”تمہارے اس فضول سوال کا کوئی جواب نہیں ہے، میرے پاس، پتا، نہیں تمہارے زہن میں یہ سوال آیا بھی کیسے۔ عمامہ کا لمبایک دم سرد ہوا تھا۔“

"آپی! آپ غصہ کیوں کر رہی ہیں، وہ تو بس ویسے ہی میرے زہن میں ایک سوال آیا تو میں نے پوچھ لیا، آپ کے ذکر پر عالی بھائی! کی آنکھوں میں جو چمک آئی تھی، اور ویسے ایک وقت تک وہ آپ کے فرینڈ بھی رہ چکے ہیں، ویسے بھی دیکھا جائے تو ڈولی! سے زیادہ آپ سمجھتی ہے عالی بھائی کو! اور یہ میں نہیں سب ہی کہتے ہیں، یہ سب دیکھ کر مجھے لگا کہ شاید.... ٹرے اٹھتے ہوئے عنایہ نے اپنے سوال کی وجہ بیان کی تھی۔"

اور ویسے بھی میرا سوال اتنا بھی کوئی فضول نہیں! عالی بھائی! سے نہیں، اور کسی سے کبھی تو ہوگی نہ آپ کو بھی محبت پھر پوچھو گی۔ شروع میں ہلکی سی خفگی سے کہتے ہوئے آخر میں شرارت سے کہتی کمرے سے نکل گئی تھی پیچھے عنایہ کی بات سن کر گہرا سانس لیا تھا اور آنکھوں کے پورے میں نمی امنڈ آئی تھی۔"

"عنایہ! کاش کے تم جان پاتی کہ آج کے زمانے میں ایک اپاہج پر کوئی ترس تو کھا سکتا ہے لیکن محبت کوئی نہیں کرتا.. خود کلامی کرتے ہوئے دکھ سے آنکھیں میچ لی تھی۔"

جاری



”اسلام علیکم“ ڈئیر ریڈرز کیسے ہیں آپ سب۔

”یہ ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت ہے،

اب آہستہ آہستہ ہم حقیقت سے فینٹسی کا سفر شروع کرے گے کیوں کہ حقیقت میں کوئی

ہیر و نہیں ہوتا، ہیر و صرف کہانیوں میں ہی ہوتے ہیں۔ بوند بھر خوشی

از قلم۔ طیبہ

Episode 4

”کئی دن لگے تھے، علیزہ کو اپنی روٹین لائف میں واپس آنے کے لیے، اذہان کے لاکھ سمجھانے پر آج کالج جانے کے لیے تیار ہوئی تھی، وہ بھی اس شرط پر کہ پک اینڈ ڈراپ اذہان کرے گا۔“

”چلو! علیزہ! اور کتنی دیر لگے گی، میں بھی اوفس کے لیے لیٹ ہو رہا ہوں۔ شیر و (اذہان کا پالتو کتا) کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آواز لگائی تھی۔

”آگئی بھائی! کندھے پر بیگ ڈالے ہاتھ میں بک پکڑے۔ اندرونی دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے بھی جھک کر شیر و کو پیار کیا تھا۔

”ویسے بھائی آپ کونا....! باقی باتیں گاڑی میں کر لینا بھی چلیں اذہان نے گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دروازہ کھولا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔ علیزہ نے فرنٹ سیٹ سنبھالی تھی۔“

”گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوئی گاڑی میں بیٹھ دو نو ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم صم اپنی زندگی کے اتار چڑاؤ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔“

”بھائی...! اب میرا دل نہیں چاہتا پڑھنے کا! اس لیے، اس سمیسٹر کے بعد آپ مجھے فورس نہیں کریں گے۔ گاڑی میں موجود خاموشی کو توڑا! جس پر اذہان نے اپنی لاڈلی بہن کو دیکھا کچھ ہی دنوں میں کیا سے کیا ہو گئی تھی۔“

”ٹھیک ہے، میں تمہیں فورس نہیں کروں گا! لیکن تمہیں بھی وعدہ کرنا ہوگا، کے تم دل لگا کر پڑھائی کرو گی! اور کسی بھی فضول سوچ کو خود پر سوار نہیں کرو گی۔ رسان سے کہتے اذہان کے لہجے میں محبت تھی۔ جس پر اس نے فوراً سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔“

اگر تم چاہو تو میں تمہیں ٹیوٹر لگوا دوں! تمہیں پڑھائی میں مدد مل جائے گی۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے تجویز دی تھی۔

نہیں... یک لفظی جواب آیا تھا۔

جس کے بعد باقی سارا صفر خاموشی ہوا تھا۔



”سوٹ بوٹ میں مردانہ وجاہت کے ساتھ گاڑی سے اتر کر گہری کالی آنکھوں سے گلاس اتارتے ہوئے ایک سرسری سی نظر اپنے ارد گرد ڈالی تھی، اپنے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اوفس میں داخل ہوا اور تیزی سے چلتے ہوئے اپنے امپلوز کے سلام کا جواب سر کی جنبش سے دیتے ہوئے اپنے اوفس کی جانب بڑھا۔“

”واؤ.... ہی اس سوہینڈ سم... ایک نئی لڑکی نے اپنے ساتھ کھڑی لڑکی سے دھیمی آواز میں سرگوشی کی تھی۔ لڑکی کی بات پر اذہان شاہ کے تیزی سے چلتے قدم رکے تھے۔“

”ایک تیکھی نظر اس لڑکی پر ڈالتے تیزی سے اپنے اوفس کی جانب بڑھا تھا۔“

”سر! سر! وہ.....! سکرٹری کچھ کہنے کے لیے آگے بڑھ تھا اس سے پہلے اذہان اپنے اوفس میں داخل ہو چکا تھا۔ اور اس کی نظر اپنے، اوفس میں بیٹھی عورت پر پڑ چکی تھی۔ سامنے ڈبل صوفے پر بیٹھی خاتون کو دیکھتے ہی اذہان کے چہرے پر ناگواری در آئی تھی۔“

”انہیں اندر آنے کی اجازت کس نے دی غصے سے مٹھیاں بھینچ کر سکرٹری پر دھاڑا تھا۔“

”مجھے یہاں آنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں! تم! شاید بھول رہے ہو! یہ میرے مرحوم شو“!!....

”مرنے کے بعد تو سکون لینے دیں! زندگی میں تو کبھی نہیں دے سکی آپ انھیں! بات بچ میں ہی کاٹ دی تھی اذہان کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ سکرٹری خاموشی سے اوفس سے نکل گیا تھا۔“

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں! اس شخص کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا تم ہی مجبور کر رہے ہو۔ سلک کی ساڑھی میں مغرور نہ چال چلتے ہوئے اذہان کی کی کرسی پر بیٹھتے بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

ضبط سے اذہان نے اپنی میٹھاں بیچ لی تھی۔“

”شوق نہیں تو کیوں! ہماری خوشحال زندگی برباد کی کیوں ہماری ہنستی کھلتے میں گھر کو آگ لگائی...! کیوں!! اذہان مشتعل ہوا تھا۔ جس پر اس عورت کے چہرے پر مکروہ ہنسی پھیل گئی تھی۔“

”تم اچھے سے جانتے ہو! میں نے یہ سب کیوں کیا! بار بار ایک ہی کہانی سنا کر وقت برباد کرنے کا وقت نہیں میرے پاس۔ ٹیل ویٹ کو گھماتے ہوئے طنزیہ لہجے میں جتلا یا تھا۔ اذہان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس سے اس کی ہر افیت کا بدلہ لے لے۔“

”تم جو چاہتی وہ کبھی نہیں سکتا! اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم یہاں سے چلی جاؤ! مجھے وہ کرنے پر مجبور نہ کرو! جو میں نہیں کرنا چاہتا۔ خود پر ضبط کرتے ہوئے ٹیل کے پاس آتے انگلی اٹھا کر وارن کرتے رگیں تن گئی تھی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔“

”وہی جنون! وہی ضد! وہی ہٹ دھرمی؟ کیا تھا جو تمہارا باپ میری بات مان جاتا! بالکل اپنے باپ پر گئے ہو لیکن تم مجھے جانتے نہیں! جس طرح تمہارے باپ کی عنایت توڑی تھی! بالکل اسی طرح تمہاری اکڑ بھی توڑو گی آگے کو جھکتے کہتی انداز ہٹک آمیز تھا۔ اذہان کا بس نہیں چل رہا کہ اس عورت کی جان لے لے۔“

”ضد چھوڑ دو! اسی میں تمھاری بہتری ہے۔ کیوں کے میں جو چاہتی ہوں! وہ حاصل کر کے ہی رہتی ہوں جیسے تمھارا باپ! جیسے علیز!“.....

”خبردار! جو آپ نے میری آپ نے میری بہن کا نام بھی لیا۔ ٹیبل پر زور سے ہاتھ مارا کر آگے کو جھک کر گھمبیر لہجے میں باور کروایا۔“

»ٹھیک جیسے تمھاری مرضی! پھر یہ نہ کہنا کے میں نے آگاہ نہیں کیا! اب جو ہو گا اس کے زمرے دار تم خود ہو گے، اگر تم میری بات مان لیتے تو تمھیں بھی فائدہ ہی ہوتا۔ دونو ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے شاطرانہ انداز میں کہتی آخر میں کندھے اچکائے تھے۔

”مجھ پر تمھاری کھوکھی دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں ہونے والا! ناؤ گیٹ آؤٹ!! عورت کی بات پر اذہان کا صبر جواب دے گیا تھا۔“

”چیننے کی ضرورت نہیں! مجھے بھی کوئی شوق نہیں یہاں رکنے کا۔ کان میں انگلی ڈال رب کرتے مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے افس سے نکلی تھا، اذہان نے ٹیل ویٹ اٹھا کر سامنے کانچ پر مارا تھا جس پوری گلاس وال ٹکروں میں زمین بوس ہو گیا تھا۔“

”آہنہ.....!! ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوئے دھاڑا تھا۔ غصے کی زیادتی کے سبب اذہان شاہ کی رگیں تن گئی تھی۔“



”وقت کا کام گزرنا گزر ہی جاتا ہے چاہے اچھا ہو یا برا لوگوں کے لیے بیمار ہونا تکلیف کا باعث ہوتا ہوتا ہے، کیوں بیماری کی وجہ سے وہ گھر کے ہو کے رہ جاتے ہیں نہ کچھ کھانے کا دل کرتا ہے اور نہ ہی بات کرنے کا۔ اس سب کے برعکس عمامہ کے لیے بیماری اس کی واحد خوشی تھی۔ جب وہ بیمار ہوتی تو سب کی توجہ کامرکز بن جاتی۔ امی کو بھی فکر لاحق ہوتی ہے اسے کہی کچھ ہونہ جائے اگر اسے کچھ ہوا اور میں اس کے آس پاس ناہوئی تو لوگ کیا کہیں گے۔ اس لیئے اسی کے پاس بیٹھی رہتی اس سے باتیں کرتی اس کی پسند کی کھانے بناتی۔ عنایہ بھی خیریت دریافت

کرنے آتی رہتی، بابا بھی اس کے کمرے میں آجاتے لیکن یہ خوشی بھی بوند بھر ہی ٹھہری، اب وہ ٹھیک ہو گئی تھی، جس وجہ سے سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے! اور ایک بار پھر عمامہ اپنے کمرے میں تنہا ہو گئی تھی۔“

”صبح سے ایل ای ڈی پر چینل سکرول کر رہی تھی جس میں وہی ساس بہوں کے روایتی پو گرام دیکھ دیکھ کر دل تنگ ہو گیا تھا۔ لیکن مجبوری یہ تھی کہ اس کے علاوہ کوئی اور چونس بھی نہیں تھی ریموٹ سے ایل ای ڈی آف کرتے ریموٹ دوسری طرف پھینک کر موبائل اٹھالیا تھا۔“

”پتا نہیں وہ کون لوگ ہوتے جن کا موبائل میں ٹائم پاس ہو جاتا ہے، مجھے تو اس سے بورنگ کچھ نہیں لگتا موبائل میں سوشل میڈیا اون کرتے ہوئے اوپر نیچے سکرول کرتے ہوئے بیزار ہوئی تھی۔“

رضیہ!! رضیہ!!

”موبائل سائیڈ ٹیبیل پر پٹخنے کے انداز میں رکھتے ہوئے آواز دی تھی۔“

”جس دن یہ لڑکی ایک آواز میں سن لے گی وہ دن ہی الگ ہو گا بیزاری سے سے کہتے سائیڈ ٹیبل پر رکھے پانی کے جگ کی طرف متوجہ ہوئی تھی اس پانی نہ ہونے پر عمامہ نے جگ کو اس طرح گھورا جیسے اس میں اس کا قصور ہو۔“

”رضیہ!! ایک اور دی تھی۔“

”لگتا ہے مجھے خود ہی جانا پڑے گا۔ دونوں پاؤں بیڈ سے نیچے کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو کر دوسرا ہاتھ وہیل چیئر کی جانب بڑھا یا پر بیٹھنے کے لیے جیسے آگے بڑھی سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہاتھ سلپ ہو گیا جس کی وجہ سے وہ دھڑام سے نیچے گری تھی۔“

”آہنہ!!.....“

”پاؤں بری طرح مڑ گیا تھا۔“

رضیہ!!.....“

”ایک بار پھر رضیہ کو بلانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ بے بسی سے دو آنسو ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔“



”کالج آتو گئی تھی، لیکن زہن میں ابھی وہ سب گھوم رہا تھا کلاس میں بھی دھیان نہ ہونے کی وجہ سے ٹیچر نے پوری کلاس کے سامنے باتیں سنائی جس کا اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا، اب بس کینٹن میں بیٹھی چھٹی ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔“

”کیا بات ہے! تم آج بہت خاموش ہو ویسے تو پہلے ہی کم گو ہو لیکن آج جیسے تمہارے منہ میں زبان ہی نہیں! فریج فرارز اور برگر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی اور ایک چپس اٹھا کر اس کے آگے کی تھی جسے وہ بے دلی سے اس کے ہاتھ سے لے کر واپس پیٹ میں رکھ چکی تھی۔“

”کیا بات ہے عزیزہ پر ہشان ہو مجھ سے شمر کر سکتی ہو۔ سامنے بیٹھی لڑکی نے پیشکش کی تھی۔“

”کچھ نہیں بس دل نہیں چاہ رہا، علیزہ کے لہجے میں بیزاری تھی۔ علیزہ کی بات پر سامنے بیٹھی لڑکی کے چہرے پر پریشانی در آئی تھی۔“

”ایسے کیسے کچھ نہیں اپنا چہرہ دیکھوں ایسا لگ رہا ہے ابھی رو دو گی میم کی باتوں کی وجہ سے پریشان ہو۔ علیزہ کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔“

”بغیر کوئی جواب دیے اپنے بیگ سے موبائل نکال کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے کرسی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اٹھ گئی تھی۔“

”علیزہ بات تو سنو! وہ لڑکی اس کے پیچھے آئی تھی۔“

علیزہ انگلی اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔“

”جی بھائی کیا آپ مجھے ابھی لینے آ سکتے ہیں۔ کال اوکے ہوتے ہی علیزہ نے فوراً سے کہا۔“

”کیا ہوا! علیزہ تم ٹھیک تو ہونا۔ دوسری طرف سے متفکر نہ انداز میں پوچھا گیا تھا۔“

”جی جی! آپ کی بہن بالکل ٹھیک، صحیح سلامت ہے، اسے بس آپ کو پریشان کرنا، اچھا لگتا ہے، یہ صرف اور صرف آپ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے مظلوم، معصوم بنتی ہے علیزہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس لڑکی نے علیزہ کے ہاتھ سے موبائل لے کر بولنا شروع کیا تھا۔“

”جی آپ؟ دوسری طرف سے سر دلہجے میں سوال کیا گیا۔

”میں علیزہ کی بیسٹ فرینڈ، میں نے یہ پوچھنے کے لیے کال کی تھی، کے کیا میں علیزہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ لڑکی نے فوراً سے جھوٹ کہا۔ علیزہ نے اس کی بات سن کر چونکی تھی۔“

”اگر علیزہ؟ جانا چاہتی ہے تو لے جاؤ! لیکن پہلے میری بات علیزہ سے کرواؤ! دوسری طرف سے غیر متوقع جواب آیا تھا۔“

”یا ہوو!! لڑکی نے موبائل علیزہ کو دیتے ہوئے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔“

”بھائی! یہ بس مزاح کر رہی آپ آجائے مجھے لینے میں!...

”میں مزاح نہیں کر رہی۔ علیزہ کی بات پوری ہونے سے پہلے لڑکی نے ہانک لگائی تھی۔“

”علیزہ! اگر وہ اتنا کہہ رہی ہے تو چلی جاؤ تم بہتر فیل کرو گی۔ اذہان نے لڑکی کی آواز سن لی تھی۔“

”لیکن بھائی!“

”اگر تم نہیں جانا چاہتی تو کوئی بات نہیں میں آجاتا ہواؤ کے۔ اذہان نے سہولت سے کہا۔“

”اچھا ٹھیک ہے، لیکن شام کو آپ ہی مجھے لینے آنا! علیزہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اذہان نے اتنی اسانی سے اجازت دیدی تھی۔“

”چلو ٹھیک ہے، اوکے اب میں رکھتا ہوں۔ اذہان نے فون رکھا تھا خود کو سنبھالنے کے لیے کچھ وقت مل گیا تھا۔“

”تم نے جھوٹ! کیوں کہا بھائی سے۔ کال کٹ ہوتے ہی علیزہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔“

”کیوں کے، تم نے میری بات ماننی نہیں تھی، اس لیے میں نے سوچا کہ میں خود ہی تمہارے بھائی سے بات کر لوں۔ لڑکی نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔“

جاری



اسلام علیکم ڈئیر ریڈرز امید ہے سب خیریت سے ہونگے

یہ اپنی سوڈ میرے ان ریڈرز کے لیے جولا نکس اور کمٹ کرتے ہیں اب نکسٹ آپ کے رسپونس پر ہی اپلوڈ ہو گی سو بند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 5

”بڑے سے لگتری کمرے داخل ہوتے ہوئے غصے سے بیگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھی تھی۔“

”سمجھتا کیا ہے! خود کو! مجھے میری ہی بیٹی دور کر دے گا، اور میں خاموشی سے دیکھتی رہوں گی! میرا نام بھی نائمہ چودھری ہے۔ جس کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا ایک مکروہ ہنسی پھیل گئی تھی“۔

”اکیلے اکیلے، مسکرا رہی ہو کوئی خاص وجہ اس خوشی کی، ہاتھ ٹاول میں ملبوس شخص نے واشر روم سے نکل کر اس کی جانب آیا لہجہ معنی خیز تھا۔ جس کو دیکھ کر نائمہ بیگم کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔“

”تم! تم تو کل آنے والے تھے فوراً سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے سب بھول گئی تھی۔ اور آگے بڑھ کر گلے لگی۔ عادل نے بھی اسے اپنی بانہو کے حصار میں لیا تھا۔“

”کیا کروں! تمہارے بغیر کہی دل ہی نہیں لگتا، پتا نہیں کیا جادو کیا ہے تم نے، تمہارے سامنے کچھ نظر نہیں آتا“ ”نہ بیوی“ ”نہ بچے“ ”بس دل کرتا تمہیں سامنے بیٹھا کر دیکھتا ہوں۔ محبت پاش لہجے میں کہتے خود سے الگ کیا تھا۔“

”بس دیکھنا ہی ہے نا! نائمہ بیگم کا انداز خاصہ معنی خیز اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔“

”اب تو میں اگیا ہوں! تمہیں سب پتا چل جائے گا! میں ”کیا کیا“ کرتا ہوں! اس کے انداز میں معنی خیز تنبیہ تھی۔ جس پر نائمہ بیگم کا قہقہہ گونجا تھا۔“

”ویسے تم نے بتایا نہیں! تم کس خوشی میں،

”اکیلے اکیلے“ مسکرا رہی تھی۔ پر تجسس انداز میں سوال کیا جس پر ایک پھر اسکے زہن میں وہ سب گھوما۔“

”عادل صوفے پر بیٹھ سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کے جواب کا منتظر تھا۔“

”کچھ نہیں وہی سب تم جانتے تو ہو! میری پانچ سال پرانی ڈیل ایک لڑکے کی وجہ سے رکی ہوئی ہے! آہستہ سے چلتے ہوئے اس کے پہلو میں آکر بیٹھتے ہوئے بتایا تھا۔

”مطلب! کہ نائمہ چودھری! کو ایک کل کے لڑکے نے مشکل میں ڈال دیا۔ گہرا کش لگاتے دھوانا نائمہ بیگم کے چہرے پر آہستہ سے پھونکتے سوال کیا۔“

”مشکلوں سے نکلنا نائمہ چودھری! کو اچھے سے آتا ہے، میں تو بس چاہ رہی تھی، معملا صلفہ صفائی حل ہو جائے! مجھے کچھ ایسا ویسا نہ کرنا پڑے! لیکن اب لگتا ہے مجھے اپنا اصلی روپ دکھانا پڑے گا۔ نائمہ بیگم کے لہجے سے اس کی مکاری صاف عیاں تھی۔“

"تمہارے اصل روپ سے کون وقف ہونا چاہے گا! سویٹ ہارٹ۔ بال کان کے پیچھے اڑتے انداز معنی خیز تھا۔ جس پر نائمہ کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ ائی تھی۔"



"کیا ہوا تم رک کیو گئی!"

"گھر میں داخل ہوتے ہوئے رک کر عنایہ نے پوچھا تھا۔"

"کچھ نہیں مجھے گھر جانا ہے۔ روہانسی ہوتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔"

"اوہو...!! ایک تو نخرے بہت کرتی ہو! آج پہلی بار اگر یہاں تک آہی گئی ہو! تو اندر بھی آ جاؤ

تمہارے بھائی سے بقاعدہ اجازت لے کر! تمہیں لے کر آئی ہوں! کوئی اغواں کر کے نہیں

لائی! جو تم اس طرح ڈرامے کر رہی ہو، مجھے گھر جانا ہے۔ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ

کر گھر کے اندر لے کر آتے رک منہ بناتے ہوئے انداز خاصہ جتلاتا ہوا تھا۔"

”رضیہ...! رضیہ “!!..

عمائمہ کے کمرے سے سے آواز آئی تھی۔“

”آپی“!!..

عمائمہ کی آواز سنتے ہی عنایہ فوراً سے عمائمہ کے کمرے کی جانب بڑھی تھی علیزہ بھی بھی اس کے تعقب میں اس کے ساتھ چل دی تھی۔“

”رضیہ....! عمائمہ کے ایک بار پھر سے آواز دینے سے پہلے ہی دروازہ کھلنے کی آواز پر عمائمہ کی آنکھوں سے آنسوؤں روا ہوئے۔“

”میں کب سے آوازیں دے رہی ہوں....!!! آنے والے کو دیکھے بغیر ہی عمائمہ نے کہنا شروع کیا۔“

”آپی! یہ سب کیسے ہو گیا۔ عنایہ نے بیڈ سے نیچے آڑی تر چھی پڑی عمامہ کو دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے متفکر نہ انداز میں پوچھا۔ عنایہ کو دیکھتے ہی عمامہ کے رونے میں شدت آئی تھی۔“

”کب سے میں رضیہ کو آوازیں دے رہی ہوں! نہ ہی انٹر کوم رسیو کر رہی ہے! نہ ہی میری آواز اس تک پہنچ رہی ہے۔ روتے ہوئے کہتے عمامہ کی ہچکی بند گئی تھی۔“

”ریکس! اب میں آگئی ہوں! کچھ نہیں ہوا! اٹھیں! بیٹھیں! عنایہ نے عمامہ کی اوپر بیٹھنے میں مدد کی تھی خاموش کھڑی علیزہ نے بھی آگے بڑھ کر مدد کی تھی۔“

”پانی! علیزہ نے سائیڈ ٹیبل پر خالی جگہ کو دیکھتے ہوئے کہا پوچھا۔“

”تم آپی کے پاس بیٹھوں میں کچن سے لیکر آتی ہوں! عنایہ اٹھ کر عمامہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ علیزہ نے اثبات میں سر ہلایا اور عمامہ کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔“

”ہلکے پیلے رنگ کے سادے سے سوٹ کے ساتھ سفید شفون کا ڈوپٹا دونوں شانوں پر ڈالے ایک طرف سے ڈھلک گیا تھا، کالے لمبے بال دو دھیار نگت کھڑے نین نکش کے ساتھ بھیگی ہوئی بھوری آنکھیں اس کے حسن میں اضافہ کر رہی تھی۔“

”آپ کو کہی چوٹ تو نہیں لگی۔ دھیمے لہجے میں علیزہ نے جانا چاہا۔ انجانی آواز پر علیزہ نے نمپلکے اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا تھا۔“

”میں عنایہ کی فرینڈ علیزہ! جانچتی نظروں سے عمامہ کو خود کو دیکھتے ہوئے دیکھ کر بولی تھی۔“

”آپی! یہ لیں! عنایہ پانی لے کر آئی تھی۔ جسے عمامہ فوراً سے تھام کر اپنے حلق میں اندھیل گئی تھی۔“

”رضیہ اپنے کواٹر میں تھی، اور امی جی گروسری کے لیے گئی ہے جس وجہ کسی نے آپ کی آواز نہیں سنی عنایہ بتایا تھا۔“

”ویسے آپ کی گری کیسے۔ عنایہ نے گرنے کی وجہ پوچھی تھی۔“

”وہ میں!“.....



”نائمہ چودھری کے جانے کے بعد اذہان کافی دیر غصے اور پریشانی کے عالم بیٹھا کسی غیر مرئی نکتے کو تکتا رہا، آج کی ساری میٹنگ کینسل کروادی تھی۔“

”ممی! ممی! یہ دیکھیں، میں نے فادر ڈے پر بابا کو دینے کے لیے، کارڈ بنایا ہے۔ آٹھ سال کا بچہ اپنے ننھے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا کارڈ لیے اپنی ماں کو دیکھا کر خوش ہو رہا تھا۔“

”ہمم! میرے بیٹے نے کارڈ تو بہت پیارا بنایا ہے، لیکن یہ کیا صرف بابا کے لیے، بچے کے ہاتھ سے کارڈ لے کر دیکھتے ہوئے تعریف کرتے ہوئے مصنوعی خفگی سے شکوا کیا تھا۔“

”ممی کل تو فادر ڈے ہے! آپ کے لیے تو میں مدرز ڈے پر بناؤ گا۔ بچے نے اپنے ننھے سے زہن سے جو سمجھ آئی کہہ دیا جس سے مایہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔“

”مہمم! اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے اتنے پیارے کارڈ کے لیے مرد زڈے کا ویٹ کرنا پڑے گا۔ ایک انگلی اپنے گال پر رکھ کر کچھ سوچنے کے انداز میں استفسار کیا۔“

”کیا باتیں ہو رہی ہیں! ماں بیٹے کے درمیان۔ سیڑھوں سے اترتی ہوئی ایک نسوانی آواز پر دونوں نے مڑ کر دیکھا تھا۔ بلو جینز پر سیم اسی کلر کا ٹوپ پہنے ہوئے ڈارک میک اپ سے چہرے پر سجائے بالو کو کھلا چھوڑے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔“

”آنی....!! یہ کب آئی ننھے اذہان نے اپنی ماں سے پوچھا۔“

”جب تم سکول گئے تھے! چیمپیسن! مایہ کے کچھ کہنے سے پہلے نائمہ نے پنچوں کے بل بیٹھتے ہوئے دونو بانہیں پھیلائے اذہان کو اپنی طرف بلاتے ہوئے بتایا۔ ننھا اذہان بھاگ کر اپنی آنی کے گلے لگا تھا۔“

”آئی مس یو! ممی بابا! کاش.....!! کے وہ دن واپس آجائے اور میں اس عورت سے اپنے گھر کو برباد ہونے بچالوں کرب سے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کرتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔“

”پہلے جو کرنا تھا، کر لیا اب نہیں! اپنے ماں باپ کو تو نہیں بچا سکا لیکن علیزہ.....!! خود کو سنبھالتے ہوئے ایک بار پھر ہمت جما کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔“

”میں بھی دیکھتا ہوں! اس اس بار تم کیسے پہنچتی ہو تم میرے گھر تک۔ خود سے عزم کرتے ہوئے کسی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ جو دوسری بیل پر اٹھالیا گیا۔“

”رسمی سلام دعا کے بعد اذہان اصل بات کی طرف آیا، تو پھر ٹھیک ہے میں علیزہ سے بات کرتا ہوں! اور تم اپنے پیر غس سے بات کرو! اور جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کرو! اپنی بات کہہ کر اذہان نے کال بند کی تھی۔“

”علیزہ! تو کیا میں تمہیں اس کا بال بھی نہ دوں! موبائل بند کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے سوچا تھا، ساحل کے رضامندی پر کچھ اطمینان ہوا تھا۔“

”اس عورت نے تو دماغ خراب کر کے رکھ دیا بیچاری علیزہ پریشان ہو گئی ہوگی۔ وال کلاک پر نظر پڑتے ہی فوراً سے اپنی جگہ سے اٹھا اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی لے کر جلدی سے اپنے اوفس سے نکلا تھا اپنی پریشانی میں یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ علیزہ کو لینے بھی جانا ہے۔“

جاری.....

ناول: بوند بھر خوشی

از قلم: طیبہ

Episode 6

”بھائی اب آپ ہی بتائے، اس میں میرا کیا قصور ہے، جب تک آپ یہاں تھے، آپ کو اس بات کا احساس نہیں ہوا! سب کے سامنے آپ نے اس سے ٹھکرادیا! اب جب آپ کی شادی ہو گئی

ہے! آپ ایک بچے کے باپ بننے والے ہیں، تو آپ کو اچانک خیال آرہا ہے، کے آپ اپنی لائف سے خوش نہیں۔ فون پر بات کرتے ہوئے عباس جھنجھلایا تھا۔“

”تم! بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو! میں کبھی اپنی فیلنگ کو سمجھ ہی نہیں سکا! ہمیشہ اپنی محبت کو ہمدردی کا نام دیتا رہا، کبھی سمجھ ہی نہیں سکا! جسے میں ہمدردی سمجھتا رہا، دراصل وہ محبت تھی، دوسری طرف لہجے میں ندامت تھی۔ اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ جس عباس کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔“

”جو بھی ہے، اب! آپ شادی شدہ ہے، اس لیے اب یہ سب سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا، تو بہتر یہی ہوگا کہ، آپ ماضی کو بھول کر اپنے آنے والے کل کا سوچیں، آپ کے لیے یہی بہتر ہے۔ ایک اور ناکام سی کوشش کی تھی۔“

”ایک بار تم میری اُس سے، بات کروادو! اگر وہ بھی یہی چاہتی ہیں! تو پھر میں کبھی تم سے اس موضوع پر بات نہیں کروگا۔ ایک آخر کوشش کی تھی۔“

”بھائی یہ غلط ہے۔ عباس نے احتجاج کیا تھا۔“

”مجھے نہیں جاننا کیا غلط! کیا صحیح“ بس ایک بار تم میری اس بات کروادو! وہ میری کال نہیں اٹھا رہی ورنہ میں میں تمہیں کبھی نہیں کہتا۔ دوسری طرف سے ختمی لہجے میں کہتا کال کاٹ دی تھی۔ جس پر عباس کے چہرے پر پریشانی چھا گئی تھی۔“



”کیا ہوا عمامہ کو...! رضیہ بتا رہی تھی کہ“.....

”کمرے میں داخل ہوتے ہوئے متفکر نہ انداز میں پوچھتے ہوئے ایک انجان لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹھکی تھی۔“

”ہاں وہ میں...! عمامہ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے۔“

”امی جی! پریشانی والی کوئی بات نہیں! وہ بس آپ کی کاہاتھ تھوڑا سا ڈیس بیلنس ہو گیا تھا! اتنی کوئی بڑی بات نہیں ہے، کیوں آپ۔ شروع میں بتاتے ہوئے آخر میں تائید چاہی تھی۔ تو عمامہ نے اثبات میں سر ہلایا۔“

”میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔ وہ متفکر ہوئی۔“

”علیزہ دونو کو جھوٹ کہنے پر حیران ہوئی۔“

”اور یہ میری فرینڈ علیزہ! جس کے بارے میں، میں آپ کو بتا رہی تھی۔ شہلا بیگم قن علیزہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے دیکھ کر بتایا۔“

”اسلام علیکم!“

علیزہ نے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا تھا۔“

”تم ایسے کیسے بیٹھی ہو! سلام کا جواب دیتے ہوئے۔ علیزہ کو بیڈ کے پیر ہن کے کورنر پر بیٹھیں دیکھ کر کہا تھا۔“

”میں ٹھیک ہوں! علیزہ روہانسی ہوئی تھی۔“

”عنایہ! تم علیزہ! کو اپنے کمرے میں لے کر جاؤ، اور کچھ خاطر داری کرو! کیا سوچے گی، تمہاری فرینڈ ہمارے بارے میں۔ آگے بڑھ کر عنایہ سے کہا جس پر وہ کچھ نجل ہوئی۔“

”جی امی!“

”چلو علیزہ! میں تمہیں اپنا کمرہ دیکھاؤں! امی جی! آپ ہمارے لیے کچھ کھانے کے لیے۔ بھیجوا دیں، بیڈ سے اتر کر پاؤں میں چیل اڑستے ہوئے کہا۔ عمامہ کا چہرہ ابجھ گیا تھا۔“

”نہیں عنایہ اس کی ضرورت نہیں۔ علیزہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔“

”تم سے کون پوچھ رہا ہے! امی پلیز جلدی پیٹ میں چوہے کرکٹ کھیل رہیں ہیں۔ علیزہ پر طنزہ کرتی اپنی ماں کو کہہ علیزہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل گئی۔“

”تم نے بھی کچھ کھانا ہے! تو بتا دو یہ نہ ہو میں کچن میں ہو! اور تم پھر آوازیں دیتے دیتے گر پڑو! انداز جتلاتا تھا۔“

”نہیں بھوک نہیں۔ نفی میں سر ہلایا تھا۔“

”اچھا! میں رضیہ! کو بھجھتی ہوں، وہ تمہارا حلیا درست کروادے گی، پتا نہیں کیا سوچتی ہو گی، عنایہ کی فرینڈ ہم پتا نہیں کتنا ظلم کرتے ہیں تم، یہ نہیں پتا خود ہی کرنے کا شوق ہے۔ شہلا بیگم کا انداز خاصہ سخت گیر تھا۔ جس پر عمامہ نے نظریں جھکالی تھی۔“

”میں نے بہت بار آواز دی پر کسی نے نہیں سنا۔ خود پر ضبط کرتے عمامہ اپنی بات کہنی چاہی۔“

»جب کوئی نہیں سن رہا، تو اس کا مطلب ہے اس تک تمہاری آواز نہیں پہنچ رہی یا! پھر وہ کسی اور کام میں مصروف ہے، اب ہر کوئی تمہاری طرح فارغ تو نہیں ہوتا، درشتگی سے کہتے ہوئے عمامہ کو دیکھا۔ عمامہ کی آنکھوں سے دو آنسوؤں ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔“

”یہ صحیح ہے! جب بھی تمہیں سمجھانے کی کوشش کرو! تم ایسے رونا شروع کر دیتی ہو جیسے میں تمہاری ماں! نہیں تمہاری دشمن ہوں۔ اب کی بار شہلا کچھ نرم پڑی تھی۔ عمامہ کی ہچکی بند گئی۔“

”میں، جو بھی کہتی ہوں! تمہاری بہتری کے لیے کہتی ہوں! اور ویسے بھی تم تو میری سمجھ دار بیٹی ہوں! چلو چپ کر جاؤ یہ پانی پیوں۔ عمامہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے پانی کا گلاس آگے کیا جسے وہ ہونٹوں سے لگا گئی تھی۔“

”چلو چپ کرو! عنایہ! کی فرینڈ کیا سوچے گی پتا نہیں کیا ہو گیا۔ عمامہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔“

”میری بیٹی نے کیا کھانا ہے، بتاؤ میں بنا دیتی ہوں۔“

”ماتھے سے بال کان کے پیچھے اڑیستے ہوئے پیار سے پوچھا۔“

”کچھ نہیں! آنسو صاف کرتے ہوئے نم لہجے میں بولی۔“

”اچھا! میں رضیہ! کو بھیجتی ہوں! اپنا حلیا درس کرو ٹھیک ہے، اٹھتے تائید کی۔ جس پر عمامہ نے اثبات میں سر ہلایا۔“

”اب میں، جاؤں! شہلا بیگم نے اجازت چاہی۔“

”جی!



”تم میرا ساتھ ہی آجائے کرو! ہم ساتھ ہی کمبائن سٹڈی کر لیں گی، اکیلے مجھ سے پڑھا نہیں جاتا بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے دونو ہاتھ پیچھے کی طرف ٹیکا کر تجویز پیش کی تھی۔
کمرے کے وسط میں کھڑی علیزہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔“

”آج بھی پتا نہیں بھائی! نے کیسے اجازت دیدی مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں ارہا۔ کچھ سوچتے ہوئے علیزہ الجھی تھی۔“

”اوہو وو! تم بھی نا! پتا نہیں ”کیا کیا“ سوچتی رہتی ہو! ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر اپنے پاس بیٹھایا۔“

”میں نا! خود تمہارے بھائی سے بات کر لوں گی بس کل سے تم میرے ساتھ رہو! پتا نہیں اکیلے بیٹھ کر تم کیسے پڑھ لیتی ہو! مجھے سے تو نہیں ہوتی اکیلے پڑھائی اس لیے تمہیں آنا ہی پڑے گا اپنا اردہ بتاتے ہوئے ختمی فیصلہ سنایا تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی علیزہ کو حامی بھرنا پڑی۔“

”دروازے پر ہوتی دستک نے دونو کو اپنی طرف متوجہ کیا۔“

”آ جاؤ...!! عنایہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔“

”دونو ہاتھوں سے ٹرے تھامے جس میں کھانے کے دو چار لوازمات رکھے تھے ایک ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔“

”وہارکھ دو! عنایہ چلتے ہوئے ڈریسنگ کے سامنے آئی تھی۔“

”میں چینج کر لو پھر کھانا کھاتے ہیں۔ ملزمہ کے جانے کے بعد اپنی وارڈ ڈراب سے اپنے لیے کپڑے نکالتی ہوئی بولی۔“

”ہمم!.....“

”علیزہ اسی پر اتفاق کیا تھا، عنایہ واشر و م میں بند ہو گئی تھی۔“

”آگے پیچھے دیکھتے علیزہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کھڑکی کی جانب بڑھی، کھڑکی کے پردے ہٹائے تو

ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا چھو کر گزرا جو علیزہ کو اندر تک سکون پہنچا گیا تھا، کھڑکی سے باہر لان کا

منظر دیکھتے علیزہ کی نظریں ایک جگہ آکر رک گئی تھیں۔ لان کو وسط میں رکھی کرسیوں کے ایک

طرف عمامہ اکیلی بیٹھی جانے کن سوچوں میں گم تھی ایک پل کے لیے علیزہ کی نظریں عمامہ پر

ٹھہر گئی تھی، بلی کو گود میں بٹھائے کسی غیر مرئی نکتے کو تک رہی تھی۔“

”کیا دیکھ رہی ہوں! عنایہ کی آواز پر علیزہ نے چونکی تھی۔“

”ہم بھی باہر لان میں چلیں! جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا تھا۔“

”ہم چلو! عنایہ کندھے اچکائے تھے۔“



”کیا ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں، ہاتھ میں کھانے کا ٹرے پکڑے عنایہ نے اجازت چاہی تھی، علیزہ بھی ساتھ کھڑی تھی۔“

”جی! یک لفظی جواب آیا۔“

”تھنک گاڈ! کتنا وقت لگاتی ہیں، آپ سوچنے میں ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھی تھی۔ علیزہ کھڑی دیکھ رہی تھی۔“

”تم! بھی بیٹھ جاؤ! تمہیں کیا الگ سے انویٹیشن دینا پڑے گا! علیزہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی کرسی پر بیٹھاتے ہوئے کہا۔ علیزہ کی نظریں ابھی بھی عمامہ پر مرکوز تھی۔ جو اپنی ہی دنیا میں مگن تھی بلی کو سہلار ہی تھی۔“

”اگر! تم! آپ! کو ایسے ہی دیکھتی رہی تو قسم سے تمہیں آپ! سے محبت ہو جائے گی پھر تمہارے فیانسی کا کیا ہوگا! علیزہ کی نظریں عمامہ پر مرکوز دیکھ کر عنایہ نے شوخ لہجے میں چھیڑا

تھا۔ جس کا مفہوم سمجھتے ہوئے علیزہ! نے عنایہ کو گھور تھا، عمامہ بنوزے اپنی ہی دنیا میں مگن تھی۔“

”آپی! آپ سمجھاتی! نہیں اپنی بہن کو! علیزہ! کے انداز میں ہلکی سی خفگی نمایاں تھی۔ اب کی بار عمامہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا تھا، جیسے کہنا چاہ رہی ہو مجھ سے کچھ کہا۔“

”آپی! یہ کہہ رہی ہے، آپ مجھے سمجھاتی نہیں، اب اسے کون بتائے کے سمجھانے کی ضرورت مجھے نہیں آپ کو ہے۔ عمامہ کی حیرت کو بھانتے ہوئے علیزہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تاسف سے کہا۔“

”آپی! ویسے یہ کتنا بولتی ہے! آپ تنگ نہیں ہو جاتی! اب کی بار علیزہ کے لہجے میں ہلکی سی بیزاری تھی۔“

”اب میں بھی، کیا کروں! جب میری آپی! بھی نہیں بولتی! دوست کے منہ میں بھی زبان نہیں! تو دونوں کے حصے کا کسی نے تو بولنا ہی ہے، ایک ہاتھ سے عمامہ کی جانب اور دوسرے ہاتھ

سے علیزہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پہلا ہاتھ سر پر مارتے ڈرامائی انداز میں کہا جس علیزہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔“

”تمہارا..! کچھ نہیں ہو سکتا! علیزہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ عمامہ خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔“

کاش میری بھی کوئی فرینڈ ہوتی! دل میں ایک خواہش ابھری اور عمامہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی لے آئی، جسے وہ چھپا گئی تھی۔“

”تم! دونوں باہر آگئی، پیچھے سے آتے ہوئے شہلا بیگم نے استفسار کیا تھا۔“

”جی! امی جی! آپ! کی طرح علیزہ! میڈم کو بھی کھولی فضا میں بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔ عنایہ نے بتایا شہلا بیگم ہلکا سا مسکرائی تھی۔“

”عمامہ! تم پھر اندر چلی جاؤ ان دونوں کے نیچے تم کیا کر رہی ہو! شہلا بیگم عمامہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ عمامہ کچھ دل گرفتہ ہوئی تھی۔“

”آئی! کوئی بات نہیں آپ کو ہمارے پاس بیٹھنے دیں۔ علیزہ تاسف سے کہا۔“

”بیٹا! دوستوں میں ہزار باتیں ہوتی ہے اچھا نہیں لگتا، اس طرح۔ مدافعانہ انداز میں کہا۔ عمامہ نے بہت مشکل سے خود کو رونے سے روکا تھا۔“

”آئی! میں تو آپ! کے لیے ہی باہر آئی تھی، اور ویسے بھی مجھے نہیں لگتا آپ اور ہماری اتج میں زیادہ ڈیفرنس نہیں، جو ہماری کوئی ایسی پرسنل باتیں ہونگی! جو آپ نہیں سن سکتی۔ عنایہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے اس پہلے علیزہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ شہلا بیگم خاموش ہو گئی۔“

”میں! تو تم لوگو کے لیے ہی کہہ رہی تھی۔ لا پرواہی سے کہتے کندھے اچکائے تھے۔۔ عمامہ کے گلے میں گولا سا ابھر کر معدم ہوا۔“

”علیزہ!!.....“

”ایک گھمبیر مردانہ آواز پر چونک کر سب نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ تیس برس سالانہ نوجوان انھیں کی جانب متوجہ تھا۔“

”بھائی! علیزہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔“

”آپ اتنی جلدی آگئے! علیزہ نے تو شام کو کہا تھا۔ اذہان کو دیکھ کر عنایہ افسردہ ہوئی تھی۔ اذہان نے اپنی قیمتی گھڑی میں ٹائم دیکھا تھا۔“

”میں جلدی آگیا ہوں کیا...! اذہان نے جاننا چاہا۔“

”نہیں بھائی! اس سے تو عادت ہے بلا وجہ بولنے کی میں تو آپ کا ہی ویٹ کر رہی تھی۔ علیزہ فوراً سے آگے بڑھی تھی۔“

”ارے! بیٹا ایسے کیسے! آپ کا بھائی پہلی بار ہمارے گھر آیا ہے بیٹھنے تو دو۔ آنکھوں سے عمامہ کو اندر جانے کا اشارہ کرتے پیار سے کہا تھا۔“

”جسے سمجھتے ہی عمامہ نے وہیل چیئر پیچھے کرتے خاموشی سے وہاں سے چلی جاؤ گئی تھی۔“

جاری..... ناول: بوند بھر خوشی

از قلم: طیبہ

Episode 7

”شہلا بیگم کے بے حد اصرار پر اذہان دو منٹ بیٹھ گیا، وہ کچھ وقت گزارنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔“

”واپسی پر علیزہ! کاموڈ خوشگوار تھا، سارے راستے ہلکی پھلکی باتوں میں علیزہ! کے چہرے پر

مسکراہٹ دیکھ اذہان کو دلی سکون پہنچا تھا۔“

”گاڑی پورچ میں داخل ہوتے ہی شیر و بھاگتا ہوا لان سے پورچ میں آیا، اذہان کے گاڑی سے

اترتے ہی اس کے قدموں کے گرد چکر لگانے لگا، جھک کر اذہان نے شیر و کے سر پر ہاتھ ر ب

کرتے ہوئے پیار کیا تھا۔“

”اس کے ہوتے ہوئے، مجھے نہیں لگتا! آپ کبھی میری بھابھی لانے کا سوچیں گے، گاڑی سے

اتر کر گھوم کر اس جانب آئی۔ اذہان نے جھکے ہوئے ہی نظریں اٹھا کر دیکھا۔“

”یہ اچانک بیٹھے بٹھائے تمہیں بھابھی کہا سے یاد آگئی۔ کھڑے ہوتے ہوئے انداز سپاٹ تھا۔

دونو ہاتھ سینے پر باندھے علیزہ کی نظریں اسی پر مرکوز تھی۔“

”اچھا ٹھیک ہے! بیٹھے بٹھائے نہیں لیکن پھر بھی ابھی ان باتو کے لیے میرے پاس ٹائم نہیں۔
علیزہ کی آنکھوں کا مطلب سمجھتے ہوئے، اذہان نے فوراً اسے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں کے
گرد بازو جمائل کرتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں اس سے ٹالنا چاہا اور اسے لے کر گھر میں داخل
ہوا۔“

”بھائی! کب تک آپ مجھے اسی طرح ٹالیں گے، میں اب بچی نہیں ہوں جو سمجھ ناسکوں۔
کندھے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے علیزہ کے لہجے میں ہلکی سی خفگی نمایاں تھی۔ جس پر اذہان کچھ
شرمندہ ہوا۔“

”آئی پرومس! جیسے ہی مجھے کوئی اچھی لڑکی ملے گی میں تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دوں گا۔
اذہان کے لہجے کی پختگی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ علیزہ نے اذہان کو ایسے دیکھا جیسے کہنا چاہتی
ہو خوابوں کی شہزادیاں حقیقت میں نہیں ہوتی۔“

”لڑکی تو مجھے....!! دانستہ طور پر علیزہ نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔ جس پر اذہان نے بھی خاص دھیان نہیں دیا تھا۔“

”بھائی، آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں، پتا نہیں آپ کو اچھی لڑکی کب ملے گی، منہ بناتے ہوئے علیزہ کے انداز میں خفگی نمایاں تھی جس پر اذہان لفظ منہجند ہو گئے تھے۔“

”اچھا بھائی! آپ فریش ہو جائے میں بوا سے کہہ کر کھانا لگواتی ہوں۔ کندھے پر لٹکائیگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بات بدلی تھی۔“

”علیزہ! میں کھانا نہیں کھاؤ گا، بس ایک کپ بلیک کافی میرے کمرے میں بھیجوادو! جیب سے موبائل نکال کر اس میں مصروف ہوتے ہوئے ایک نظر علیزہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ علیزہ کچھ سوچتے ہوئے خاموش رہی۔“



”شاہور کے نیچے کھڑے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا، لیکن دماغ میں
نائمہ چودھری کی باتیں ہتھوڑے کے مانند لگ رہی تھیں، اور وہ چاہ کر بھی ان ساری باتوں کو اپنے
زہن سے نکال نہیں پا رہا تھا۔“

”ضد چھوڑ دو! اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ کیوں کے میں جو چاہتی ہوں! وہ حاصل کر کے ہی
رہتی ہوں جیسے تمہارا باپ! جیسے علیزہ!“.....

”ایک بار پھر نائمہ چودھری کے الفاظ گونجنے لگے، خود پر ضبط کرتے اپنے بالوں میں انگلیاں
پھنسنائی پانی کے قطرے چہرے پر گر کر پھسل رہے تھے کسرتی جسم کی رگیں غصے کی شدت کی
وجہ سے نمایاں ہو رہی تھیں، اذہان کے چہرے پر چٹانوں سی سختی در آئی تھی۔“
”بھائی!“!!....

”علیزہ! کی آواز نے اذہان کے حواس بحال کیے تھے۔“

”بھائی! میں آپ کے لیے دودھ لے کر آئی ہوں! پتا نہیں آپ نے صبح سے کچھ کھایا بھی ہے، یا نہیں! اور اب بیلک کافی کا اوڈر دے دیا، یہی کام اگر میں کرتی تو.....؟“

باہر سے ہی اونچی آواز میں کہتے آخر میں سنجیدگی سے سوال اٹھایا تھا۔

”جیسے، میرے کہنے سے تم نے فوراً مان جانا تھا۔ ٹراؤزر شرٹ میں ٹاول سے اپنے بال خشک کرتے ہوئے واش روم سے نکل کر ایک نظر علیزہ پر ڈالتے عام سے لہجے میں کہتے ڈریسنگ کے سامنے آیا تھا۔“

”میں مانتی یا! نہیں تب کی بات تھی! ابھی میں آپ کی ایک نہیں سننے والی! میں نے آپ کے لیے سینڈویچ بھی بنائے ہیں، وہ بھی کھالیں! اب میرے لیے اتنا تو کر ہی سکتے ہیں، آپ! اذہان کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں اپنی بات کہی تھی اور وہ چاہ کر بھی کچھ کہہ ناپایا۔ خاموشی سے بالوں میں برش کرتے ہوئے ایک نظر دیکھا تھا۔“

”علیزہ! آؤ بیٹھو! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ ٹاول سائیڈ میں رکھتے سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے علیزہ کو خاموش دیکھ کر کہا۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ڈبل صوفے پر آکر بیٹھ گئی تھی۔“

”جی بھائی کہیں! اذہان کو دیکھتے ہوئے رسان سے کہا۔“

”علیزہ! تمہیں اپنے بھائی! پر یقین ہے، کہ میں جو بھی کرو گا تمہاری بہتری کے لیے کروں گا۔ اسی انداز میں سوال کیا، جس پر علیزہ ٹھٹھکی تھی۔“

”بھائی! آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت ہے۔ علیزہ نے الٹا سوال کیا تھا۔“

”ساحل! اور اس کی فیملی آرہی ہے، نکسٹ منٹھ، وہ چاہ رہیں ہیں کے.....!! دانستہ طور پر بات ادھوری چھوڑی نظریں علیزہ کے چہرے پر مرکوز تھی۔“

”بھائی! آپ میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں! کہ آپ میری شادی کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے گے تو، میں، آپ

کو ” صاف صاف ” بتا رہی ہوں! میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر کہی نہیں جاؤں گی! میرے لیے کچھ بھی سوچنے سے پہلے آپ کو اپنے لیے بھی فیصلہ کرنے پڑے گا، آپ کو اس طرح تنہا چھوڑ کر میں شادی کر کے اپنی نئی زندگی شروع کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی اس لیے میرے لیے کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے آپ کو اپنے بارے میں سوچنا ہوگا۔ سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں اپنے حتمی فیصلہ سنا تھا۔“

”تم میری بات.....!! ہاتھ بڑھا کر اذہان نے کچھ کہنا چاہا تھا جو وہ بنا سننے کمرے سے نکل گئی تھی۔“

”اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں! بڑھا ہوا ہاتھ یک دم نیچے کی جانب ڈھلک گیا کرب سے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھا تھا، کچھ سوچتے ہوئے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھی۔“

”اگر تم یہی چاہتی ہو تو پھر ٹھیک ہے، ایسا ہی سہی! تمہارے لیے یہ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ فیصلہ کرتے ہوئے آنکھیں بھیج لی۔“

”آنکھیں! بند کرتے ہی کسی کی نم بھوری آنکھیں اس کے لاشعور کے پردے پر لہرائی یک دم آنکھیں کھول دی تھی۔“

”بہت یاد کرنے پر بھی اذہان کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے وہ آنکھیں کہاں دیکھی تھیں اضطراب کے عالم میں جھنجھلا کر اٹھ کر سٹڈی میں آیا تھا، جہاں اس کے سکون کا سماں تھا ناچاہتے ہوئے بھی وہ آنکھیں اس کے حواس پر سوار ہو رہی تھی۔“

”سٹڈی کی لائٹ اون ہوتے ہی پورے سٹڈی میں روشنی پھیل گئی تھی، سامنے رکھے کینوس پر پڑے پردے دیکھ کر اذہان کے لب ایک جانب پھیل گئے آہستہ سے چلتے ہوئے کینوس کی جانب بڑھا تھا ہاتھ آگے بڑھا کر کینوس سے پردا اٹھاتے ہی اس کے پیچین دل کو جیسے کرار آیا تھا، لیکن ان بھوری آنکھوں میں تو چمک تھی اگلے لمحے ہی اذہان کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی۔“

”اے ایم سوری! ہو سکتا ہے کہ ایک وعدہ پورا کرنے کے لیے مجھے خود سے کیا وعدہ توڑنا پڑے!
لیکن تم ہمیشہ میرے دل میں رہو گی تمہاری جگہ کوئی اور نہیں لے سکتا کیونکہ اس پر ہاتھ پھیرتے
ہوئے اداس لہجے گویا ہوا۔“



”کیوں کال کی! کندھے پر فون دھرے کان سے لگائے ہاتھوں میں لوشن لگاتے ہوئے، سلگتے
ہوئے استفسار کیا۔“

اگر تمہیں! میرا کال کرنا اچھا نہیں لگتا تو میں کسی اور کو کر لیتا ہوں! پھر تمہیں ہی اعتراض ہوگا۔
دوسری طرف سے انداز خاصہ معنی خیز تھا۔ کان سے فون لگائے چہرے کی مسکراہٹ گہری
ہوئی تھی۔“

”اتنا ہی شوق ہے، اس سے کال کرنے کا تو پھر مجھے کال کیوں کی، اسی چوہیا کو کرنی تھی۔ لوشن
سائیڈ میں رکھتے فون ہاتھ سے پکڑتے عنایہ کے انداز میں ناگواری در آئی تھی جس کا دوسری
طرف کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔“

”سوچ لو! اگر کال اسے کی، تو کل پھر ممی کو بھی وہی بھیجنا پڑے گا شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے۔ دور سری جانب لہجے میں شرارت صاف عیاں تھی عباس کی بات کا مطلب سمجھتے عنایہ سلگ کر رہ گئی تھی۔“

”عباس! میں تمہاری جان لے لوں گی اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو۔ اب کی بار عنایہ ہلکی سی مشتعل ہوئی تھی۔“

”ہائے...!! قسم سے اس دن کا تو بے تابی سے انتظار ہے۔ شوخ لہجے میں کہتے اٹھ کر بیٹھا تھا عباس کی بات عنایہ کے غصے کو ہوا دے گئی تھی۔“

”ٹھہر کی! چھپو رے! ایک بار تم آؤ تو سہی پھر میں تمہیں بتاؤں گی، سب کے سامنے گنجا کر دوں گی میں تمہیں! القابت سے نوازتے ہوئے ہتھے سے اکھڑی تھی دوسری طرف عنایہ کو غصہ دلا کر وہ محضوظ ہو رہا تھا۔“



”آج میں اپنی فرینڈز کے ساتھ مال گئی تھی! اور مجھے وہاں فروک پسند آئی تو مجھے فوراً سے تمہارا خیال آیا اور میں نے تمہارے لیے لی دیکھوں کیسی ہے، شوپنگ بیگ سے ایک ہلکے گلابی رنگ کی فیری فروک نکلا کر دیکھاتے ہوئے شہلا بیگم نے بتاتے ہوئے دیکھائی تھی۔“

»واؤ.....!! امی جی! یہ تو بہت پیاری ہیں، اسے پہن کر تو میں ایک دم فیری لگوں گی۔ دس سالہ عنایہ نے فروک اپنے ساتھ لگاتے ہوئے گھوم کر دیکھتے ہوئے کہا وہیل چیئر پر بیٹھی گیارہ سالہ عمامہ نے حسرت بھری نظروں سے دیکھ تھا۔“

”امی جی! میرے لیے بھی لائی ہے۔ عمامہ کی آنکھوں میں آنکھوں میں آس تھی۔“

”نہیں تمہارے لیے یہ کڑتا لائی ہوں! تم نے کیا کرنی ہے تھی فروک وہ تو چلتی ہے اور تم فراق پہن کر بھی وہیل چیئر پر ہی بیٹھنا ہے اور تھوڑی دیر میں تنگ ہو جانا ہے، اس لیے تمہارے لیے لائی ہوں! سادہ کتھی رنگ کا کڑتا آگے بڑھاتے ہوئے عام سے انداز میں کہا تو عمامہ ششدرہ گئی۔“

”چنگھڑتے ہوئے! موبائل نے علیزہ کی سوچوں کا تسلسل توڑا تھا اور موبائل پر جگمگاتے ہوئے نام کو دیکھ کر عمامہ کے چہرے پر بیزاری آئی تھی، ہاتھ آگے بڑھا کر فون سیونچ اوف کر دیا۔“

”کشادہ بالکونی میں جھولے پر بیٹھی گہری سوچ میں گم آنکھ سے ایک موتی ٹوٹ کر بہہ نکلا تھا۔“

”بیک سے ٹیک لگاتے جھولا جھولنے لگی تھی ہوا عمامہ کے چہرے کو چھو کر گزر رہی تھی۔“

جاری..... ناول: بوند بھر خوشی

از قلم: طیبہ

Episode 8

”ایک نیا دن اپنے ساتھ امید کی کرنیں لے کر طلوع ہوا تھا۔ اوفس کے لیے تیار ہوتے اذہان نے آخری نظر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی لے کر کمرے سے نکلا تھا۔“

”بوا! جلدی سے ناشتہ لگا دیں! اوفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔ ڈائننگ ہال میں آتے ہوئے

سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے سربراہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔“

”علیزہ! بھی ڈائننگ ہال میں آئی تھی، اور بوا کو ناشتہ کا کہتی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔“

”بھائی! آج کالج سے میں عنایہ کے ساتھ جاؤں گی! آپ مجھے شام کو وہی سے پک کرنا۔ بیٹھتے

ہوئے عام سے انداز میں اپنا آج کا پو گرام بتایا تھا۔“

”وہاں! جانے کی وجہ جان سکتا ہوں! علیزہ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔“

”نکسٹ ویک سے سپراسٹارٹ ہو رہے ہیں! آپ تو جانتے ہیں۔ میری زرا تیار نہیں۔ علیزہ

نے وجہ بیان کی۔“

”تو اس کے لیے وہا جانے کی کیا ضرورت ہے، میں نے کل ہی کہا تھا ٹیوٹر رکھ لو! اذہان نے حل

پیش کیا۔“

”بوا نے ناشتہ لا کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے سرو کرنے لگی تھی۔“

”بوا! آپ رہنے دیں میں کر لوں گی! بوا کے ہاتھ سے چائے کی کیتلی لیتے ہوئے کہا۔ تو وہ وہاں سے چلی گئی۔“

”میں نے بھی یہی سوچا تھا، پر عنایہ باضد ہے کے میں وہاں جا کر کمبائن سٹڈی کروں! اب آپ بتا دیں میں کیا کروں کپ میں چائے انڈھیلتے ہوئے ساری بات بتا کر آخر میں اذہان کی مرضی جانی چاہی۔ فوک سے املیٹ منہ میں ڈالتے ہوئے اپنی بہن کو دیکھا تھا۔“

”جو تمہیں بہتر لگے کر لو! اذہان نے دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔ علیزہ خاموش ہو گئی۔“

”اچھا! میں نے جو کہا تھا اس بارے میں کیا سوچا۔ نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے عام سے انداز میں اس کی رائے جانی چاہی۔“

”بھائی! میں آپ کو بتا چکی ہوں! مجھے شادی پر کوئی اعتراض نہیں لیکن میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ علیزہ کا انداز دو ٹوک تھا۔“

”تو پھر ٹھیک ہے، اب میں اپنے لیے خود لڑکی تلاش کرتا اچھا تو نہیں لگوں گا، تمہاری نظر میں کوئی ہے تو بات کر لو جو بھی جیسی بھی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں سپاٹ لہجے میں علیزہ کو دیکھتے ہوئے اجازت دی تھی۔ اپنے بھائی کی بات سن کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔“

”لیکن بھائی..! علیزہ کو کچھ عجیب بھی لگا تھا۔“

”میرے لیے سب سے اچھوتی تم ہو! اگر تمہیں سیو کرنے کے لیے مجھے شادی کرنی پڑے گی، تو ٹھیک ہے میں اس کے لیے بھی تیار ہوں! چائے کا سیپ لیتے ہوئے اذہان کے لہجے میں محبت چھلک رہی تھی۔“

”میں بھی آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں! اپنی خوشی کے لیے آپ کی خوشی کو قربان ہونے نہیں دے سکتی علیزہ کچھ افسردہ ہوئی تھی۔“

"میری پرس خوش ہوگی! تو میں بھی خوش ہو جاؤں گا! میرے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں ٹھیک ہوں! ویسے بھی ضروری تو نہیں ہر خواب پورا ہو۔ علیزہ کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے اذہان نے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا جس پر علیزہ خاموش ہو گئی تھی۔"



"کمرے کافی دیر اکیلے بیٹھے رہنے کے بعد لاؤنچ میں آگئی تھی، اب تو دن بادن یہ تنہائی انداز ہی اندر کھا رہی تھی، صبح عنایہ کالج چلی گئی اور ابو افس، امی گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر اپنی کسی دوست کی عیادت کے لیے چلی گئی تھی، اب ایک میری وجہ سے سب ہی اپنا ہج ہو کر گھر میں قید نہیں ہو سکتے تھے، نہ تو یہ کوئی بیماری ہے، جو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو جائے گی، یہ سوچ کر کوئی میری تیمارداری کرے، یہ تو ایک روگ تھا جسے اسے خود ہی سہنا تھا! عشق کے روگ میں تو لوگ خود کو قید کر لیتے ہیں، جینا بھول جاتے ہیں، خوشیوں کو خود پر حرام کر لیتے ہاتھ پاؤں سلامت ہوتے ہوئے بھی خود کشی تک کر گزرتے ہیں، لیکن محتاجی کا روگ ایک ایسا روگ ہے

جو زبردستی یہ سب کرنے پر مجبور کر دیتا ہی پھر ناوہ شخص زندہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے نامردہ لوگوں میں مرنے کا سوچے بھی تو اس کی عقل اسے بتاتی ہے کہ یہ حرام ہے، اور جینے کا دل کرے لوگ اسے بتاتے ہیں کہ وہ محتاج ہے۔ ایل ای ڈی پر نظریں جمائے سوچو کہ بھورا کھوئی تھی۔“

”اسلام علیکم“ آپ کیسی ہیں آپ! لاؤنچ میں داخل ہوئے علیزہ نے عمامہ کو دیکھ کر کہا۔“

”وعلیکم اسلام“ میں ٹھیک، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔“

”دیکھیں! آج پھر میں آگئی آپ کا دماغ کھانے۔ آج علیزہ کا موڈ خوشگوار تھا جسے اس کا انداز سے پتا چل رہا تھا۔“

”اب! یہ ہمارا ہی دماغ کھائے گی، اس کے گھر والے تو اسے کھانے کو کچھ دیتے نہیں۔ اس کا ساتھ ہی عنایہ نے لاؤنچ میں آتے ہوئے طنزہ کیا تھا۔ علیزہ نے عنایہ کو گھوری سے نوازا تھا۔“

”میں! تو ابھی نہیں رہی تھی، تم نے جواتنے میرے ہاتھ پاؤں جوڑے تھے، اس لیے مجھے ترس آگیا اور ویسے بھی میں تمہارے لیے نہیں؟ آپ کے لیے آئی ہوں۔ عمامہ کے پاس بیٹھتے ہوئے علیزہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس کی بات سن کر عنایہ بھونچکا کر رہ گئی تھی۔“

”کیا! کیا! میں نے کب جوڑے ہاتھ پاؤں! کتنی بڑی جھوٹی ہو تم، غصے سے علیزہ پر چڑھ ڈوری تھی۔“

”اگر! تم دونوں سارا وقت اسی طرح لڑتی رہو گی، تو پڑھو گی کیسے۔ دونوں کی نوک جھوک سے چڑ کر عمامہ نے ٹوکا تھا۔ جس پر دونو خاموش ہوئی تھی۔“

”آپی! میں نہیں لڑتی یہ تو بس! آپ! کی بہن مجھے مجبور کرتی ہے۔ نجل ہوتے ہوئے علیزہ نے کہا۔“

”آپی! یہ جھوٹ“!!.....

”اچھا! اچھا! اب پھر سے، نہ شروع ہو جانا۔ ہاتھ اٹھا دو نو تنبیہ کی تھی۔“

”عنایہ! تم علیزہ! کو کمرے میں لے جاؤں! دونوں جا کر فریش ہو جاؤ! میں تم دونوں کے لیے کھانے کے لیے کچھ بھیجواتی ہوں۔ تاکید کرتے ہوئے بات ختم کی تھی۔“

”آپی! امی! نظر نہیں ارہی۔ اپنا بیگ اٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔“

”ہاں! وہ ثناء انٹی! کی طرف گئی ہیں، شام تک آئیں گی۔ عمامہ نے بتایا تھا۔“

”عنایہ! علیزہ کو اپنے ساتھ کمرے لے گئی تھی پیچھے عمامہ محض دیکھ کر نفی سر ہلایا تھا۔“



”رضیہ! سے کھانے کا کہہ کر دونوں کے لیے کھانا بھیجوا دیا تھا۔“

”بی بی جی! آپ کے لیے بھی، کھانا لگا دوں! رضیہ نے ادب سے پوچھا تھا۔“

”نہیں!!“ بے تاسر لہجے میں کہہ کر پھیکا سا مسکرائی تھی۔“

”گوشے! (عمامہ کی بلی) کو کھانا کھیلا دیا عمامہ کو یک دم یاد آیا تھا۔“

”جی!“

”اچھا! میں باہر لان میں جا رہی ہوں! مجھے یہاں گھوٹن سی ہو رہی ہے۔ وہیل چیئر کا رخ باہر کی جانب کرتے ہوئے کہا۔“

”لان میں آتے ہی گوشے! تیزی سے اس کی جانب آئی تھی، جسے جھک کر اٹھتے اپنی گھود میں بیٹھا لیا تھا۔ ایک یہی تو تھی اس کی دوست اس کی تنہائی کی ساتھی۔“

”اگر! تم ناہوتی تو پتا نہیں میں کیا کرتی، یہ تنہائی تو میری جان لے لیتی۔ گوشے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے کہا تھا ایک وہی تو تھی جو اس کی ہر بات سنتی تھی۔“

”اپنی گوشے سے کھلتے ہوئے وقت کا پتا ہی نہیں چلا دن ڈھل کر شام ہونے لگی تھی۔“

”پورچ میں گاڑی آکر رکی اور گاڑی سے اترنے والے شخص کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار

نمایاں تھے، گارڈ کو ہاتھ کے اشارے سے پاس بلایا تو وہ تیزی سے وہ اس کے قریب آیا۔“

”اندر جا کر کہو علیزہ! کو لینے آئیں ہیں سن گلاس اتارتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا تو گارڈ ادب سے سر جھوکا کر اندر بڑھ گیا۔“

”ارد گرد دیکھتے ہوئے پینٹ کی پاکٹ سے موبائل نکلا کر چلتے ہوئے گاڑی کی بیک سائڈ پر آگیا تھا جہاں سے لان نظر ا رہا تھا گاڑی سے ٹیک لگائے موبائل میں سکرو لنگ کرتی ہوئے سر سری سی نظر ارد گرد دوڑائی تھی یک دم ہی اذہان کی نظر ٹھہر گئی اور پلٹنا ہی بھول گئی تھی، اذہان کے چہرے کی سنجیدگی یک دم سے خوشی میں بدل گئی اور بنا سوچے سمجھے ہی اس کے قدم آگے بڑھ گئے تھے۔“

”موبائل کی آواز پر عمامہ اس جانب متوجہ ہوئی، ایک بار پھر وہی نام دیکھ اس سے غصہ آیا تھا، ایک بار دل چاہ کے کال رسیو کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکلے لیکن پھر کچھ سوچتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔“

”اب! کیا چاہتے ہو ایک بار میرے جذبات سے کھیل کر میری تذلیل کر کے سکون نہیں ملا۔ آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔“

”اہم! اہم! کسی کے گلا کھنکارانے پر عمامہ نے چونک اس جانب دیکھا تھا۔ ڈیرس پیٹ کے ساتھ وائٹ شرٹ میں کف فولڈ کیے کسی کو اسی کی طرف دیکھتا پا کر گڑبڑائی تھی۔“

”آج بھی کہی، جلدی تو نہیں آگیا۔ آگے بڑھتے ہوئے اذہان نے عام سے انداز میں سوال کیا۔ اس سے اب یاد آیا تھارات کو جو بھوری آنکھیں اس سے بچین کر رہی تھی اس نے کہاں دیکھی تھی۔“

”ج..جی! نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔“

”تو پھر میں واپس چلا جاؤں۔ لبو پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے سوال کیا اس کی برسوں کی تلاش آج پوری ہوئی تھی جسے دیکھ کر وہ خود بھی حیران تھا آج ہی اس نے شادی کا فیصلہ کیا تھا اور آج ہی وہ اس کے سامنے آگئی تھی۔“

”نن... نہیں! میرا مطلب! آپ کے میں علیزہ کو بلواتی ہوں۔ شروع میں گر بڑاتے ہوئے آخر میں سنجیدگی سے گویا ہوئی اس طرح پہلی بار وہ کسی اجنبی سے بات کر رہی تھی۔“

”جی! وہ کہہ رہی ہیں! آپ انتظار کریں میں آرہی ہوں! اذہان کے کچھ کہنے سے پہلے گارڈ نے آکر اطلاع دی تھی۔“

”ٹھیک ہے۔ اذہان نے مسکرا کر کہا۔ تو وہ وہاں سے چلا گیا۔“

”بیٹھنے کے لیے نہیں کہہ گی۔ گارڈ کے جانے کے بعد عمامہ کو گوشے! کے ساتھ مصروف دیکھ کر سوال کیا۔ جس پر عمامہ نے چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔“

”بیٹھیں! عمامہ نے ہلکا سا مسکرائی۔“

”وہ عمامہ کی سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا کل جانے کی جتنی جلدی تھی آج رکنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ بظاہر موبائل استعمال کرتے ہوئے نظریں عمامہ کے چہرے پر مرکوز تھی۔“

”دونوں کے درمیان پر تکلف خاموشی حائل تھی سامنے بیٹھے شخص کی نظروں سے کوفت ہو رہی تھی۔“

”آج آنٹی! نظر نہیں آرہی وہ ہوتی تو چائے کا ہی پوچھ لیتی۔ عمامہ کو خاموش دیکھ کر موبائل ٹیبل پر رکھتے اس نے خود بات شروع کی تھی۔ بنوزے نظریں عمامہ پر ہی ٹکی ہوئی تھی۔ جس پر عمامہ شرمندہ ہوئی۔“

”امی جی! گھر نہیں ہیں! آپ نے چائے پینی ہے، تو میں رضیہ سے کہہ دیتی ہوں۔ گوشے کو سہلاتے ہوئے ہاتھ یک دم رکے تھے شہلا بیگم کا بتا کر چائے کا کہتے ہوئے اپنی بے بسی کا احساس ہوا تھا! پلکے اٹھا کر سامنے بیٹھے شخص کو دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔“

”ارے نہیں! میں تو اس لیے کہہ رہا تھا، کہ کل انٹی مجھے بہت فورس کر رہی تھی، میرے پاس ٹائم نہیں تھا۔ اس وضاحت دی تھی۔ تو عمامہ نے جھکی پلکے اٹھائی تھی اور تو نظریں سامنے بیٹھے شخص کی کالی گہری نظروں سے ٹکرائی اور کچھ پل کے لیے مہوت ہو کر گئی تھی۔“

”بھائی چلیں! علیزہ کی آواز عمامہ نے فوراً سے نظریں جھکا لی تھی۔ آج پہلی بار علیزہ کا جلدی آنا اذہان کو اچھا نہیں لگا تھا۔“

”ہاں چلو! مجھے دل سے اٹھتے ہوئے اذہان کی نظریں اب عمامہ کے چہرے پر تھی۔“

”یہ کیا! کل بھی جلدی آگئیں! آج بھی۔ علیزہ کے ساتھ آئی عنایہ بولی تھی۔“

”عنایہ! تم نہ سدھرنا! علیلزہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔“

”اچھا! تم مجھ ٹائم بتادو! میں کل سے اسی ٹائم آؤ گا علیزہ! نے مجھ سے شام میں آنے کا کہا تو میں اگیا! اگر تم دونوں نے ابھی پڑھنا ہے تو میں انتظار کر سکتا ہوں! اور ویسے بھی میں نے آتے ہی ان سے پوچھا تھا کہ میں کہی جلدی تو نہیں اگیا۔ رسان سے کہتے ہوئے آخر میں عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگاہ کیا۔“

”نہیں بھائی! میں بہت تھک گئی ہوں! اور ویسے بھی یہ پڑھتی کم اور باتیں زیادہ کرتی ہیں! آپ بس چلیں۔ علیزہ اذہان کا بازو پکڑ کر آگے بڑھتے ہوئے بولی تھی جس پر عنایہ نے گھور کر دیکھا تھا عمامہ نظریں جھکائے سب سے بے نیاز اپنی دھن میں گم صم تھی اس بات سے انجان کے کسی کی نظریں اسی پر ٹکی ہوئی تھی۔“

جاری

@everyone ناول: بوند بھر خوشی

رائٹر: طیبہ

Episode 9

”شام کے سائے گہرے ہو کر رات میں بدل گئیں، آسمان پر ستاروں کی جھلملاہٹ میں چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، چاند کی چاندنی سیومننگ پول کے پانی پر پڑتی محول کو پر سو خیز بناری تھی، پانی پر پڑتا چاند کی روشنی کا عکس اذہان پر پڑ رہا تھا نیلے رنگ کے شلوار سوٹ میں کف کمنیوں تک فولڈ کیے کندھوں پر کتھی شال اوڑھے بیک یارڈ میں ٹہلتے ہوئے سوچو کا مہرور وہی بھوری آنکھیں تھی ہونٹوں پر ایک دل فریب سی مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی۔“

”آخر یہ ہے کون! جس کی آنکھوں کے اسکیچ اتنی دل جمعی سے بناتے رہتے ہو! کبھی اس اسکیچ کو کمپلیٹ بھی بنا دو تا کہ مجھے بھی پتا چلے، اتنی چھوٹی سی عمر میں میرے بیٹے نے کس کو اپنے دل

میں بسا لیا ہے، اذہان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہتے ہوئے آخر میں شرارت سے چھیڑا تو اذہان نے منہ بسورتے ہوئے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔

”ممی!! ایسی کوئی بات نہیں میں تو بس ویسے ہی اسکیچ بنا رہا تھا، آپ بتائیں! کیسا بنا ہے۔ وہ جو بہت انہماک سے اسکیچ بنانے میں مصروف تھا اپنی وضاحت دیتے ہوئے اپنی اسکیچ بک اپنی ماں کو دیکھاتے ہوئے پوچھا تھا۔“

”ایسے کیسے کچھ نہیں! کوئی تو ہے نا! جس نے میرے بیٹے کے دل میں جگہ بنائی ہوئی، تبھی تو بس ہر وقت تم یہ اسکیچ بناتے رہتے ہو، میں نے تو تمہیں رات کو اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سوتے بھی دیکھا ہے، اب کہہ دو ایسا بھی کچھ نہیں۔ اذہان کے ہاتھ سے اسکیچ لے کر نرمی سے کہتے ہوئے آخر میں تائید چاہی جس پر اذہان کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔“

”ممی! ایسا کچھ نہیں، میں تو بس ایسے ہی بنا رہا تھا۔ کسی خاص کے لیے تو نہیں بنایا، نا ہی ایسی کوئی ہے، جس کا میں اسکیچ بناؤ! وہ تو پتا نہیں جب بھی پینسل اٹھ کر کچھ بنانے لگتا ہوں! تو” خود با

خود،“ ہی یہ آنکھیں بن جاتی ہے، اب تو جیسے عادت سی ہو گئی ہے! ان آنکھوں کا اسکیچ بنانے کی، انھیں دیکھنے کی، انھیں سوچنے کی،۔ اپنی ماں کے ہاتھ سے اسکیچ لیتے ہوئے نظریں اسکیچ پر ٹکائے ٹرانس کی کیفیت کہتے ہوئے اپنے دل کا سارا حال بتا گیا تھا اتنی چھوٹی سی عمر میں اپنے بیٹے کو اس حد تک کسی کے لیے سیریس دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔“

”ہمم مطلب!! معملا کافی سنجیدہ ہے، لیکن تم فکر نہیں کرو! جس خدا نے اس کا خیال تمہارے دل میں ڈالا ہے، وہی رب اس سے تم سے ملو ابھی دے گا، ”ان شاء اللہ“ اس پر یقین رکھو! ابھی بہت وقت پڑا ہے ان سب باتوں کے لیے، میں بھی دعا کرو گی اپنے بیٹے کے لیے، اگر وہ تمہاری قسمت میں ہوئی تو تمہیں ضرور ملے گی، چلو ابھی چل کر کھانا کھا لو۔ پیار سے سمجھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ساتھ اس سے بھی اٹھایا تھا۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھاتا تھا۔“

”کاش...!! می!!“ آج آپ میرے پاس ہوتی تو دیکھتی خدا نے آپ کے بیٹے کی سن لی اس سے وہ دے دیا جس کی آپ کے بیٹے نے خواہش کی تھی، می! آپ نے سچ کہا تھا جس خدا نے اس

کا خیال میرے دل میں ڈالا آج اسی خدا نے مجھے اس سے ملوادیا! میں کتنا خوش ہوں ممی!..! میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے اس کی ماں اس کے سامنے ہو۔“

”ممی!..! آپ کو معلوم ہے!..! آج میں نے اس سے دیکھا۔“ وہی آنکھیں“ وہی ہونٹ“ وہی گال“ پر آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی ممی پر آپ فکر نہیں کریں میں وہ چمک بھی لے آؤں گا! آپ بس اللہ پاک سے یو نہی میرے لیے دعا کرتی رہیں۔ خوشی سے کہتے ہوئے آخر میں اس کی آنکھیں نم ہوئی تھی۔“

”بھائی!..!....“

علیزہ کی پکار پر فوراً سے اپنی آنکھوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر پلٹا تھا۔“

”اپنے لیے چائے بنا رہی تھی تو سوچا آپ کے لیے بھی بنا دو ایک کپ آگے بڑھاتے ہوئے
کہا۔ جسے اذہان نے خاموشی سے تھام لیا۔“

”ویسے آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں، سب خیریت ہے نا! کندھے کے گرد شال لپیٹے چائے کا
سپ لیتے اذہان کی جانب دیکھیں بغیر پر تجسس انداز میں سوال کیا۔“

”بس نیند نہیں آرہی تھی! تو سوچا تھوڑی دیر تازہ ہوا میں چہل قدمی کر لوں! چائے کا سپ لیتے
ہوئے کرسی پر بیٹھتے ہوئے علیزہ کی نظریں اذہان کے چہرے پر کچھ تلاش کرنا چاہ رہی تھی جیسے
کچھ جاننا چاہتی ہو۔“

تم! کیوں نہیں سوئی! ابھی تک۔ اب کی بار اذہان نے سوال کیا جس پر علیزہ نے خاموش نظرو
سے اس سے دیکھا تھا۔“

”بھائی! کب تک ہم ایک دوسرے سے اپنا درد چھپا کر، ایک دوسرے سے جھوٹ کہہ کر، ایک
دوسرے کو اپنے خوش ہونے کا یقین دلاتے رہے گیں! کیا کبھی ہم دونوں سکون کی نیند سو بھی

پائے گئیں! جواب دینے کے بجائے الٹا اس سی سے ایک ساتھ کئی سوال اٹھائے علیزہ کے انداز میں کرب تھا۔ جس کی شدت اذہان نے اچھی طرح محسوس کی تھی پر کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا اس کے پاس۔"

"چھوڑو...!! یہ باتیں! ادھر آؤ مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔ بات بدلتے ہوئے اذہان نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی تھی۔ علیزہ نے اذہان کو دیکھا جیسے کہنا چاہتی ہو کب تک بھاگے گے ان سوالوں سے۔"

"بتائیں...! سپاٹ لہجے میں اذہان کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔"

"میں نے تمہیں ایک کام کہا تھا۔ بتانے کے بجائے سوال کیا جس پر علیزہ نے اثبات میں سر ہلایا۔"

"بھائی...!" میں آج سارا دن بس یہی سوچتی رہی پر آپ جانتے ہیں، میری اتنی جان پہچان تو ہے نہیں! نہ ہی کوئی اتنا بڑا فرینڈ سرکل ہے، ایک ہی فرینڈ ہے عنایہ! وہ بھی انگلیجڈ ہے! اور آپ

نے اپنی پسند کا بھی کچھ نہیں بتایا تو اب میں کیسے ڈھونڈوں آپ کے لیے لڑکی۔ وضاحت دیتے ہوئے وہ کافی تذبذب کا شکار ہو رہی تھی۔ جس پر اذہان کے چہرے پر ہلکی سی سمسٹل آئی۔

”پاگل“ ...!!

بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا تھا۔“

”میں! جانتا تھا تم سے نہیں ہوگا! تم فکر نہیں کرو میں کر لوں گا! یا! پھر! سمجھو ہو گیا۔ مسکرا کر کہتے اذہان اپنی جگہ سے اٹھا تھا اپنے بھائی کی بات سن کر علیزہ ٹھٹھکی اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔“

”مطلب...!! پوری بات تو بتا دیں کیا لڑکی مل گئی!!

ایسے کیسے سنسنی پھیلا کر جا رہے ہیں۔ علیزہ نے اس کے سامنے آتے ہوئے پر تجسس انداز میں سوال کیا۔“

”میں نے تمہیں! کہا تھا کہ تم ڈھونڈ لو اپنی بھابھی! اب تم سے نہیں ہو سکا تو پھر مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا! کیوں کے تم مجھے اکیلے چھوڑ کر جاؤ گی نہیں۔ اذہان نے گول مول بات گھومائی۔“

”بھائی.....!!! علیزہ ابھی تھی۔“

”ایسا کچھ نہیں جیسا تم سوچ رہی ہوں! چلو جا کر سو جاؤ! صبح لیٹ ہو جاؤ گی، مجھے بھی لیٹ کر واؤں گی۔ اذہان نے اس کی ناک کھینچتے ہوئے کہا۔

”بھائی“...!!!

”علیزہ.....!!!“ اسی انداز میں کہا۔“

”اپنے اندر کا درد بھولا کر دونوں نے ایک دوسرے کے لیے چہرے پر مسکراہٹ سجالی تھی۔“



”ایک نیا سویرا طلوع ہوا آسمان پر موجود بادلوں نے آج سورج کی ایک نہ چلنے دی کہیں کہیں اوڑتے پرندوں کی چیچھاٹ اور معمول کی چہل پہل میں زندگی رواں داؤں تھی، تازہ ہوا وقفے وقفے سے چھو کر موسم کافی خوشگوار بنا رہی تھی۔“

”تم! مجھے بتادو! یہ ناہو! آج پھر میں جلدی آجاؤں اور تمہاری دوست مجھے باتیں سنائے کالج کے باہر گاڑی روکتے ہوئے اذہان نے پوچھا۔“

”بھائی! آپ اس کی باتوں کو سیریس نہ لیا کریں! اس کا تو کام ہی ہے باتیں کرنا۔ بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے اس نے کہا اذہان لب ایک جانب پھیل گئے۔“

»اللہ حافظ! گاڑی سے اتر کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔“

”ہاتھ ہلاتے ہوئے اذہان نے گاڑی سیٹارٹ کی تھی۔“



”عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی کچھ بھی کرنے کا دل نہیں کر رہا تھا کل سے ایک عجیب سا خیال دل کو بے چین کر رہا تھا، جس کی سمجھ اس خود بھی نہیں آرہی تھی جس کے چلتے رات کو کچھ کھایا، نہ ہی صبح ناشتہ کیا، اب بھی بے دلی سے ایل ای ڈی پر نظریں مرکوز کئی کسی اور ہی دنیا میں گم صم تھی۔“

”دروازے پر ہوتی دستک نے عمامہ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔“

”آ جاؤ“!!..

”دروازے کو دھکیلتے ہوئے رضیہ کمرے میں آئی تھی۔“

”بی بی جی! بڑی بیگم صاحبہ! نے آپ کے لیے سینڈوچ بھیجے ہے وہ کہہ رہی تھی آپ نے رات سے کچھ نہیں کھایا! اس طرح تو آپ بیمار پڑ جائیں گی۔ ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بتایا تھا۔

”اچھا.....!! سپاٹ جواب دیا۔“

”باہر لیں چلوں! باہر جا کر ہو سکتا ہے، آپ تھوڑا بہتر محسوس کریں۔ عمامہ کے لہجے میں

بیزاری دیکھ کر رضیہ نے پوچھا تھا جس پر اس نے فوراً سے نفی میں سر ہلایا تھا۔“

”کسی کی نظر وکا“ خوف“ یا! پھر کسی کے سامنا کرنے سے ڈر رہی تھی، یہ وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔“

”اچھا پھر آپ کچھ کھالیں! بڑی بیگم صاحبہ؟ نے کہا تھا کہ میں اپنے سامنے کھیلا کر آؤں۔ رضیہ نے اپنی بات دوہرائی۔“

”عمامہ نے نگواری سے رضیہ کو دیکھا۔“

”اچھا لاؤ دوں...! ہارمانتے ہوئے کہا۔“



”آج موسم خاصہ خوشگوار تھا اس لیے عنایہ اور علیزہ لان میں بیٹھی پڑھ رہی تھی ہلکی پھلکی نوک جھوک بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔“

”شہلا بیگم! پکوڑو کی پلیٹ ہاتھ میں لیے لان میں آئی تھی۔ عنایہ کی نظر اپنی ماں پر پڑتے ہی ان کی جانب لپکی تھی۔“

”تھنک یو! امی جی! آپ کو کیسے پتا چلا میرا پکوڑے کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ اپنی ماں کے ہاتھوں سے پلیٹ اچکتے ہوئے ایک پکوڑا اٹھا کر منہ ڈالتے ہوئے کہا۔ عنایہ کی اس حرکت پر شہلا بیگم نے اس گھور کر دیکھا۔“

”یہ کیا حرکت ہے عنایہ! تمہارے لیے ہی لار ہی تھی، اور یہ کون سا طریقہ ہے کھانے کا زرا جو تم میں میسرز ہو! اس کے ہاتھ سے پلیٹ واپس لیتے ہوئے اس کے سر پر چت لگائی تھی۔ جس پر عنایہ نے منہ بسورتے ہوئے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔“

”عنایہ! اور شہلا بیگم! کو دیکھ کر علیزہ کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ در آئی تھی۔“

”پکوڑے! کھانے کے کون سے میسرز ہوتے ہیں! امی جی! عنایہ نے پھر پلیٹ میں سے پکوڑا اٹھانے کی کوشش کی جسے شہلا بیگم نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ناکام بنا دیا تھا۔“

”کچھ تو شرم کرو! تمہاری فرینڈ دیکھ رہی ہے، کیا سوچے گی اور پھر گھر جا کر اپنی ماں! کو کیا بتائے گی کہ کتنی بد تمیز ہے، علیزہ کی جانب بڑھتے ہوئے کہا اور پکوڑو کی پلیٹ ٹیبل پر رکھی اپنی ماں کے ذکر پر علیزہ کا چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا اور دل میں ایک ٹیس اٹھی تھی۔“

”پکوڑے کھانے میں کیسی شرم اور یہ کچھ نہیں سوچے گی اور نہ ہی اپنی“!!...!

”عنایہ!!“ بس بھی کرو کتنا تنگ کرو گی آنٹی! کو یہ لو سارے کھا لو! لیکن پلیز چپ ہو جاؤ کتنا بولتی ہو! تھکتی نہیں! عنایہ کی بات پوری ہونے سے پہلے پکوڑو کی پلیٹ اٹھا کر عنایہ کے ہاتھ میں دی تھی انداز سپاٹ تھا؟-

”میں سارے خود نہیں کھاؤ گی تم بھی کھاؤ! پوری پلیٹ ہاتھ میں پکڑے ایک پکوڑا اٹھا کر علیزہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا جیسے کوئی احسان عظیم کر رہی ہو۔ شہلا بیگم اپنے سر پر ہاتھ مارتی نفی میں سر ہلاتے ہوئے واپس چلی گئی۔“

”نو تھنکس!! تم ہی کھاؤ! علیزہ نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔“

”اچھا ناراض تو نہ ہو! ایک اور لے لو! عنایہ! نے اپنے طور پر ایک احسان کرنے کی کوشش کی تھی، علیرہ کی حالت سے انجان وہ اس تنگ کر رہی تھی۔ لیکن وہ اپنے اندر کے درد سے لڑ رہی تھی جو اپنی ماں کے ذکر پر تازہ ہو گیا تھا۔

”ہیلو عنایہ“!!..

ایک نسوانی آواز پر دونوں نے پلٹ کر دیکھا ایک ماڈرن سی لڑکی انہی کی جانب متوجہ تھی ساتھ ایک بار عب خاتون بھی تھی جسے دیکھ کر عنایہ کے چہرے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔“

”پھوپھو“!!..

پلیٹ ٹیبل پر رکھتے عنایہ بے ساختہ اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھ کر گلے لگی تھی۔“

”پھوپھو!!“ کیسی ہیں آپ، الگ ہوتے ہوئے محبت پاش لہجے میں پوچھا ساتھ کھڑی کرن کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا۔“

”میں ٹھیک تم سناؤں!!“ کیسی ہو پڑھائی کیسی چل رہی ہے میری بچی کی۔ نرمی سے جواب دیتے ہوئے پوچھا تھا۔ علیزہ خاموش سی دیکھ رہی تھی۔“

”سب بہت اچھا! بس آپ کی دعا کی ضرورت ہے، آئیں بیٹھیں!!! بیٹھے کے لیے جگہ دیتے ہوئے عنایہ نے کہا۔ ماریہ کی نظریں سامنے خاموش بیٹھی علیزہ کو پر تجسس انداز میں دیکھا تھا۔“

”پھوپھو!!“ یہ میری فرینڈ ہے علیزہ! ماریہ بیگم کو جانجتی نظر و کو دیکھتے ہوئے عنایہ نے تعارف کرا دیا تھا۔“

”علیزہ! نے مسکراہ کر سلام کیا جس کا صرف اثبات میں سر ہلایا کر جواب دیا۔“

”کرن!“ خود ہی کر سی پر بیٹھ گئی تھی، جسے عنایہ نے یواگنور کیا جیسے وہ یہاں تھی ہی نہیں اتنے میں شہلا بیگم بھی لان میں آگئی تھی۔“

”اسلام علیکم“ آہ! کیسی ہیں آپ۔ شہلا بیگم خوش دلی سے دونوں سے ملی تھی جس کا جواب انھیں نے بھی خوش دلی سے دیا تھا۔“

”ممائی جان!!“ آپ سنائیں کیسی ہیں۔ کرن نے مسکرا کر شہلا بیگم کے گلے لگتے ہوئے کہا۔
جس پر عنایہ کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ منہ بناتے ہوئے آنکھیں پھیرائی تھی۔“
”میں ٹھیک میرا بچا تم سناؤ! کتنی کمزور ہو گئی ہو! شہلا بیگم نے خوش گوار انداز میں کہا تو کرن کے
چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔“
”سچ ممائی جان!!“ میں کمزور لگ رہی ہو!“ کرن نے جیسے تائید چاہی تھی جس پر عنایہ نے
نفی میں سر ہلایا تھا۔“
”آپ اندر چلیں!! بچیوں کو بیٹھنے دیں! یہاں۔ ماریہ بیگم کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر شہلا بیگم نے
پیشکش کی تھی جس پر وہ اثبات میں سر ہلاتی شہلا بیگم کے ساتھ اندر چلی گئی تھی۔“
”ان دونوں کے اندر جانے کے بعد کرن اپنے فون میں بزی ہو گئی تھی، علیزہ اپنی چیزیں سمیٹنے
لگی تھی عنایہ دونو ہاتھ سینے پر باندھ کر منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی جیسے اسے کرن کا آنا پسند نہ آیا
ہو۔“

”مین گیٹ! سے اندر داخل ہوتے ہوئے کالے رنگ کی چمچماتی پیجا روپورچ میں آکر رک کی تھی فون چلاتے ہوئے کرن کی نظر گاڑی پر پڑی اور پھر پلٹنا ہی بھول گئی گاڑی سے اتر کر کالی ڈریس پینٹ کے کے ساتھ ہم رنگ کی شرٹ پہنے کف کمنیوں تک فولڈ کیے کشادہ ماتھے پر بکھرے بال اور ہلکی بڑھی ہوئی شیوا سے بے جازبے نظر بنا رہی تھی مغرور نہ چال چلتے ہوئے اس کی نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھی جسے ناپا کر مایوسی ہوئی اذہان کے لان تک پہنچنے تک کرن کی نظریں اسی پر ٹکی ہوئی تھی۔“

”اسلام علیکم“ اذہان ان کے قریب رک کر سلام کیا۔

”وعلیکم اسلام“ اس پہلے کے عنایہ یا علیزہ کچھ کہتی کرن نے اٹھ کر سلام کا مسمر ہوتے ہوئے جواب دیا تھا۔ جسے اذہان نے خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک سرسری نگاہ پورے لان میں گھومائی تھی۔“

”بھائی! چلیں! میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی! اوکے عنایہ! کھڑے ہوتے ہوئے بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈال کر کہا اور عنایہ سے اجازت چاہی تھی۔“

”ارے! ابھی تو آپ آئے ہیں! بیٹھیں تو سہی۔ عنایہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے کہ کرن بول پڑی۔“

”پھر کبھی آج میں بہت تھک گئی ہوں۔ اذہان کے کچھ کہنے سے پہلے علیرہ نے جواب دیا تھا جس پر عنایہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی اذہان کی خاموش نظریں کسی اور کو ہی ڈھونڈ رہی تھی جو یہاں نہ ہو کر بھی یہی تھی۔“

”گاڑی میں بیٹھ کر بھی اذہان کی نظریں بار بار لان میں کسی کی تلاش میں بھٹک رہی تھی، اپنی دشمن جاں کو کھوجنے کی کوشش کر رہی تھی، اس بات سے انجان کے کوئی ان نظروں کے خوف سے کوئی خود کو قید کر بیٹھا ہے۔“

”کرن کی نظروں نے بھی گاڑی گھر سے باہر نکلنے تک اس کا تعاقب کیا تھا۔“

جاری.....

Asalam o alaikum dear readers late episode dene k

از قلم: بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 10

”آپا! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں! جب کہ آپ جانتی ہیں کہ عنایہ! اور عباس! کا رشتہ بچپن میں ہی طے ہو چکا ہے۔ شہلا بیگم کو ماریہ کی بات سن کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔“

”ہاں! ہاں! سب جانتی ہوں! اور یہ بھی جانتی ہوں! کہ وہ دونو ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، لیکن تم بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو! میرا بیٹا بھی کسی سے کم نہیں، عباس سے اچھا کماتا ہے، اس زیادہ قابل ہے، سب سے اہم بات اپنی عنایہ سے بہت محبت کرتا ہے، میرے بیٹے سے زیادہ

عنایہ! کو کوئی خوش نہیں رکھ سکتا۔ ساری بات جانتے ہوئے بھی ماریہ اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔“

”آپا! آپ کو اپنے بیٹے کی خوشی کے سامنے کسی کی خوشی نظر نہیں آرہی، یہ بات کرنے سے بہتر یہ ہوتا کہ آپ عمر کو سمجھاتی ناکے عمر کی خوشی کی خاطر دو بچوں سے ان کی خوشیاں چھیننے کی بات کرتی ماریہ کی بات سن کر شہلا بیگم برہم ہوئی تھی۔“

”تم کیا سمجھتی ہو! میں نے عمر! کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی ہوگی! اگر بات صرف میرے بیٹے کی خوشی کی ہوتی! تو شاید میں کچھ نہ کہتی، تمہیں کیا بتاؤں کے میں بہت مجبور ہو کر تم سے یہ بات کر رہی ہوں۔ شہلا بیگم کے مشتعل ہونے پر ماریہ کچھ نرم پڑی تھی۔“

”شہلا! تم بھی تو اپنی ایک بیٹی کی خاطر دوسری کو نظر انداز کر رہی ہو! نہیں تو جو کچھ عالی نے عمامہ کے ساتھ کیا اس کے بعد تو یہ رشتہ تمہیں خود ہی ختم کر دینا چاہئے، تم ہو کہ ابھی بھی ان کا ساتھ دے رہی ہو! ماریہ نے دکھتی رگ پر پاؤں رکھ کر شہلا کو جواب کر دیا تھا۔“

”میرے ساتھ جو بھی ہو اس میں عباس! اور تائی جان! کا کوئی قصور نہیں۔ اذہان کی گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھ کر کمرے سے نکل کر لاؤنچ میں آئی تھی اور اپنی پھوپھو کی باتیں سن کر سکتے میں آگئی تھی۔“

”عمائمہ...!!“ ماریہ اور شہلا اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی

”میری معصوم بچی! کیا حال بنا لیا ہے، تم نے اپنا کتنی کمزور ہو گئی ہو! پہلے تھوڑے دکھ تھے میری بچی کی زندگی میں جو اس اتنا بڑا روگ دیں دیا نہیں کرنی تھی شادی نہ کرتا لیکن یہ سب تو نہ کرتا۔ عمائمہ کو دیکھتے ہی اٹھ کر اس کا سر ماتھا چومتے ہوئے ماریہ بیگم کے انداز میں دیکھا و ا صاف جھلک رہا تھا شہلا بیگم کے لیے یہ سب نیا نہیں تھا۔“

میں ٹھیک ہوں پھوپھو! آپ بس کافی دیر بعد دیکھ رہی ہیں نا! اس لیے آپ کو ایسا لگ رہا ہے مجھے کوئی دکھ نہیں! نہ ہی کوئی روگ لیا ہے میں نے آپ کو شاید مغالطہ ہو رہا ہے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر عمائمہ نے کہا تھا۔“

”دیکھا! کتنی صبر و! والی ہے! میری بچی زرا جو اس کے ماتھے پر بل پڑے ہو! زرا جو اس نے کوئی شکوہ کیا ہو! ایسی باتوں پر تو لڑکیاں کیا کچھ کر گزرتی ہے، لیکن میری بچی نے ایک لفظ تک نہیں کہا، پھر بھی تم لوگ اس کے صبر کو آزما رہے ہو! وہ کچھ نہیں کہتی تو کیا مطلب اس تکلیف نہیں ہوتی..... میٹھے لہجے میں طنز کے تیر چلتے ہوئے عمامہ کا کلجا چھلنی کر دیا ضبط سے اس اپنی مٹھیاں بھینچ کر خود کو رونے سے روکا تھا۔“

» پھوپھو! ایسا کچھ نہیں میں تو پہلے ہی اس رشتے سے انکار کر چکی تھی، اور عالی نے جو کچھ کیا اسے بھی میں کب کا بھول چکی ہوں! اس لیے آپ بھی وہ سب بھول جائے، اسی میں سب کی بہتری ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ میرا نام لے کر عنایہ! عباس! کا رشتہ ختم کرنے کی بات نہ کریں، میں کبھی نہیں چاہو گی کہ میری وجہ سے میری بہن کی خوشیاں ماند پڑیں، پلیز! آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہیں کریں گی۔ عمامہ نے بات کی وضاحت پیش کرتے ہوئے ساری بات ختم کی تھی جس پر شہلا بیگم کو کچھ تسلی ہوئی تھی اور ماریہ بیگم کا منہ اتر گیا تھا۔“

” پھوپھو! آپ کو آپ کی اتنی ہی فکر ہے تو پھر آپ انھیں اپنی بہوں بنالیں، لان سے اندر آتے ہوئے عنایہ ساری بات سن چکی تھی اور عمامہ کی بات پوری ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔“

عنایہ!!!.....

شہلا بیگم نے سختی سے ٹوکا تھا۔ عنایہ کی بات پر ماریہ بیگم کو تو جیسے سانپ سونگ گیا تھا۔

کیا امی جی! میں نے تو ایک عام سی تجویز دی تھی، میں نا سہی آپ سہی پھوپھو! کو بہوں مل تو جائے گی۔ عنایہ نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے تھے۔ کرن تو ابھی تک اذہان کے سحر میں گرفتار تھی۔“

”عنایہ! بڑو کے معاملات سے دور رہو۔ شہلا بیگم برہم ہوئی تھی عمامہ نے نگواری سے گھورا تھا جس پر عنایہ خاموش ہو گئی تھی ماریہ نے دوبار اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔“



”گھر آنے کے بعد سے اذہان کو ایک پل کے لیے چین نہیں آیا بار بار اسے دشمن جاں کو دیکھنے کے لیے دل تڑپ رہا تھا! اتنے سالوں تک جب نہیں دیکھا تھا تب تک ایسی تڑپ بھی محسوس نہیں کی تھی، اب جب سے دیکھ لیا تھا تب سے ایک جھلک اور دیکھنے کے لیے پیچھن ہو رہا تھا، اضطراب کی کیفیت میں ریلکسنگ چیئر پر بیٹھے بیٹھے عمامہ کے اسکیج دیکھتے ہوئے کتنے سگریٹ پھوک چکا تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا! یہ تڑپ کم ہونے کے بجائے اور بڑھتی جا رہی تھی اور کتنے دنوں تک سہنی تھی یہ تڑپ بھی نہیں جانتا تھا، کئی بار اسے کال کرنے کا بھی سوچا پھر یہ سوچ کر ارادہ بدل لیا کہ وہ کیا سوچے گی اسی کشمکش میں ریلکسنگ چیئر پر جھولتے ہوئے ایک تہائی رات گزر چکی تھی۔“

”اذہان کے بجتے فون نے اذہان کی سوچوں کا تسلسل توڑا تھا اسکرین پر چمکتا ہوا نام دیکھ کر اذہان کے ماتھے پر بل پڑے تھے، اور یک دم درشتگی در آئی موبائل سیوچ اوف کرتے نظریں پھر سے اپنی دشمن جاں پر مرکوز کی تھی۔“

”تمہیں چاہنا!“ تمہیں سوچنا!“ تمہیں اپنا بنانے کی خواہش کرنا!“ اپنی اس خواہش کو سچ کرنا!“ اب بس میری زندگی کا یہی ایک مقصد ہے، میرے اور تمہارے درمیان میں کسی کو آنے نہیں دوں گا! کسی کو بھی نہیں، ایک بار تم میری ہو جاؤ پھر میں تمہیں لے کر یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا جہاں صرف تم اور میں اور ہماری محبت اور کوئی نہیں۔ خود کلامی کرتے ہوئے اس کے لہجے میں پختگی اس کے اردے کی سچا ہونے کی دلیل تھی۔“



”مام! مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آپ اس عنایہ کی بات سن کر خاموش کیوں ہو گئی منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیا آپ نے اس سے، اس نے سوچا بھی کیسے کہ ہم اس کی اپاہج بہن کو اپنے گھر کی بہن بنائے گے، کیا میرے بھائی کے لیے وہی اپاہج رہ گئی ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی کرن نے بولنا شروع کیا تھا۔“

”کیا کہتی! میں اس سے، کہ ہم اس کی بہن کو اپنے گھر کی بہن نہیں بنا سکتے، کیونکہ وہ اپاہج ہے! اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے طنز کیا۔“

”یا! پھر یہ کہتی کے عباس اور عنایہ کا رشتہ ختم کرنے کے لیے ہم نے عالی! کے دل میں عمامہ کے لیے بد گمانیاں پیدا کی! اور آج بھی عالی! عمامہ! کو جواز بنا کر ہم عنایہ! کا رشتہ ختم کرنے کا ارادہ لیے ان کے گھر گئے تھے۔ ہینڈ بیگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھتے ہوئے مزید بولی تھی۔“

”مام! اگر بھائی کو پتا چلا کہ اس نے عمامہ کا نام بھائی کے نام کے ساتھ جوڑنے کا سوچا ہے تو آپ کو پتا ہی ہے بھائی! کا۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے کرن سر سری انداز میں کہا جس پر ماریہ کے چہرے پر بیزاری در آئی تھی۔“

”تم دونو! کی وجہ سے مجھے اپنے بھائیوں! کی سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہے، کرتے تم دونو ہوں! بھگتنا مجھے پڑتا ہے! میں کہتی پوری دنیا میں کیا لڑ کے ختم ہو گئے! یا لڑکیاں ختم ہو گئی ہیں! جو تمہیں اس عباس کے علاوہ، اور تمہارے بھائی! کو اس عنایہ! میں پتا نہیں ایسا کیا نظر آتا ہے جو تم دونو پگل ہوئے پھر رہے ہو! اپنے ساتھ مجھے زلیل کروانے پر تلے ہو! میں۔“ ماریہ کے لہجے میں بیزاری تھی۔“

”آپ اتنا ہی کہتی ہیں! تو ٹھیک ہے، میں نکال دیتی ہوں! عباس! کا خیال اپنے دل سے، بلکہ! آپ بھی کیا یاد کریں گی، ابھی سے نکال دیا میں نے اس عباس کو اپنے دل و دماغ سے، صرف اور صرف آپ کی خاطر۔ کرن نے ہاتھ اٹھا کر اس انداز میں کہا جیسے وہ بہت بڑا احسان کر رہی ہو! کرن کی بات سن کر ماریہ کچھ پل کے لیے ششدر رہ گئی تھی۔“

”یہاں! سے جانے سے پہلے تک تو تم کسی بھی قیمت پر عباس کو حاصل کرنے کا سوچ کر گئی تھی۔ بے یقینی کے عالم میں ماریہ نے سوال کیا۔“

”ہاں مام! یہاں سے جانے سے پہلے تک آپ کی بیٹی کی یہی سوچ تھی! پر وہاں جا کر آپ کی بیٹی کو پتا چلا کہ میں پاگل تھی جو اس عباس کے پیچھے دیوانی ہوئی پھر رہی تھی، کسی اور کا عکس آنکھوں میں سمائے کہہ رہی تھی جو ماریہ کے سر پر سے گزر گئی تھی۔“



”ایک نیا دن طلوع ہو کر سورج سر پر اگیا تھا“

”ایاز صاحب! ناشتہ کر کے اوفس چلے گئے تھے، عنایہ! کانج چلی گئی تھی، رات کو جو کچھ ہوا اس کے بعد شہلا بیگم کافی پریشان تھی، لیکن وہ سب ایاز صاحب کو بتانے کی ہمت نہیں تھی اپنا سارا غصہ وہ اپنے کمرے کی چیزوں پر اتار رہی تھی۔“

”امی جی! عمامہ نے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے آہستہ سے اجازت چاہی تھی۔“

آجاؤ! شہلا بیگم جو اپنے وارڈ ڈراب صحیح کرتے ہوئے سوچو کے بھوار میں گم تھی دروازے پر ہوتی دستک نے شہلا بیگم کو اپنی طرف متوجہ کیا جس پر انھوں نے اجازت دی تھی۔“

”دروازہ دھکیلتے ہوئے اپنی وہیل چیئر کے ریموٹ پر ہاتھ رکھے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔“

”تم یہاں کوئی کام تھا۔ عمامہ کو دیکھ کر شہلا بیگم کو حیرت ہوئی تھی۔“

”جی! امی جی! مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔ بیڈ کے پاس رکتے ہوئے عمامہ کے لہجے میں سنجیدگی صاف عیاں تھی۔“

”ہاں! کہوں میں سن رہی ہوں! ہاتھ میں پکڑے شال کو تہے لگا کر وارڈ ڈراب میں رکھ کر وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔“

”امی جی! کل جو ہوا اس کے بارے میں کیا سوچا آپ نے عمامہ نے بنا کوئی تمہید باندھے سوال کیا تو شہلا بیگم سوچ میں پڑ گئی۔“

”امی جی! اب سوچنے کا وقت نہیں مل کا وقت ہے، اس دن جب آپ لوگ تائی جان کی طرف گئے تھے، وہاں سے آنے کے بعد بھی عنایہ بتا رہی تھی، کہ عمر کی نظریں اسی پر ٹکی ہوئی اور بات بے بات اس تنگ کر رہا تھا، کل جس طرح پھوپھو مجھے جواز بنا کر اس رشتے کو ختم کرنے کی بات کر رہی تھی! مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا میں نہیں چاہتی کہ میں عنایہ کی خوشیوں میں کسی بھی طرح رکاوٹ بنوں۔ سنجیدگی سے ساری بات بتائی تھی۔“

”تم! نہ چاہتے ہوئے بھی! اپنی بہن کی خوشیوں میں رکاوٹ بنی ہوئی ہو عمامہ! خود پر ضبط کرتے ہوئے شہلا بیگم برہم ہوئی تھی۔“

”میں...!“ دکھ سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

”ہاں تم! اپنی بہن کی خوشیوں کی سب سے بڑی دشمن ہو! میں تو اس دن کو کوستی ہو جس دن تم اس دنیا میں آئی، تمہیں جنم دینے سے بہتر یہ ہوتا کہ میں کسی گاڑی کے نیچے آکر اپنی جان دیدتی، نا تم ہماری زندگی ہوتی نہ ہماری زندگی اتنی مشکل ہوتی، ساری مصیبتوں کی جڑ تم ہو! اگر تم نہ ہوتی تو ابھی تک ہم نے اس کی شادی کر دی ہوتی! اور آج یہ سارے مسئلے ہی نہ ہوتے! لیکن جب تک تم زندہ ہو مجھے نہیں لگتا کہ تمہاری بہن کبھی خوش ہو بھی سکتی ہے، انگلی اٹھا کر تند و تیز لہجے میں کہتی عمامہ کی روح کو زخمی کر گئی ایک آنسو ٹوٹ کر بہہ نکلا تھا۔“

”لیکن امی جی! میں تو آپ سے یہی کہنے آئی تھی کہ آپ عنایہ کی شادی کر دیں! میری فکر نہ کری! کرب سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے ایک اور آنسو ٹوٹ کر گال پر پھسل گیا تھا۔“

”تمہارے! کہنے سے کیا ہوتا ہے! تمہارے باپ کو کون سمجھائے! کہ تم بوجھ ہو! اور کوئی بھی جانتے بوجھتے کیوں اٹھائے گا یہ بوجھ! ہماری تو قسمت خراب تھی، جو تم ہمارے گھر پیدا ہو

گئی! اس لیے ہماری مجبوری ہے، تمہیں سنبھالنا لیکن کوئی بھی اندھایا بے وقوف تو نہیں جو جانتے بوجتے تمہیں اپنا کر اپنی زندگی برباد کر گا، ماریہ کا سارا غصہ وہ اس پر نکال رہی تھی اپنی ماں کی باتیں سن کر گلو گیر ہوئی آنکھوں سے آنسوؤں بند گئی تھی۔“

”امی جی! آپ کی ساری باتیں بالکل صحیح ہیں! آپ تائی جان سے بات کریں! بابا کو میں سمجھا دوں گی میں کبھی بھی عنایہ اور اس کی خوشیوں کے درمیان نہیں آؤ گی! آپ عنایہ کی شادی کی تیاریاں شروع کریں۔ گھر اسانس لیا خود پر ضبط کرتے ہوئے اپنی بات کہہ کر بنا کوئی جواب سننے کمرے سے نکل آئی تھی پیچھے شہلا بیگم اپنی بیٹی کی بات سن کر خاموش ہو گئی تھی۔“

”اپنے! کمرے میں آنے کے بعد کتنی دیر تک روتی رہی، یہ جان کر کے وہ اپنے ماں باپ پر بوجھ ہے، زبردستی ان کے سر پر مسلت ہے، کتنی دیر تک یو نہی رونے کے بعد خود کو خود ہی سمجھا لیا تھا، مرنا چاہتی تھی پر حرام موت نہیں، اور زندہ رہنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی اس بے مقصد زندگی سے وہ خود بھی اکتا گئی تھی۔“

”آج بھی وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی، آج بھی کسی نظریں اس کی ایک جھلک کی منتظر تھی جو نہ پا کر آج بھی کوئی مایوس لوٹ گیا تھا، اس بات سے بے خبر کے وہ وہ جسے اپنے جینے کی وجہ بنائے بیٹھا ہے، وہ مرنے کی وجہ ڈھونڈ رہی ہے۔“

جاری.....

ناول: بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 11

”ایک نیا سویرا طلوع ہوا نیلے آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھ کر عمامہ کو اپنی بے بسی کا شدت سے احساس ہوا، ساری رات بالکونی میں جھولے پر بیٹھے کب رات گزر کر صبح میں بدل گئی تھی پتا ہی نہیں چلا! اپنی ماں کی کہی باتیں یاد آئی تھی، ساری رات بس انھی سوچ میں کٹ گئی تھی۔“

”رہ رہ کر بس ایک ہی خیال اربا تھا کہ وہ ایک بوجھ جسے اس کے گھر والے مجبوری کے تحت سنبھال رہے ہیں! عمامہ ایسی زندگی سے اچھا کہ بندہ موت کو گلے لگا لے اس طرح پل پل مرنے سے بہتر ایک بار مر جائے، خود کو نا سہی اپنے سے جڑے رشتوں کو تو سکون آجائے، ان کی تو آزمائش ختم ہو جائے، آسمان میں اڑتے پرندوں کو دیکھتے ہوئے خود کلامی کر رہی تھی کئی آنسو بہہ نکلے تھے۔“

”عمامہ! اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہوگا، مجھے باباجان سے بات کرنی ہوگی انھیں سمجھانا ہوگا! میری وجہ سے وہ عنایہ کی زندگی خراب نہیں کر سکتے ایک بار عنایہ کی شادی ہو جائے پھر میں خود کو بھی اس زندگی کے بوجھ سے آزاد کر دوں گی اللہ پاک معاف کرنے والا مہربان ہے اللہ پاک میری مجبوری جانتا ہے وہ ضرور مجھے معاف کرے گا! اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے عمامہ نے اٹل لہجے میں خود سے کہا تھا اس کی آنکھوں کے انسو خشک ہو گئے تھے اپنی زندگی کو ختم کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔“



”ناشتے کی ٹیبل پر سب موجود تھے آج معمول کے برعکس عمامہ بھی سب کے ساتھ ناشتہ کرنے ڈانگ ٹیبل پر آئی تھی۔“

”آج تو لگتا ہے سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکلا ہے، جو آج ہماری بیٹی ہمارے ساتھ ناشتہ کرنے آئی ہے۔ اخبار فولڈ کرتے ہوئے ایاز صاحب عمامہ کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ عمامہ کو دیکھ کر جہاں ایاز صاحب خوش ہوئے تھے وہی شہلا بیگم کے چہرے پر ناگواری در آئی تھی جسے دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا تھا۔“

”کیا لیں گی آپی گلاس میں جو س انڈھیلے ہوئے عنایہ نے پوچھا۔“

”نہیں! میں صرف چائے لوں گی۔“

عنایہ ہاٹ پاٹ سے پراٹھ نکال کر اس کی پیٹ میں رکھنے لگی تھی جس پر عمامہ نے فوراً اسے اس روک دیا تھا۔“

”تھوڑا سا کچھ کھا لو! ایسے خالی پیٹ چائے اچھی بات نہیں۔ عنایہ متفکر ہوئی تھی۔“

”کچھ نہیں ہوگا بہت ڈھیٹ ہو! اتنی آسانی سے مرنے والی نہیں! کپ میں چائے انڈھیلتے ہوئے اس کے لہجے میں درد کے ساتھ مایوسی صاف عیاں تھی۔“

”یہ کیا بات ہوئی! بیٹا کوئی پریشانی ہے۔ عمامہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا تھا۔“

”کچھ نہیں!!“ باباجان! بس ویسے ہی کہہ دیا! اپنے باپ کی پریشانی دیکھتے ہوئے عمامہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔“

”یہ سب باتیں! کر کے تم اپنے باپ کو کیا بتانا چاہتی ہو!!“ کہ میں تم پر بہت ظلم کرتی ہوں! بریڈ پر جیم لگتے ہوئے شہلا بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔“

”نہیں امی جی! میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔ کپ کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے نظریں جھوکا کر مدھم لہجے میں بولی۔“

”کہا نہیں ہے! لیکن مطلب تو یہی ہے، نا!“ اب کی بار شہلا بیگم کا انداز خاصہ سخت گیر تھا۔ ایاز صاحب نے شہلا بیگم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر انھیں باز رکھنا چاہا تھا۔“

”امی جی کیا.....!! عنایہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے عمامہ نے فوراً اسے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نفی میں سر ہلایا، وہ فوراً اسے وہاں سے اٹھ کر تیزی سے نکل گئی تھی۔ عنایہ کے جاتے ہی کچھ دیر تک خاموش چھاگئی کسی کے پاس جیسے کہنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔“

”میرا ہو گیا! چائے کا کپ آگے کو کھسکاتے ہوئے عمامہ کی آنکھوں میں پانی امنڈ آیا تھا۔“

خود تو کچھ کھانا ہوتا نہیں دوسروں کا کھانا بھی حرام کر دیا آئی کیوں تھی تم صبح صبح اپنی روتی شکل لے کر باہر شہلا بیگم تند و تیز لہجے میں کہتی فوراً اسے وہاں سے اٹھ گئی تھی ایاز صاحب کی آنکھوں کا بھی کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ خود پر ضبط کرتے ہوئے عمامہ نے اپنی وہیل چیئر پیچھے کی جانب کرنے لگی تھی۔“

”عمامہ بیٹا!!“ رکو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ عمامہ کو جاتے ہوئے دیکھ کر ایاز صاحب نے اس کی وہیل چیئر پر ہاتھ رکھ کر جانے سے روکا تھا۔“

”جی بابا جان...!! عمامہ رکی تھی۔“

”اپنی ماں کی باتوں کو سیر یاس نالیا کرو! تمہیں پتا تو ہے بس مزاج کی سخت ہے پردل کی بری نہیں۔ عمامہ کو دیکھتے ہوئے نرمی سے سمجھایا تھا۔ جس پر عمامہ نے زبردستی مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔“

”باباجان!!“ ایک بات کہوں کیا آپ میری بات مانے گے۔ آس سے عمامہ نے ایاز صاحب کو دیکھتے ہوئے استفسار کرتے ہوئے تائید چاہی۔“

”میں جانتا ہوں! جو تم کہنا چاہتی ہوں! لیکن مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے ایاز صاحب سر دلچے ہوا تھا۔“

”لیکن بابا!“

”جب میں ایک بار کہہ چکا ہوں! تو پھر اس بارے میں بات کرنے کی کیا تک بنتی ہے، کیا تمہیں اپنے باپ کی کہی بات پر یقین نہیں۔ عمامہ کے کچھ کہنے سے پہلے ایاز صاحب مزید بولے۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ عمامہ نے نظریں جھکا کر مدھم آواز میں بولی۔“

”تو پھر کیسی بات ہے تم مجھے بتانا پسند کرو گی۔ عمامہ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔“

”باباجان! آپ عنایہ! کی شادی میری وجہ سے لیٹ کر رہے ہیں! اب اگر میری شادی کبھی نہ ہوئی تو کیا آپ عنایہ! کو بھی ساری زندگی گھر بیٹھا کر رکھے گے! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی نا! اگر میری قسمت میں خوشیاں نہیں ہے تو کیا آپ عنایہ! کے حصے کی خوشیاں اس نہیں دیں گیں، کہتے ہوئے عمامہ کچھ پل کے لیے رکی تھی۔“

صرف اس لیے کہ میں خوش نہیں ہوں، باباجان! میری خوشی تو آپ سب کی خوشی میں ہے، اگر آپ سب خوش ہے، تو میں بھی خوش ہوں، رہی بات شادی کی تو مجھے نہیں کرنی شادی نہ آج، نہ کل،“ کبھی بھی نہیں!

کبھی نہیں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

میں اپنا آپ تو سنبھال نہیں سکتی، شادی کے بعد کی ذمہ داریاں کیسے سنبھالو گی، مجھے خوش کرنے کے لیے آپ کسی اور کی خوشیاں کیوں چھیننا چاہتے ہیں، جو بھی مجھ سے جڑے گا اس کی

زندگی تو برباد ہی ہو جائے گی نا! میں اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی کہ اپنی خوشی کے لیے کسی کی ساری زندگی کی خوشیاں چھین لوں! اس لیے آپ میری شادی کا خیال دل سے نکال دیں اور عنایہ کی شادی کی تیاریاں کریں، اگر! وہ کچھ کہتی نہیں تو اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ ہم اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھائے۔ بلا توقف کے عمامہ کہتی چلی گئی اور وہ دونوں خاموشی سے ساری بات سنتے رہیں۔

لیکن بیٹا! ہم تمہیں نظر انداز کر کے اپنی دوسری بیٹی کی خوشیاں کیسے منا لیں! ایاز صاحب اپنی بیٹی کی ساری باتیں سن کر بولے تھے شہلا بیگم ابھی بھی بس دور کھڑی عمامہ کو دیکھ رہی تھی کل کسی اور کا غصہ اس پر نکال دیا تھا جس کا انھیں بھی دکھ تھا۔"

”عنایہ کی شادی کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ مجھے نظر انداز کر رہے ہیں دیا!“ پھر مجھ سے پیار نہیں کرتے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا تو ایاز صاحب کی آنکھیں نم ہو گئی اپنی بیٹی کی سمجھ داری پر۔“

» باباجان! میں جانتی ہوں آپ دونوں مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں! امی جی کبھی کبھی تھوڑا غصہ کر جاتی ہیں! پر میں یہ بھی جانتی ہوں! کہ انکا غصہ کرنا بھی میرے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے، اس لیے آپ میری فکر بالکل بھی نہیں کریں! عنایہ! کی خوشی میں ہی میری خوشی ہے، میری وجہ سے اس کی خوشیوں کے دروازے اس پر بند نہ کریں نرمی سے اپنے باپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی جو بہت حد تک کامیاب رہی تھی۔ شہلا بیگم بھی اب واپس آکر بیٹھ گئی تھی۔“

”ٹھیک ہے! جیسا میری بیٹی چاہے گی ویسا ہی ہوگا، عمامہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے ایاز صاحب نے اپنی رضامندی ظاہر کی تھی جسے دیکھ کر شہلا بیگم کے چہرے پر بھی سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔“

”ٹھیک ہے پھر تم آج بلا لو بھابھی کو دیکھو وہ کیا کہتی ہیں۔ شہلا کی طرف دیکھ کر اجازت دی تھی جس پر عمامہ کا چہرہ اکھل اٹھا تھا۔“

”تھنک یو باباجان..!“ عمامہ نے دل سے کہا تھا۔ جس پر ایاز صاحب نے مسکراہ کر دیکھ اثبات میں سر ہلایا تھا۔“



”آج تم نے مجھے جلدی بلوالیاسب خیر ہے نا“ عنایہ! کے گھر سے واپسی اذہان نے پوچھا تھا، عباس کے گھر والو کا آنے کا سن کر علیزہ نے اپنے بھائی کو جلدی بلوالیا تھا۔“

”جی بھائی!“ آج ان کے گھر مہمان آنے تھے، عنایہ نے بہت کہا رکنے کے لیے پر آپ کو تو پتا ہی ہیں مجھے اجنبی لوگو کو دیکھ کر گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے آپ کو بلوالیا علیزہ نے وضاحت دی تھی۔“

”سب خیر تھی نا!“ اذہان جاننے کا تجسس ہوا۔“

”جی بھائی!“ شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے اس کی تائی کے گھر والوں نے آنا تھا۔ علیزہ اپنی دھن میں کہہ گئی تھی اس بات سے انجان کے اگلے بم پھوڑ گئی ہے۔“

”کیا“!!!.....

یک دم بریک پر پاؤں پڑا شادی کی تاریخ کا سن کر اذہان کو دھچکا لگا تھا۔“

”آؤنچ.....!!“ بھائی کیا کر رہے ہیں اچانک بریک لگنے سے علیزہ کا سر ڈیش بورڈ سے لگا تھا۔“

»کیا کہا کس کی شادی کے تاریخ!!« علیزہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اذہان نے شادی کی تاریخ پر زور دیتے ہوئے پوچھا! اپنے بھائی کی بات سن کر علیزہ نے چونکا کر اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔“

جاری..... ناول: بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 12

”لاؤنچ میں بیٹھیں سب خوش گپیوں میں مصروف تھے، ثمنینہ بیگم تو جیسے موقع کی طاق میں تھی، شہلا بیگم ایاز صاحب کی اجازت ملتے ہی بنا کوئی وقت ضائع کیے آگئیں تھے، جیسے اگر ایک پل کی دیر کی تو کہیں ایاز صاحب اپنی بات سے ہی نا پھر جائیں۔“

”ارسلان اور ثمنینہ اس لیے بھی خوش تھے، کہ ان کے بڑے بیٹے کے کیے کی سزا بھائی بھابھی نے دوسرے بیٹے کو نہیں دی تھی۔“

”عباس! کی خوشی بھی دیدنی تھی بچپن سے جس کو چاہا بہت جلد وہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہونے جارہی تھی! عنایہ کے دل کی کیفیت اس مختلف نہ تھی۔“

”آج جو خوشی آپ لوگوں نے ہمیں دی ہے، ہم اس کے لیے تہ دل سے آپ کے شکر گزار ہیں۔ خوش دلی سے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔“

"بالکل ایاز! مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا! جب ثمنہ! نے کہا کہ بھابھی نے خود کال کر کے بلایا تو میں بتا نہیں سکتا کتنی خوشی ہوئی مجھے۔ چائے کا کپ اٹھا کر سپ لیتے ہوئے ارسلان صاحب پر مسرت انداز میں کہا۔"

"اس دن جس طرح بھائی صاحب! نے اس موضوع پر بات کرنے سے انکار کر دیا تھا اس دن سے میرے دل کو دھڑکہ سا لگا ہوا تھا! کہی بھائی صاحب! انکار ہی نہ کر دیں۔ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ثمنہ بیگم نے گویا ہوئی۔"

"اگر! انکار ہی کرنا ہوتا تو چار سال انتظار نہ کرتا تب ہی کر دیتے جب.....!!" خیر جو ہو گیا! سو گیا! میں تو بس چاہتا تھا میری چھوٹی بیٹی کے ساتھ بڑی بیٹی کا بھی گھر بس جائے، لیکن خدا کو شاید کچھ اور ہی منظور ہے۔ کچھ کہتے ہوئے یک دم بات بدل دی تھی ان کے چہرے سے ان کے اندر چھپا در نظر صاف عیاں تھا۔"

”خوشی کے موقع پر بیتی باتیں یاد کر کے دل برا کرنے کا کیا فائدہ، جب عمامہ! نے معاف کر دیا ہے، تو آپ بھی در گزر کر دیں! وہ بھی اپنا ہی بچہ ہے اور بچے غلطیاں کرتے ہی ہیں بڑو کا کام ہے بچوں کو معاف کر کے ان کی غلطیاں کو در گزر کرنا۔ شہلا بیگم! جو ابھی کچن سے آئی تھی اور ایاز صاحب کی بات سن کر سنجیدہ لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی تھی جس پر شمینہ بیگم کو کچھ تسلی ہوئی تھی ماحول یک دم سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔“

”اس پہلے کے چچا جان! اپنا ارادہ بدلیں! اور میں بیچارہ شادی کے انتظار میں بڑھ ہو جاؤں آپ جس لیے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں اس بارے میں بات کر لیں! سارے وقت میں خاموش بیٹھے عباس نے ماحول کی سنجیدگی کو بھانتے ہوئے بات بدلی تھی۔“

”تم! فکر نہیں کرو بر خور دار!!“ اتنی جلدی تم بڑھے نہیں ہوتے۔ اپنے ساتھ بیٹھے عباس کا کندھا تھکتے ہوئے انداز دوستانہ تھا۔“

”اگر ہو گیا تو! آپکی بیٹی مجھے گنجا کر دے گی وہ تو مجھے پہلے ہی دھمکی دے چکی ہے۔ نمکو کی پلیٹ اٹھا کر اس میں سے کچھ نمکو اٹھا کر منہ ڈالتے ہوئے ادائے بے نیازی سے کہا۔ ہلکے نیلے رنگ کے کڑتے میں بالوں کی ڈھیلی سے چٹیاں بنائے ہم رنگ ڈوپٹا سلتے سے اوڑے عنایہ جوا بھی لاؤنچ میں داخل ہوئی اس کی بات سن کر اس سے گھوری سے نوازا تھا۔“

”اسلام علیکم“!

ایک تیکھی نظر عباس پر ڈالتے ہوئے مسکرا کر سب کو سلام کیا۔“

”وعلیکم اسلام!“ کیسی ہے میری بیٹی۔ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ثمینہ بیگم نے پیار سے کہے کر گلے لگایا تھا۔“

”کیسی ہو سکتی ہے؟ میرا خون پی پی کرا چھی بھلی ہے، کوئی مجھ سے پوچھے میں کیسا ہوں! میرا دکھ سننے والا تو کوئی نہیں۔ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے عنایہ کو دیکھتے ہوئے عباس نے نمکو اٹھا کر منہ ڈالی تھی عباس کی ساری بات عنایہ کی سماعتوں تک پہنچ گئی تھی۔“

”آؤں ادھر! میرے ساتھ بیٹھوں۔ اپنے ساتھ جگہ دیتے ہوئے مسکرا کر کہا تو عباس جو آنکھوں کے اشارے سے اپنے پاس بیٹھنے کا کہہ رہا تھا اسے انکسور کرتے ہوئے عنایہ شمینہ بیگم کے پاس بیٹھ گئی تھی۔“

”ویسے چچی جان! آپ نے عنایہ! کو بتایا نہیں اپنے ہونے والے شوہر کی بات نہ سننا اور اس نظر انداز کرنا بہت غلط بات ہے۔ بظاہر سنجیدگی سے شہلا بیگم کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے مخاطب ہوا نظریں عنایہ پر مرکوز تھی۔“

”بس کردو عباس! کیوں میری کو بیٹی تنگ کر رہے ہوں۔ شمینہ بیگم عباس پر برہم ہوئی۔ تو عنایہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔“

”یہ غلط بات ہے! آپ نے تو ابھی سے پارٹی بدل لی لیکن آپ بھول رہی ہیں آپ کا بیٹا میں ہوں بہوں تو پرانی!!.....“

”پہلی بات میں تائی جان! کی بہوں نہیں بیٹی ہوں! شادی کے بعد تو بیٹے پر اے ہوتے ہیں،
سیٹیاں نہیں!

کیوں تائی جان! ثمنیہ بیگم کے کندھوں کے گرد بازو جھانک کرتے دے ہاتھ کی انگشت اٹھا کر
عباس کی بات نیچے میں کاٹتے ہوئے آخر میں تائید چاہی۔ تو ثمنیہ بیگم نے پیار سے گال تھپتھپاتے
ہوئے مسکرت تائید کی۔“

”ان کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ شہلا بیگم دونوں کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”دونوں کی نوک جھوک شروع ہوتے ہی سب بڑو کے چہرے کھل اٹھے جسے دیکھ کر عنایہ
عباس بھی پر سکون ہوئے تھے۔“



”اضطراب کے عالم میں اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے جھنجھلا کر
ٹائی کھینچ کر نکالی تھی دوسرے ہاتھ سے کالر کا بٹن کھولتے ہوئے غصے سے رگیں تن گئی تھی۔“

”ایک پل کے لیے یہ سوچ کر کے وہ کسی اور کی ہونے والی ہے اذہان کو اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم جان نکال لی ہو! یہ خیال ہی جان نکالنے کے لیے کافی تھا کے وہ اس کی نہیں کسی اور کی ہونے جارہی ہیں۔“

”اگر تم مجھے نہ ملی تو میں جی نہیں پاؤں گا! تم نہیں جانتی تم میرے لیا کیا ہو! جینے کی وجہ ہو میرا مقصد حیات ہو میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر۔ اسے سوچتے ہوئے کربناک درد اس کے چہرے سے عیاں تھا۔“

”تمہیں کھودینے کا خوف میری جان لے لے گا! میں مر جاؤ گا! یہ درد میں سہ نہیں پاؤ گا! میرا دل بند ہو جائے گا۔ اذہان شاہ کو کسی سے اس حد تک محبت ہو جائے گی! یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ دوا انگلیوں سے اپنی کنپٹی سہلاتے ہوئے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتے ہوئے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر بیک سے سر ٹیکا لیا تھا۔“

”نہیں! نہیں! اب مجھ سے اور انتظار نہیں ہوتا!“ تمہیں اپنا بنانے کے لیے اب مجھے کچھ کرنا پڑے گا تم سے دوری میری موت کا سبب ہی نہ بن جائے کہی۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے دل میں بیچینی بڑھتی جا رہی تھی کسی طور پر بھی بیچین دل کو کرار نہیں آ رہا تھا۔“

”کچھ سوچتے ہوئے، جیب کی پاکٹ سے موبائل نکال کر کسی کا نمبر ڈائل کر کے کان سے لگایا! کافی دیر تک بیل جانے کے بعد بھی دوسری جانب سے کال رسیو نہیں کی جس کی وجہ سے اذہان! کے چہرے پر پریشانی بڑھ گئی تھی! جھنجھلا کر اذہان ایک بار پھر نمبر ڈائل کیا جو مسلسل بیل جانے پر بھی دوسری طرف سے کال رسیو نہیں کی اب کی بار اذہان کی پریشانی بڑھ کر غصے میں بدلنے لگی تھی موبائل کو ایسے گھور کر دیکھا تھا جیسے دوسری طرف سے فون نا اٹھانے کا قصور وار یہ فون تھا۔“



”بالکونی میں جھولے پر بیٹھی گہری سوچ میں غلطاں کسی اور ہی دنیا میں گم تھی، باہر کی گہما گہمی سے دور اب اس سے کسی بھی معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی، شہلا بیگم کے کہنے پر بھی

اس نے باہر جانے سے یہ کہہ کر معذرت کر لی تھی کہ اس کے سر میں درد ہے اور ویسے بھی وہ کسی کے سامنے آکر کسی کو بھی گزری ہوئی باتوں کی وجہ سے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے بہتر یہی ہوتا کہ وہ باہر نہ نکلے۔"

"آسمان پر ستاروں کی جھلملاہٹ میں چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا! انگنت ستاروں میں جس طرح چاند تنہا اور خاموش تھا اسی طرح وہ اپنوں کے بیچ تنہا تھی کسی سے اپنے دل کی بات کہنا تو دور وہ تو اپنے آپ سے بھی کبھی دل کی بات نہیں کہتی تھی، یا!" پھر کبھی کچھ ایسا تھا ہی نہیں اس کی زندگی جو وہ خود سے کہتی! انہی سب سوچوں میں آسمان پر نظریں جمائے وہ اپنی ہی دھن مگن تھی۔"

"اہم! اہم! اہم! اہم!"

کسی کے گلا کھنکارا کی آواز پر عمامہ نے چونک کر پلٹ کر دیکھا تھا۔ "بالکونی کے سلائڈ ڈور کے ساتھ ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسی کو دیکھ رہا تھا۔"

”لگتا کسی کو ہم سے زیادہ یہ چاند تارے عزیز ہے۔ ہموار چال چلتے ہوئے عباس آگے بڑھتے ہوئے اس جانب آیا تھا۔ عمامہ نے مسکرا کر نظریں واپس آسمان کی جانب مرکوز کر لی جیسے اسے اس کے آنے کی پہلے سے خبر ہو!“

”یہ بھی صحیح! مہمان خود ملنے آئیں تو بھی نظریں پھیر لی جائے! کزن! ہونے کے ناطے نہ سہی! بہنوئی ہونے ناطے ہی کچھ عزت کر لو!“ پاس پڑا اسٹول کھینچ کر عمامہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے شکوہ کیا۔ پر عمامہ بنا کچھ کہے چاند کو دیکھتی رہی۔

”تم جانتی ہو! سب باہر آئیں تمھاری بہن کا اتنا بڑا خوشی کا دن ہے، ہمارے لیے نا سہی! اپنی بہن کے لیے ہی آ جاتی! عباس کا انداز جتنا ہوتا عمامہ نے عباس کی بات سن کر اسے ایسے دیکھا جیسے کہنا چاہتی ہو میرے ہونے نہ ہونے سے فرق پڑتا ہے۔“

”لیکن تم سب سے الگ یہاں اکیلی بیٹھی چاند ستارے دیکھ رہی ہو! جیسے تمہارا کسی سے کوئی تعلق ہی نہ ہو جب کسی کو خوشی دے سکتی ہو! تو اس خوشی میں شامل نہیں ہو سکتی؟ عمامہ کی نظر و کا اثر لیے بغیر اسی انداز میں مزید بولا۔“

”اس طرح کیا دیکھ رہی ہوں میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا! عمامہ کو خود دیکھتے ہوئے دیکھ کر عباس نے پراطمینان انداز میں سوال کیا۔“

”عنایہ کہاں ہے جو تم یہاں میرا سر کھانے آگئے ہو عباس کی کسی بات کا بھی اثر لیے بغیر عمامہ نے لاپرواہی سے پوچھا جیسے اس کی باتوں سے جان چھوڑانا چاہتی ہو۔“

”میں جو پوچھ رہا ہوں! اس کا جواب دو! اس نے بھی عمامہ کی بات کا اثر لیے بغیر اپنی بات پر زور دیا تھا۔“

”میرے سر میں درد ہے۔ سپاٹ لہجے میں واپس آسمان کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔“

”ہمارے گھر دعوت تھی جب بھی شاید یہی اسکیوز دیا تھا تم نے کوئی نیا اسکیوز نہیں ہے تمہارے پاس۔ انداز لگاتے ہوئے پوچھا تھا۔ تو عمامہ بنا کوئی جواب دیے آسمان کو دیکھتی رہی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔“

”اس طرح خود کو اکیلا کرنے سے تم کیا سمجھتی ہو! کسی کو پتا نہیں چلے گا! اور تم اپنا درد چھپا لو گئی! چپ رہنا سے کچھ نہیں ہوتا بولنا سیکھو! عمامہ! اپنے اندر کا غصے کو اس طرح مت دباؤ! اس طرح خاموش رہ کر تم صرف اپنا نقصان کرو گئی! بھائی! نے جو کیا اس پر بھی تم خاموش ہو گئی! یہ کہہ کر کے تم خود انکار کرنے والی تھی! ایک مخلص دوست کی طرح وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”میں کہتا ہوں! اگر تم انکار کرنے والی تھی! تو بھائی! کے دھتکارانے کا انتظار کیوں کیا! اور اب جب وہ تمہیں کال کر کے پریشان کر رہے ہیں تو خاموش رہ کر اگنور کرنے کے بجائے! کال رسیو کر کے شٹ اپ کال کیوں نہیں دیتی! کیوں نہیں کہتی میری زندگی سے تم نکل گئے ہو!

اب کبھی واپس نہیں آسکتے۔ عمامہ کی خاموشی عباس کو غصہ دلا گئی تھی وہ آج بھی اپنے بھائی کو قصور وار ہی سمجھاتا تھا۔"

"تم یہاں یہ سب کہنے آئے ہو! عباس کی ساری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے عمامہ بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔"

"تم پہلے تو اس قدر بے حس نہیں تھی اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے عباس نے الٹا سوال کیا تھا۔ عمامہ کی چپ اسے مشتعل کر رہی تھی۔"

"دعا کرو اس بھی زیادہ بے حس ہو جاؤں!" کسی بھی بات کوئی اثر ہی نہ ہوں! کسی غیر مرئی نکتے کو دیکھتے ہوئے کرب سے کہا تھا۔"

"کیوں کر رہی ہو تم یہ سب، میں جانتا ہوں! تمہیں بھائی! نے ہرٹ کیا تھا! تم اس کا غصہ نکال کیوں نہیں دیتی ان کی کال اوکے کر کے نکال دو دل کی بھڑاس! اس طرح تو گھٹ گھٹ کر مر

جاؤں گی۔ عباس کو عمامہ کی حالت پر ترس آیا تھا۔ عمامہ نے عباس کو ایسے دیکھا تھا جیسے کہنا چاہتی کیا صرف عالی!"

”مٹھائی! نہیں لائے تمہارا منہ تو میٹھا کرواؤ بہت بہت مبارک ہو شادی کی۔ چہرے پر مسکراہٹ سجا کر عمامہ نے بات ہی بدل دی تھی۔ ایک بے بس نگاہ اس پر ڈالی تھی وہ بچپن سے ہی ایسی تھی دوسرو کی ذیاتی کو خاموشی سے سہ جانے والی اور یہی عادت عباس کو زہر لگتی تھی۔“

”چو کلیٹ لایا تھا۔ جیب کی پاکٹ سے ایک چو کلیٹ نکالتے ہوئے اس نے بھی مزید بحس کرنے سے اجتناب کیا وہ جانتا تھا کسی بھی بحس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جو اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔“

”صرف ایک شرط پر منہ میٹھا کرو گا!“ چو کلیٹ کا رپہ کھول کر عمامہ نے چو کلیٹ آگے کی تو عباس نے اپنے منہ کے سامنے ہاتھ کرتے ہوئے کہا۔“

”کیا....!!“ عمامہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔“

”شادی کے کسی فنکشن میں بھی؟ تم یہ اسکیوز نہیں کرو گی! کے تمہارے سر میں درد ہے، تمہاری طبیعت خراب ہے، یا!“ پھر تمہارے دل نہیں چاہ رہا۔ ایک ایک کر کے اس کے سارے بہانے گنواتے ہوئے بولا۔“

”بالکل صحیح کہہ رہے ہو پہلی کوئی عقل مندی کی بات کی ہے، پیچھے کھڑی عنایہ تائید کرنے کے ساتھ طنز کرتی ہوئی آگے آئی تھی۔“

جب دو بڑے بات کر رہے تو بچوں کو بیچ میں نہیں بولنا چاہئے! اور ویسے بھی تم سے کسی نے مشورہ مانگ جو تم خواہ مخواہ میں اپنی ٹانگ بیچ میں اڑا رہی ہوں! عنایہ کو دیکھ کر عباس نے اسے لتاڑا عمامہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے دونو کو دیکھ تھا۔

”آپی میرے ہے! تو شرط بھی میری ہی مانے گی! کیوں آپی! اس کے سامنے سے گزر کر عمامہ کے ساتھ جھولے پر بیٹھتے ہوئے اس کے کندھے کے گرد بازو جمائل کرتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔“

”تمھاری آپی! ہے تو کیا ہوا! میری بھی اکلوتی سالی صاحبہ ہے! وہ میری ہی بات سننے گی۔ عباس بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ ماحول اب خوشگوار ہو گیا تھا پر عمامہ کی آنکھوں میں اب بھی بھیجی ہی تھی۔“

”اکلوتی کہاں سے کرن! کو بھی اب تمھیں دل سے سالی تسلیم کرنا ہوگا!“ عنایہ جیسے یاد دلایا ہو۔“

”سوچ لو۔ سالی بھی آدھی گھروالی ہوتی ہے! پھر نا کہنا پتا نہیں چلا۔ عباس نے گویا باور کروایا تھا جس پر بے ساختہ عمامہ کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔ اور عنایہ نے منہ بسورتے ہوئے عباس کی طرف لپکی تھی عنایہ کے اردے بھانپتے ہوئے عباس بھاگ نکلا تھا۔“

”عمائمہ! میری شرط یاد رکھنا یہ نا!“ ہو، تمہاری بہن کی شادی کے دن تمہارا دماغ کا پریشن کروانا پڑے۔ بالکونی سے نکلتے ہوئے اونچی آواز میں بول کر نکلا! پیچھے ہی عنایہ بھی بھاگی تھی، عمائمہ نے مسکرائی میں سر ہلایا کچھ نہیں ہو سکتا ان دونوں کا یا اللہ پاک دونوں ہمیشہ ایسے ہی ہنستے مسکراتے رہے۔ دل سے دعا دی تھی۔“



”کچھ دن مزید یونہی گزر گئے تھے، عنایہ! کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھی اگزیم کے فوراً بعد کی ڈیٹ فکس ہوئی تھی، اس لیے اگزیم کی تیاری کے ساتھ ساتھ شادی کی تیاریاں بھی شروع ہو گئی تھی، ادھر دن بادن بادن عمائمہ نے خود کو سب سے الگ کر لیا تھا، جس طرح عنایہ اپنی شادی کو لے کر خوش تھی، اسی طرح عمائمہ اپنی اس بے مقصد زندگی کو ختم کرنے کا سوچ کر مطمئن تھی، کے اس کے مرنے کے بعد کسی کو اس کی وجہ سے پریشانی نہیں اٹھانی پڑے گی یہی بات اسے سکون پہنچا رہا تھا، ان سب سے الگ اذہان کی محبت دن بادن پروان چڑھ رہی تھی، اور ساتھ ہی اسے دیکھنے کی تڑپ بھی، ساحل اور اس کی فیملی بھی آگئی تھی، اور علیزہ کی شادی کی

ڈیٹ بھی فکس ہو گئی تھی! جو عنایہ کی شادی کے فوراً بعد کی تھی علیزہ کی ہی ضد پر عنایہ کی شادی کے بعد کی ڈیٹ فکس ہوئی تھی، اذہان یہ سوچ کر خاموش تھا! کے ایک بار علیزہ کی ذمہ داری خوش اصولوبی سے پوری کرنے کے بعد ہی وہ اپنے بارے میں سوچے گا، اور اس کی یہی سوچ ہر گزرتے دن کے ساتھ عمامہ کو موت کے قریب لیجا رہی رہی تھی، اس سب سے بے خبر اذہان اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں نئے نئے خواب سجا رہا تھا۔“

جاری..... ناول: بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 13

”رات گزر کر دن میں بدل رہی تھی، ہلکی ہلکی روشنی ہر سو پھیل رہی تھی۔ اٹکھلیا کرتے پرندے اور چڑیوں کی آواز ماحول کو خوشگوار بنانا رہی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وقفے وقفے

سے اذہان کو چھو کر گزر رہے تھے، جو نماز پڑھنے کے بعد بالکونی میں کھڑا اپنی نئی زندگی کے خواب بن رہا تھا دشمن جاں کا خیال ہی اس کو پرسکون کرنے کے لیے کافی تھا۔“

”بلیک کافی کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے سفید شلوار کمیض میں ہلکی بڑھی شیواور گھنی مونچھوں کے ساتھ ماتھے پر بکھرے بال کالی گہری آنکھیں کسی کو بھی اپنا دیوانا بنا سکتی تھی۔“

”کچھ دیر یونہی اپنی دشمن جاں کو سوچنے کے بعد افس کے لیے تیار ہونے کے غرض سے بالکونی سے کپ وہی رکھے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کمرے میں آکر اپنے وارڈ ڈراب سے اپنے لیے کپڑے نکلا کر واشروم میں بند گیا تھا۔“

”کچھ دیر میں چینج کر کے واشروم سے نکلا! اب وہ بلیک کلر کی ڈریس پینٹ کے ساتھ وائٹ شرٹ میں اور بھی جازب نظر لگ رہا تھا،“ وارڈ ڈراب سے اس کی میچنگ ٹائی نکال کر گلے میں

ڈالے آئینے میں دیکھتے بالوں میں برش کرنے لگا، ڈریسنگ پر رکھی اپنی ریسٹ وایچ اٹھا کر کلائی میں پہنتے ہوئے کچھ سوچ کر اس کے چہرے پر ایک دل فریب سی مسکراہٹ آئی تھی۔

”پتا نہیں کتنا انتظار کرنا پڑے گا! وہ کون سا دن ہو گا جب تم میرے ساتھ میرے پاس اس کمرے میں ہو گی! اپنی ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے سوچا تھا، اور پھر اپنا کوٹ اپنے بازو پر ڈالتے ہوئے اپنا والٹ اٹھا کر جیب میں رکھا اور گاڑی کی چابی اور موبائل لے کر کمرے سے نکلا تھا۔“

”بوا...!!“ بوا...!!!“ ناشتہ لیں آئیں! جلدی سے۔ ڈانگ ٹیبل پر آتے ہوئے عام دنوں کے برعکس آج اذہان کا موڈ خوشگوار تھا۔“

”کوٹ کرسی کے ساتھ لٹکاتے ہوئے سربراہی کرسی پر بیٹھے گیا تھا۔“

”اسلام علیکم!“ بھائی!“ علیزہ نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے سلام کیا جس کا اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

”آج! تمہارا لاسٹ پیپر ہے! آج تو تم اپنی فرینڈ کی طرف نہیں جاؤ گی۔ موبائل اسکرین آف کرتے ہوئے اذہان نے پوچھا تھا۔“

”جانا تو نہیں! پھر بھی میں آپ کو کال کر کے بتا دو گی۔ بک کھولے جلدی جلدی سے پیچ پلٹتے ہوئے ایک نظر ڈالتے ہوئے سر سری انداز میں کہا تھا۔“

”بھائی! آپ دعا کرنا میرا پیپر اچھے سے ہو جائے۔ بک بند کرتے ہوئے علیزہ نے اذہان سے ریکوسٹ کی تھی۔“

”ضرور! اللہ پاک میری بہن کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب کرے۔ علیزہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر دل گہرا یوں سے دعادی تھی بو اناشتہ لے کر آئی تھی۔“

”میں کر لوں گی!“ علیزہ کے کہنے پر بوا سر خم کرتی وہا سے چلی گئی تھی۔“

”نہیں! آج تم بیٹھو آج میں سرو کرتا ہوں! اب تم مہمان ہو! علیزہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے نرمی سے کہا۔“

”لیکن بھائی“!!!....

ششش...!!! ”انگلی ہونٹ پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا کہتے ہوئے، علیزہ کے لیے بریڈ پر جیم لگانے لگا جو دیکھ کر علیزہ کو اپنے بھائی پر ڈھیر وپیار آیا تھا۔



”دن ڈھلنے کے بعد سورج کی تپش کم ہو کر ٹھنڈی ہونے لگی تھی۔“

”عمائمہ!“ آج معمول کے برعکس بیک یارڈ کی چوکھٹ پر بیٹھی دونو گھٹنوں کے گرد اپنے بازو رکھ کر ان پر اپنا سر رکھے لان میں پھیلی ہوئی ہری بھری گھاس کو دیکھ رہی تھی! اس کی گوشے بال سے کھیلتی ہوئی اٹھکیلیاں کر رہی تھی، جسے دیکھ کر عمائمہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔“

”کہی!“ میں جلدی تو نہیں آگیا۔ آج کل بس کسی کا کہا ایک جملہ بار بار اس سماعتوں میں گونج رہا تھا۔“

”اپنی بالکنی سے کئی بار اس کی کھوجتی ہوئی پیچین نظر و کو دیکھ کر اس سے بھی بیچنی ہوتی! اور کبھی اس سے صرف ایک غلط فہمی سمجھ کر زہن سے اس سوچ کو جھنک دیتی، تو کبھی خود کو اس طرح کمرے میں قید کرنے کا سوچ کر کئی سوال زہن میں اٹھتے، جسے وہ اپنا وہم جان کر انجان بن جاتی، آج بھی وہ یہاں اس لیے بیٹھی تھی کیوں کہ وہ جانتی تھی آج عنایہ! اور علیزہ! کا آخری پیپر تو اب علیزہ بھی نہیں آئے گی کیونکہ وہ تو بس عنایہ کے ساتھ کمبائن سٹڈی کے لیے آتی تھی۔“

”کچھ دیر پہلے شہلا بیگم! کے یہ کہنے پر اور بھی تسلی ہو گئی کہ وہ شاپنگ کے لیے جا رہی ہے اور عنایہ کو بھی کالج سے ساتھ لے جائے گی۔“

”جن نظروں سے بچنے کے لیے خود نظر بند ہو گئی تھی! آج انجانے میں انہی نظروں کو دیکھنے کے لیے دل پیچین ہو رہا تھا! اور رہ! رہ! کر اس شخص کا خیال دل میں ہلچل مچا رہا تھا، اتنے دنوں سے وہ جو کسی کو تڑپا رہی تھی، آج خود اس آگ میں جل رہی تھی، اس شخص کے نہ آنے کا خیال اس سے اندر سے دکھی کر رہا تھا، انہی سوچوں میں پتا ہی نہیں چلا کہ سورج ڈھل کر رات کی سیاہی

چھانے لگی تھی، عمامہ اپنی سوچوں میں اس قدر غلطاں تھی کہ اس سے پتا ہی نہیں چلا کہ بادلوں نے آسمان کو گھیر لیا تھا! عمامہ! کے دل کی طرح موسم میں بھی گھٹن چھا گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی طرح بادل بھی برسنے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔“



”علیزہ! نے کال کر بتایا کہ وہ عنایہ اور آئی کے ساتھ شاپنگ کے لیے جا رہی ہے اس لیے آج بھی وہ اس سے عنایہ کے گھر سے ہی پک کرے، پر آج وہ تھوڑا لیٹ ہو جائے گی اس لیے کال کر کہ خود بتا دے گی کب آنا ہے، تھوڑے عرصے میں ہی وہ دونو عنایہ کے گھر والوں سے گھل مل گئے تھے، جان پہچان بھی ہو گئی تھی، اسی لیے اذہان کو علیزہ کا یوں جانے پر فکر مند نہیں تھا۔“

”اؤفس میں آج کوئی خاص کام نہیں تھا! اور رہ رہ کر دشمن جاں کا خیال آ رہا تھا! اب تو یہ عام سی بات تھی کہ ہر وقت بس اس سے ہی سوچتا رہتا! جتنا بھی اس کو سوچتا! اتنی ہی اس کی محبت میں شدت آتی! اتنا ہی اس سے اپنا بنانے کے لیے دل بچپن ہوتا! اتنی ہی اس کی تڑپ بڑھتی جو اس کی محبت کو اس اور پروان چڑھتی۔“

”کسی خیال کے تحت اذہان کی آنکھوں میں چمک آئی! جس کے چلتے اذہان فوراً سے اپنی گاڑی کی چابی اور موبائل لے کر افس سے نکلا تھا۔“

”ڈرائیور کرتے ہوئے اس کا معصوم سراپا اس کی آنکھوں میں لہرایا تھا لب ایک جانب پھیل گئے۔“

”تم مجھے پاگل کرنے لگی ہو اگر یہی حال رہا تو کچھ دونوں میں لوگ اذہان شاہ کو پاگل کہہ کر کہی پتھر نہ مارنے لگیں! تمہارے لیے تو تمہارا یہ دیوانا پتھر کھانے کے لیے بھی تیار ہے۔ سٹیرنگ پر ہاتھ رکھ وہ کسی اور ہی دنیا میں گم خود کلامی کرتے ہوئے وہ اپنی منزل رواں داؤں تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ اذہان کی گاڑی دیکھتے ہی گارڈ نے آگے بڑھ کر گیٹ کھولا تو گاڑی چھوٹی سی رہداری سے ہوتی ہوئی پورچ میں آکر رکی تھی۔“

”آج میں تم سے مل کر ہی جاؤں گا! کب تک تم میرے سامنے نہیں آؤں گی میں بھی دیکھتا ہوں گاڑی روک کر سامنے دیکھتے ہوئے ایسے کہہ رہا تھا جیسے وہ اس کے سامنے ہو! گاڑی سے اتر کر ایک سرسری سی نگاہ گھمائی اس پہلے کے اس کی نظر عمامہ پر پڑتی گاڑی سامنے سے آیا تھا۔“

”جی صاحب جی! آج تو گھر میں کوئی نہیں ہے۔ گاڑی نے بتایا تھا۔“

» جانتا ہوں! علیزہ بھی ان کے ساتھ ہی گئی ہے! جب تک وہ آتے نہیں میں انتظار کروں گا! تم رضیہ سے کہہ کر ایک کپ چائے بنوادو گلاس اتارتے ہوئے سپاٹ لہجے کہتے ہوئے آخر میں آڈر دیا تھا۔“

”جی صاحب جی! گاڑی سر پر ہلاتے ہوئے چلا گیا تھا۔“

”گاڑی کے جاتے اذہان کے کوفون بج اٹھا تھا کال رسیو کر کے کان سے لگاتے ہوئے ہوئے لان کی جانب بڑھا تھا۔“

”جی بولیں! کرمانی صاحب !!!.....“

کان سے فون لگائے کسی سے بات کرتے وہ لان میں اگیا تھا۔

”جی آپ کی بات صحیح! لیکن میں بھی جو کرتا سوچ سمجھ کر ہی کرتا ہوں! دوسری طرف کی بات

سن کر سادہ سے لہجے میں بولا۔ بات کرتے ہوئے وہ لان کے وسط میں پہنچ گیا تھا۔“

”چلیں...!!“ پھر آپ میرے سکرٹری سے بات کر لیں وہ آپ بتادے گا۔ بات کرتے

ہوئے اذہان کی نظریں ایک پل کے لیے ٹھہر گئی تھی اور چلتی ہوئی زبان یک دم بند ہو گئی تھی۔“

”ہیلو...!!“ آپ میری بات سن رہے ہیں۔ دوسری طرف سے کسی کے پکارنے اذہان ہوش کی

دنیا میں واپس آیا تھا۔“

”مم.. میں!“ بعد میں بات کرتا ہوں۔ فوراً سے کہہ کر کال کاٹ کر نظریں اب بھی بے یقینی

کے عالم اس ہی دیکھ رہی تھی جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے وہ کب سے تڑپ رہا تھا۔“

”چوکھٹ کے وسط میں بیٹھی گھٹنوں کے گرد ایک بازو رکھ کر اس پر سر ٹیکائے دوسرے ہاتھ سے فرش پر انگلی پھیرتے ہوئے شاید کچھ لکھ رہی تھی، اس سے بے خبر کے کے جسے اتنے دنوں سے چھپ رہی تھی آج وہ اس کے سامنے آکھڑا تھا! موسم میں چھائی گھٹن ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے کم کی اور زوردار بادل گرے تھے، جس سے گھبرا کر عمامہ نے نظریں اٹھائی تھی، اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھا کر ساکت رہ گئی تھی۔“

ایک بوند اذہان کے چہرے پر گری جسے انگلیوں کے پوروں سے چھوتے ہوئے اذہان نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تھی ابھی تک وہ عمامہ! کے سحر میں کھویا ہوا تھا اس بارش کے قطرے نے جیسے اس کا سحر توڑنے کی کوشش کی ہو! بادل گر بنے کے ساتھ ہی برسنا بھی شروع ہو گئے عمامہ! پھٹی آنکھوں سے متعجب سی اس سے ہی دیکھ رہی تھی۔“

جاری..... ناول: بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 14

”ایک بوند اذہان کے چہرے پر گرمی جسے انگلیوں کے پوروں سے چھوتے ہوئے اذہان نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تھی عمامہ! کے سحر میں کھویا ہوا تھا اس بارش کے قطرے نے جیسے اس کا سحر توڑنے کی کوشش کی ہو! بادل گرجنے کے ساتھ ہی برسنا بھی شروع ہو گئے عمامہ! پھٹی آنکھوں سے متعجب سی اس سے ہی دیکھ رہی تھی۔“

”متواتر چال چلتے ہوئے اذہان آگے بڑھ رہا تھا، عمامہ! کو آج کہیں چھپنے کے لیے جگہ نہیں مل رہی تھی! وہ بھاگ جانا چاہتی پر بے جان پیروں نے پہلے کبھی اس کا ساتھ دیا تھا جو آج دیتے، ضیہ کو آواز دینا چاہتی تھی پر حلق سے آواز نکل ہی نہیں رہی ہر گزرتے لمحے اذہان کے قدم اس کی جانب بڑھ رہے تھے، اور ہر بڑھتے قدم کے ساتھ عمامہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے پسلیاں تو کر باہر آجائے گا۔“

”اس تک پہنچنے تک وہ پوری طرح بھیگ چکا تھا نظریں عمامہ کے چہرے پر مرکوز تھی، جیسے ایک پل کے لیے بھی اس نے پلکے جھپکی تو پھر کہی اس کھونہ دے! دوستیپ لیتے ہوئے وہ اس کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا! ایک ٹک سانس ر کے وہ اس ہی دیکھ دیکھ رہی تھی۔“

”کیا..!“ میں تمہیں چھو کر دیکھ سکتا ہوں! تم سچ میں ہوں یا ”پھر! یہ صرف میرا محض ایک خواب ہے۔ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور آس کے پہلوں میں بیٹھتے، ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے گال کے پاس لیجاتے ہوئے چھوئے بغیر پوچھا تھا۔ اس کے اتنے قریب بیٹھنے پر عمامہ پہلے ہی سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی، سامنے بیٹھے شخص کی آنکھوں میں اپنے لیے اس قدر دیوانگی دیکھ کر کچھ بول نہیں پائی ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کچھ پل یو نہیں گزر گئے تھے۔“

”تم جیسی اپاہج! جو اپنے گھر والوں پر بوجھ ہے! اسکے ساتھ کوئی بھی ہمدردی تو کر سکتا ترس کھا کر دل جوئی کی جاسکتی پر زندگی بھر کے لیے اس بوجھ کو اپنے سر نہیں لے سکتا۔ کسی کے ہتک آمیز

کہے جملے کی بازگشت پر اس کی بھوری آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ بنا کچھ کہے عمامہ فوراً سے اپنا رخ پھیر گئی تھی۔"

"رضیہ.....!!!" مشکل سے خود پر ضبط کرتے ہوئے عمامہ نے آواز دی تھی۔ جس پر اذہان متعجب ہوا تھا۔"

"میں نے کسی غلط اردے تحت نہیں کہہ رہا!" میری بات تو سنوں!!" اذہان نے فوراً سے وضاحت دی تھی کہ وہ اس سے غلط ہی نہ سمجھ لے۔"

"رضیہ"!!!!.....

اس کی بات کو ان سنا کر کے اب کی بار عمامہ اواز قدرے بلند ہوئی تھی، رخ بنوزے دوسری جانب ہی تھا۔"

”تمہیں! مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں! میں صرف تم سے بات کرنا چاہتا ہوں! بس ایک بار میری بات سن لو! ٹھوڑی پرہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کرنا چاہا، جس پر آگ بگولہ ہوئی تھی۔“

”آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی! میری بے بسی کا مذاق اوڑا رہے ہیں! درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے اس کے لہجے میں درد و غصے کے ساتھ بے بسی بھی جھلک رہی تھی جسے دیکھ کر اذہان کے دل میں ٹیس اٹھی تھی۔“

”تم غلط سمجھ رہی ہوں! میں بھلا کیوں تمہاری بے بسی کا مذاق اوڑاؤں گا! میں تو خود بے بس ہوں تمہاری محب“!!!.....

”اس سے آگے ایک اور لفظ نہیں! چلیں جائیں!!“ یہاں سے ابھی اور اسی وقت! ”مجھے کسی کی ہمدردی!!“ یا ”ترس! کی ضرورت نہیں! مجھے تو اس زندگی کی ہی.....!“ اس کی بات

پوری ہونے سے پہلے ہی عمامہ نے ٹوک کر سرد لہجے غراتے ہوئے اپنی بات بھی دانستہ طور پر ادھوری چھوڑی تھی۔

”میں اپنی بات کہے بغیر کہی! نہیں جاؤں! گا پلیر! تم میری حالت پر ترس کھاؤں! کتنا ترپا ہوں! تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے، تم نہیں جانتی! عمامہ کے چہرے پر نظریں مرکوز کیے۔ اٹل لہجے میں کہتے آخر میں اس کے لہجے میں کرب نمایاں تھا، جس کی تاب لانا عمامہ کے بس میں نہیں تھا۔“

”آپ یہاں سے جارہے ہیں!!“ یا ”پھر میں گارڈ کو بلاؤں!“ اس کی نظروں سے گھبراتے ہوئے لاغر سی دھمکی دی تھی۔ جس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔“

”تمہیں!“ یہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں! میں خود ہی چلا جاؤں گا، میں کسی بھی طرح کی زور زبردستی کا قائل نہیں! میری محبت میرا مسئلہ ہے، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اگر! میری کوئی بات بری لگی ہوں تو اس کے لیے معافی چاہتا ہوں! اور یہ مت سمجھنا کہ

گارڈ سے ڈر گیا ہوں۔ سرد سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ توقع کے برعکس اس کی باتیں سن کر عمامہ محض دیکھ کر رہ گئی تھی۔"

”جس طرح وہ آیا! اسی طرح واپس جا رہا تھا! لیکن اتنی جلدی ہار ماننے والا وہ بھی نہیں تھا پر ایک دم سے وہ کسی پر اپنی مرضی مسلت کرنے والوں میں سے نہیں تھا، اس سوچنے کے لیے وقت دینا چاہتا تھا، اس لیے بغیر کچھ کہے ہی جانے کے لیے اٹھ گیا تھا! کے کہی اس یہ نالگے کے وہ اس کی بے بسی کا فائدہ اٹھا رہا ہے، عمامہ! چاہ کر بھی اسے روک نہیں پائی تھی۔ بارش کا زور ٹوٹنے کے بجائے اور بڑھ گیا، اس کا یوں بغیر کچھ کہے جانا اسے اچھا نہیں لگا وہ اسے روکنا چاہتی تھی پر یہ نہیں کر سکتی تھی، عمامہ! کی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے جس کی اس خود بھی خبر نہیں ہوئی تھی، اس کے دل کی بنجر زمین پر محبت کو نیل پھوٹی جس سے وہ انجان تھی یہ کو نیل آہستہ آہستہ اپنی جڑیں مضبوط کر کے بہت جلد ایک تناور پھل و پھول دار درخت میں بننے والا تھا۔ سب سے بے خبر اذہان کی پشت کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔"



”اس کے جانے کے بعد بھی عمامہ! کی نظریں اسی راہ پر ٹکی ہوئی تھیں، جہاں سے وہ آیا اور بنا کچھ کہے لوٹ گیا، بنا کچھ کہے بھی اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ گئی تھی جس پر ناچاہتے ہوئے بھی عمامہ کا دل ایمان لے آیا تھا! پر دماغ بھر پور نفی کر رہا تھا۔“

”تمہیں!“ یہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں! میں خود ہی چلا جاؤں گا، میں کسی بھی طرح کی زور زبردستی کا قائل نہیں! میری محبت میرا مسئلہ ہے، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اگر! میری کوئی بات بری لگی ہوں تو اس کے لیے معافی چاہتا ہوں! اور یہ مت سمجھنا کہ گارڈ سے ڈر گیا ہوں۔ اس کہے الفاظ گونجے تھے جس پر عمامہ نے فوراً سے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ ایک بار پھر زور سے بادل گرے تھے اور بجلی چمکی جس کی وجہ سے پورے لان یک دم میں روشنی پھیل کر پھر اندھیرا چھا گیا تھا بالکل اسی طرح جس طرح اذہان کے آنے اور جانے کے درمیان عمامہ کے دل میں روشنی کی چمک کر بجھ گئی تھی۔“

”تم! کیوں نہیں مان لیتی کہ تم ایک اپناج ہو! ایک

”ناکارہ ”بیکار“ شے! جس کی کسی کو ضرورت نہیں! تم سٹور روم میں پڑے کسی ”بیکار سامان“ سے زیادہ کچھ نہیں ہو! تمہاری جگہ وہی سٹور روم جس میں سارا ”کاڑ کباڑ“ رکھا جاتا ہے، تم! کیوں کسی کی کوئی بات سن کر امید باندھ لیتی ہو! جب تم جانتی ہو! یہ سب۔ خود کو سمجھانے کے لیے لوگو کی کہی باتیں خود کو یاد دلایائی تھی۔“

”آپی“!..

پکار پر فوراً سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تھا جہاں علیزہ کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”آپی..!!“ آپ یہاں بیٹھی ہیں! اور میں آپ کو کمرے میں دیکھ رہی تھی کہتی ہوئی وہ پاس آئی تھی۔

”تم کب آئی!“ علیزہ کو دیکھ وہ تھوڑی حیران ہوئی تھی۔“

”عناہ! اور آنٹی! کے ساتھ میں بھی شاپنگ کے لیے گئی تھی، وہی دیکھانی تھی، عناہ! سب کے لیے چائے بنا رہی تھی! تو سوچا میں ہی آپ کو بدالوں تھوڑے فاصلے پر پڑی وہیل چیئر کو دھکیل کر پاس لا کر وضاحت کرتے ہوئے عمامہ! وہیل چیئر پر بیٹھنے کے لیے مدد کرنے کے غرض سے ہاتھ بڑھایا۔ تھوڑی جھجک کے بعد عمامہ نے بنا کچھ کہے ہاتھ تھام لیا تھا۔“

”میری بہت خواہش تھی! کے میری بھی کوئی بڑی بہن ہو! جس میں اپنے دل کی باتیں کرو کچھ اپنی کہوں کچھ ان کی سنو کبھی انھیں بلا وجہ ستاؤں....!“ عمامہ کو وہیل چیئر بیٹھاتے ہوئے اس کی جھجک کم کرنے کے لیے سادہ لہجے میں کہتے ہوئے۔ اسے دیکھا۔“

”لیکن!“ اللہ“ نے مجھے بڑا بھائی! دیا ہے، اور وہ بھی بہت اچھا ہے! بہت نہیں! بہت ہی زیادہ اچھا ہے! کبھی ”ماما“ بابا“ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی! اور ضرورت پڑنے پر میری سہیلی بھی بن گئیں! اور بہن بھی! لوگ کو لگتا ہے وہ بہت روڈ ہے بات بات پر غصہ کرتے ہیں! پر مجھے لگتا ہے وہ بالکل ناریل کی طرح ہے، اوپر سے سخت اندر سے نرم۔ وہیل چیئر کی بیک سائیڈ

تک آتے ہوئے روانی سے کہتی چلی گئی عمامہ نے متعجب نظروں سے سر گھوما کر اسے دیکھا جسے وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہی ہے۔ پر کہا کچھ نہیں۔"

"آپ بھی سوچ رہی ہونگی! میں آج اچانک سے اپنے بھائی! کی طعریفوں کے پل کیوں باندھ رہی ہوں!" پر پتا نہیں کیوں؟ میں جب بھی آپ کو دیکھتی ہوں! مجھے بھائی کا خیال آتا ہے، جب کہ آپ کا اور بھائی کا تو شاید

"آمناء سامنوں" بھی نہیں ہوا۔ وہیل چیئر کو دھکیلتے ہوئے سیٹنگ ایریا میں لے آئی تھی۔ اس کی ساری باتیں خاموشی سے سن رہی تھی۔"

"آپی!" آپ کو ایک سیکریٹ بتاؤں!" صوفے کی سائیڈ پر رکتے ہوئے گھوم کر اس کے سامنے سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے پر تجسس انداز میں کہا تھا۔

"کہوں...!" اتنی دیر میں پہلی بار بولی تھی۔"

”نہیں!“ کہی آپ میری بات کو غلط سمجھ! کربرانہ مان جائے اور مجھ سے بات ہی نہ کریں ابھی تو عنایہ! کی شادی میں میں نے آپ کے ساتھ ٹیونگ کرنی جس کے لیے میں اپنے آپ کے سارے ڈریسز اپنی میچنگ کے لے کر آئی ہوں۔ افسردگی سے کہتے ہوئے بات بدل دی تھی۔“

”لیکن!“ میں ہیوی ڈیرس نہیں پہنتی امی جی!: بتایا نہیں۔ عمامہ نے گویا اس کی جانکاری میں اضافہ کیا اسے کسی کے بھی کوئی سیکرٹ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔“

”جی!“ بتایا تھا" پر میں نے بھی آنٹی!“ کی ایک نہیں سننی آخر کار انھیں، میری ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ علیزہ اٹھ کر سامنے ٹیبل پر رکھے شاپنگ بیگ کی جانب بڑھی۔ کسی کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کرتے ہوئے عمامہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا سٹینگ ایریا کے بالکل سامنے لاؤنچ میں ڈبل صوفے سفید شلوار اور ڈھیلے کڑتے کے بازو کمنیوں تک فولڈ کیے پر بیک سے ٹیک لگائے اذہان اس ہی دیکھ دیکھنے میں مصروف تھا۔“

”یہ دیکھیں!“ آپنی!“ میں نے آپ کے لیے یہ مکی پسند کی ہے آنٹی نے مجھے بہت روکا پر میں نے ان کی ایک نہیں سنی! پیلے رنگ کی گہر دار مکی جس دامن اور بازوؤں پر ہم رنگ نفسی کام ہوا مکی کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔ بیگ سے نکال کر عمامہ کو دیکھاتے ہوئے بتا رہی تھی۔ لیکن عمامہ کا دھیان کہی اور ہی اٹک کر رہ گیا تھا۔“

”اور یہ دیکھیں!“ یہ تو میری فیورٹ ڈریس ہے، ایک اور ہیوی ڈیرس نکال کر دیکھاتے ہوئے کہا تھا۔ پر عمامہ! سامنے بیٹھیں شخص کی نظروں سے گھبرا اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔“

”عمامہ! کے آنے سے پہلے ہی آپ سارے ڈریسز دیکھ لیں! وہ آگئی تو سارا کریڈیٹ خود لے گی! کہ یہ بھی میں نے لیا ہے، یہ بھی میں نے لیا ہے کہہ کر!“ یہ دیکھیں آپنی!“ یہ آپ میری شادی میں پہنا!“ ایک بہت ہی خوبصورتی مکی نکال کر دیکھاتے ہوئے جلد بازی میں کہتے ہوئے آخر میں شرم سے نظریں جھکا لی تھی۔ ہلکے فیروزی رنگ کی مکی جس کے بازوؤں اور دامن پر سلور کلر کا نفیس کام ہوا تھا، سرسری نگاہ ڈالی تھی۔“

”بیٹا! میری سمجھ نہیں آرہا اتنی تیز بارش میں آپ کو بھگنے کی بھلا کیا ضرورت تھی! آپ کیا یہاں پہلی بار آئے تھے، جو ہمارے گھر نہ ہونے پر آپ باہر لان میں بیٹھ گئیں! کچن سے سے لاؤنچ میں آتے ہوئے شہلا بیگم خاصی برہم ہوئی تھی۔ اذہان فوراً سے آگے ہو کر بیٹھا نظریں اب بھی سامنے بیٹھی عمامہ پر مرکوز تھی۔“

”مجھے یہ سوچ کر زیادہ دکھ ہو رہا ہے، کہ اتنا بھگنے کے باوجود تم اندر آنے کے بجائے علیزہ!“ کو لیے بغیر واپس جا رہے تھے، اگر ہم لوگ صحیح وقت پر نہیں آتے تو تمہیں! ایک بار گھر جا کر پھر واپس آنا پڑتا۔ اذہان کے مقابل سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے متفکر نہ انداز میں گویا ہوئی۔“

”آئی!“ آپ خوا مخواہ! میں پریشان ہو رہی ہیں!“ اتنی کوئی بڑی بات نہیں۔ شہلا بیگم کی فکر کو دیکھتے ہوئے رسان سے بولا تھا۔ جب کہ کن آنکھیں سے ابھی بھی عمامہ کو دیکھ رہا جو اپنی ماں کے اس طرح پریشان ہونے پر متذبذب ہو گئی تھی۔“

"یہ لیں!" عنایہ! اسپیشل ادرک والی چائے، آپ کی ساری سردی منٹوں میں غائب ہو جائے گی۔ چائے کا کپ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے ادائے بے نیازی سے سے بولی تھی۔ اپنی ماں بہن کو اس قدر بے تکلف ہوتا ہوا دیکھ کر عمامہ کی تشویش بڑھ گئی تھی، وہ جو علیزہ کے اگزیٹو ختم ہونے پر، پر سکون ہو گئی تھی کہ اب وہ آزاد ہے ان نظروں سے۔"

جاری..... ناول: بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 15

"علیزہ! اذہان! کو آج شہلا بیگم! نے کھانے پر رک لیا تھا اس وقت وہ سب ڈانگ ہال میں موجودہ کھانا کھانے کے ساتھ ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھے۔"

اذہان کی موجودگی سے گھبرا کر وہ پہلے ہی کمرے میں بند ہو گئی تھی یہ کہہ کر کہ اسے بھوک نہیں۔"

”چلیں آنٹی! اب ہمیں اجازت دیں آپ سب کا بہت وقت لے لیا! اور تکلیف دینے کے لیے معذرت۔ نپکین سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اجازت چاہی تھی۔“

”نہیں بیٹا!“ عمامہ! عنایہ! کی طرح علیزہ! بھی ہماری بیٹی ہے اور علیزہ! کے بھائی! ہونے کے ناطے تم بھی ہمارے بیٹے ہوئے نا“ بچوں سے بھی بھلا کسی کو تکلیف ہوئی ہے ایاز صاحب رسان سے بولے۔ تو اذہان لا جواب ہو گیا تھا۔

”آنٹی! آپ کے ساتھ شاپنگ کر کے بہت اچھا لگا بھائی! کے ساتھ بھی جاتی ہوں! پر آج آپ کے ساتھ شاپنگ کر کا اصل شاپنگ کا طریقہ بھی پتا چلا گیا! بھائی! کے ساتھ جاتی ہوں! تو ایک ہی شاپ میں کھڑے ہو کر، یہ بھی دے دو! یہ بھی! اور یہ بھی! لوجی ہو گئی شاپنگ۔ پانی کا گلاس گھونٹ پیتے ہوئے پر مسرت انداز کہتے ہوئے آخر میں اپنا تجربہ بھی شئیر کیا تھا۔“

”بیٹاجی! یہ شاپنگ کا ”ڈپارٹمنٹ“ عورتوں کا ہے، اگر! آپ ہم ”مردوں“ سے کہو گی تو یہی ہوگا، پھر بھی تمہارا بھائی! اچھا جو تمہارے ساتھ چلا جاتا ہے، ہم تو اپنی بیگم صاحبہ! کے ہاتھ

میں کریڈیٹ کارڈ دیتے ہیں! اور کہتے ہیں آپ جانے اور آپ کا کام ہم سے نہیں ہوگا۔ بظاہر سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے شوخ نظروں سے شہلا کی طرف دیکھا تھا۔

”آپ بھی نا“ کوئی موقع جانے نہیں دیتے۔ ایاز صاحب کی بات کو سمجھتے ہوئے نروٹھے پن سے بولی۔

”بیٹا!“ میں تو کہتی ہوں! تم بھی شادی کر لو! ان ”عورتوں“ کے کاموں سے تمھاری بھی جان چھوٹ جائے گی۔ شہلا بیگم نے تجویز دی تھی۔

”میں بھی یہی کہتی ہوں! پر پتا نہیں“ !!!.....

”چلو علیزہ!“ بہت دیر ہو گئی ہے۔ علیزہ کی بات سچ میں ہی کاٹ دی تھی۔

”بیٹا!“ ہم بھی تمھارے اپنے ہیں، اگر کوئی پسند ہے، تو ہمیں بتاؤ ہم لے کر جائے گے تمھارا رشتہ! تم جیسے لائق فائق ویل سیٹیڈ لڑکے سے بھلا کون رشتہ نہیں جوڑنا چاہے گا! اذہان کو

دیکھتے ہوئے تحمل سے بولے ان کے انداز میں بے پناہ اپنائیت تھی۔ جسے دیکھ کر ایک پل کے لیے اسے لگا کے سب بتادیں۔"

”وقت آنے پر آپ کو ہی کہوں گا! لیکن ابھی مجھے صرف اپنی پرنسسرز کے فرض سبکدوش ہونا ہے، اس کے بعد اپنے بارے میں سوچوں گا۔ علیزہ کو دیکھتے ہوئے محبت پاش لہجے میں کہا تھا جس پر ایاز اور شہلا دونو کو پیار آیا تھا۔"



”میں اپنی بیٹی! سے ملے، بغیر نہیں جاؤں گی! اگر میں اندر نہیں جاسکتی تو پھر میری بیٹی کو باہر بلاؤں۔ اپنی ضد پر ڈٹی ہوئی تھی۔"

”دیکھیں! میں آپ کو بتا رہا ہوں وہ گھر پر نہیں ہے، اگر ہو بھی تو ہمیں اجازت نہیں آپ کو ان سے ملنے دیا جائے! آپ پیلز! یہاں سے چلی جائیں! اگر صاحب نے آپ کو یہاں دیکھ لیا تو آپ کی وجہ سے میری نوکری چلی جائے گی۔ مہذب انداز میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں!“ یہاں کھڑے ہونے کا ”لیکن میں آج یہاں سے اپنی بیٹی سے ملے بغیر کہی نہیں جاؤں گی! وہ اب بھی اپنی ضد پر قائم تھی۔“

”یہاں!“ کیا ہو رہا ہے۔ اتنی رات میں اکرم! کس سے بحس کر رہا ہے، مین گیٹ زر افاصلے پر گاڑی روکتے ہوئے اکرم کو کسی سے بحس کرتا دیکھ کر اذہان کو فکر لاحق ہوئی تھی۔“

”بھائی! آپ نہ جائیں! علیزہ شاید جان گئی تھی، وہ کس سے بحس کر رہا ہے، اس لیے اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔“

”علیزہ! باہر جاؤں گا نہیں! تو پتا کیسے چلے گا“ وہاں کیا ہو رہا ہے، اندر جانے کے لیے بھی تو سامنے کھڑی گاڑی کو ہٹنا پڑے گا نا“ ایسے تو ہم اندر بھی نہیں جاسکتے۔ اذہان نے نرمی سے گیٹ کے سامنے راستہ روکے کھڑی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نرمی سے سمجھایا۔ جس پر وہ نفی میں سر ہلا گئی تھی۔“

”بھائی!“ وہ مجھے ساتھ لے جائیں! گی مجھے نہیں جانا ان کے ساتھ! وہ بہت بری ہیں۔ مجھے نہیں جانا۔ اکرم کے ساتھ کھڑی عورت کی طرف دیکھتے ہوئے، ڈر اور خوف سے سہم کر رہ گئی، تھوڑی دیر پہلے والی علیزہ نہیں تھی۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے اس کی رگیں بھی یک دم تن گئی تھی اور غصے سے مٹھیاں بھینچ لی تھی۔“

”میرے ہوتے ہوئے تمہیں! ڈرنے کی ضرورت نہیں! تم یہاں رکو میں دیکھ کر کر آتا ہوں! علیزہ کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔“

”بھائی!“ میں نہیں جاؤں گی!“ اس پہلے کے اذہان گاڑی سے اترتا علیزہ نے اس کا ہاتھ پکڑ نفی میں سر ہلاتے ہوئے نم لہجے میں منت کی تھی۔ دو موتی ٹوٹ کر گال پر پھسلے گئے تھے۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس دیکھا جیسے کہنا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں کہی جانے بھی نہیں دوں گا۔“

”کیا شور ہو رہا ہے یہاں گاڑی سے اتر کر ان کی طرف آتے ہوئے سرد لہجے غراتے ہوئے پوچھا اذہان کو دیکھتے ہی نائمہ بیگم کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ جب کہ اکرم کے چہرے پر پریشانی دوڑ گئی تھی۔“

”سر!“ وہ یہ زبردستی علیزہ بی بی! سے.....!“ اکرم کی بات پوری ہونے سے پہلے اذہان نے فوراً سے ہاتھ اٹھا کر اس مزید بولنے سے روک دیا تھا۔

”اس عورت کے سامنے کوئی میری بہن کا نام بھی لے مجھے گوارہ نہیں! سخت گیر لہجے میں نائمہ بیگم کو دیکھتے ہوئے اکرم کو کہا۔“

”نام نہ! لینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی! اور میں اس کی ماں ہوں! وہ میری بیٹی! تم چاہ کر بھی یہ حقیقت بدل نہیں سکتے۔ اسی انداز میں سلگتے ہوئے بولی تھی۔“

”اور تمہیں!“ کیا گوارہ ہے، کیا نہیں، اس مجھے فرق نہیں پڑتا“ آج میں یہاں سے اپنی بیٹی کو لے کر ہی جاؤں گی! تم اس سے زبردستی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے، میں اس کی ماں ہوں! پورا

حق رکھتی ہوں! اس سے ملنے کا "اسے اپنے ساتھ لیجانے کا" تم سے زیادہ حق ہے میرا اس پر۔
ہتک آمیز لہجے کہتے ہوئے وہ اسے بہت کچھ باور کروا رہی تھی۔"

"صرف پیدا کرنے سے کوئی" ماں "نہیں بن سکتا! اولاد کے لیے بہت کچھ "قربان" کرنا پڑتا ہے! بہت کچھ "سہنا" بھی پڑتا ہے، جیسے میری "ماں" نے تمہیں "برداشت" کیا لیکن تم کیا جانو یہ سب جس نے اپنی اولاد کو بھی اپنے فائدہ کے لیے استعمال کیا ہو! اور اب کرنا چاہتی ہو! تم اپنے حق! تو بہت اچھے سے استعمال کرنے کی ماہر ہونے کے ساتھ دوسرے کے حق چھیننے بھی بہت اچھی طرح جانتی ہو! پر کبھی اپنے فرض نبھائیں بھی ہیں! اس کی بات سن کر اذہان کا غصہ سوانیزے پر پہنچا تھا۔

"اور تم شاید بھول رہی ہوں! اپنی بہن کی قانونی کسٹڈی ہے میرے پاس ہے! تمہارے سارے حق، قانونی طور پر میں کب کے تم سے چھین چکا ہوں! جس طرح تم نے مجھ سے میرے اپنے چھینے تھے، فرق صرف اتنا ہے کہ تم نے جو کیا اس میں تمہارا اپنا مفاد اپنی لالچ تھی، اور میں نے جو کیا اس میں ایک بھائی کی اپنی بہن کے لیے محبت! اور بہن کا اپنے بھائی پر مان

تھا" اس لیے جس طرح یہاں آئی ہوں! اسی طرح واپس چلی جاؤ ورنہ ابھی تک تم نے صرف بہن کا مان دیکھا ہے، بھائی کی محبت نہیں۔ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اس نے بھی اسے بہت کچھ باور کرواتے غصے کی زیادتی کی وجہ سے رگیں تن گئی جبرے بھینچ لیے تھے، انکھوں میں جیسے خون اتر آیا ہو گاڑی میں بیٹھی علیزہ سہم کر رہ گئی تھی۔"

"تم! اس طرح مجھے "ڈرا" دھمکا" کر یہاں سے جانے کے لیے۔ مجبور نہیں کر سکتے، میں ابھی پولیس کو کال کرتی ہوں! پھر دیکھتی ہوں! تم کیسے مجھے میری بیٹی سے دور رکھ پاتے ہوں! نامہ بیگم شاطرانہ انداز میں موبائل میں نمبر ملاتے ہوتے دھمکی دی تھی۔"

"تمہیں!" یہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں! میں خود پولیس کو کال کرتا ہوں!" آج لگتا ہے، تم ایسے نہیں جاؤ گی، اذہان نے کسی کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے کان سے لگایا تھا۔ جسے پر شذرہ گئی تھی۔"

"ہیلو!" ڈی ایس پی صاحب! کیا آپ ابھی گھر آ سکتے سر دلہے میں پوچھا تھا۔"

”جی ٹھیک! میں انتظار کر رہا ہوں! دوسری طرف کی بات سن کر کال کاٹ دی تھی۔“

”اب تم! یہی رکنا آج دو ٹوک فیصلہ ہو ہی جائے، روز روز کا تماشا ایک ہی بار میں ختم ہو جانا چاہئے، تند و تیز لہجے میں کہتے واپس اپنی گاڑی کی جانب بڑھا اور علیزہ کی سائیڈ کادر وازہ کھولا جہاں ڈری سہمی علیزہ دہکی بیٹھی تھی۔“

»علیزہ! آؤ!“ میرے ساتھ ہاتھ آگے بڑھا کر اذہان نے نرمی سے کہا تو اس نے فوراً سے نہ میں سر ہلایا آنسوؤں کی لڑی گال پر بہہ نکلی تھی۔“

”اپنے بھائی!“ پر یقین نہیں پختہ لہجے میں علیزہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔“

”لیکن بھائی!“ ہولے ہولے علیزہ کا پورا وجود لرز رہا تھا۔“

”علیزہ! چلو!“ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں! کہ آخر یہ عورت کیا کر سکتی ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے اترتے ہوئے اذہان کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا۔“

”نہیں بھائی!“ مجھے نہیں کرنا اس کا سامنا ”وہ مجھے بھی...!“ اٹکتے کہتی اذہان کے بازو سے لپٹ کر بری طرح روتے ہوئے کانپ رہی تھی، اذہان اس ایک بھی سننے بغیر نائمہ کے سامنے سے اس لے کر گھر میں داخل ہو گیا تھا وہ بس اس لیجاتے ہوئے دیکھ کر سلگ کر رہ گئی تھی جانتی اب وہ کچھ نہیں کر سکتی۔“

”علیزہ!“ علیزہ...!!“ کچھ نہیں ہوا آنکھیں کھول کر دیکھوں تم گھر کے اندر ہو! میرے ہوتے ہوئے وہ تمہیں چھو بھی نہیں سکتی۔ علیزہ! آنکھیں کھولو! کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے پکارا تھا۔ جو آنکھیں بند کیے بری طرح لرز رہی تھی۔“

”آہستہ...!“ سے اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھا تو اس کا بھائی اس کے سامنے ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑا تھا ”جو اس زمانے کے سرد گرم سے بچانے کے لیے ہمیشہ اس کے سامنے کسی ڈھال کی مانند کھڑا تھا۔“

"بھائی.....!!!" نم لہجے میں کہتی ہوئی اس کے سینے سے لگی تھی، ایک ہاتھ سے اسے اپنے
حسار میں لیتے دوسرے ہاتھ سے اس کے بال سہلائے تھے۔"
جاری.....

ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم- طیبہ

Episode 16

"علیزہ! علیزہ!..." کچھ نہیں ہوا آنکھیں کھول کر دیکھوں تم گھر کے اندر ہو! میرے ہوتے
ہوئے وہ تمہیں چھو بھی نہیں سکتی۔ علیزہ! آنکھیں کھولو! کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے پکارا
تھا۔ جو آنکھیں بند کیے بری طرح لرز رہی تھی۔"

”آہستہ...!“ سے اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھا تو اس کا بھائی اس کے سامنے ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑا تھا ”جو اس زمانے کے سرد گرم سے بچانے کے لیے ہمیشہ اس کے سامنے کسی ڈھال کی مانند کھڑا تھا۔“

”بھائی.....!!!“ نم لہجے میں کہتی ہوئی اس کے سینے سے لگی تھی، ایک ہاتھ سے اسے اپنے حصار میں لیتے دوسرے ہاتھ سے اس کے بال سہلائے تھے۔“

”علیٰزہ! میری جان! تم اس سے جتنا ڈرو گی! وہ تمہیں اتنا ڈرائے گی، ایک بار ہمت کر کے تم اپنے اس ڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو جاؤ! تم خود جان جاؤ گی، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس سے خود سے الگ کرتے ہوئے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ فوراً سے نفی میں سر ہلاتی دوبار اس کے سینے سے لگی تھی۔“

”نہیں مجھ میں ہمت نہیں!“ پلیز بھائی! آپ مجھے یہ کرنے کے لیے نہ کہے میں جب بھی اس عورت کو دیکھتی ہوں! وہ بھیانک رات میری آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی چلنے لگتی ہے، جس

رات نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا! میرا گھر "میرے" ماں باپ "میرا معصوم بچپن!
رندھی ہوئی آواز میں اٹک اٹک کر بولتی اذہان کو بھی بہت کچھ یاد دلا گئی تھی۔"

"اچھا! اچھا! تم زیادہ نہیں سوچو! تمہارا بھائی! ہے نا" سب دیکھ لے گا" تمہیں فکر کرنے کی
ضرورت نہیں۔ خود پر ضبط کرتے ہوئے نرمی سے سمجھایا تھا وہ جانتا تھا زیادہ اس بارے میں
سوچنے سے پینک اٹیک ہو سکتا ہے۔"

"اچھا اب رونا بند، اب ایک اور آنسوں بھی نہیں نکلنا چاہئے، جانتی ہونا" یہ موتی کتنے انمول
ہیں میرے لیے۔ انسو صاف کرتے ہوئے مصنوعی خفگی سے کہتے ہوئے ناک کھنچا تھا۔"

"اب تم اندر جاؤ! میں آتا ہوں! میرے واپس آنے تک تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ہونی
چاہئے، ناک کے یہ ڈر و خوف۔ تاکید کرتے ہوئے تنبی کی تھی۔ جس پر وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔"



”آج تو بہت تھک گئی، بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے عنایہ! نے کہا جو ابھی سارے کام نمٹا کر کمرے آئی تھی۔“

”میری یہ حالت دیکھ کر کون کہہ گا! ہفتے دس دن میری شادی ہے، عنایہ! شاپنگ کے علاوہ اپنا بھی تھوڑا خیال رکھنا چاہئے، صرف برینڈڈ کپڑے لینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے متفکر نہ انداز خود کلامی کرتے ہوئے بیڈ سے اٹھنے لگی تھی۔“

”جو بھی کرنا ہے، کل سے کرو گی، آج میں بہت تھک گئی ہوں۔ واپس بیٹھتے ہوئے آج کا کام کل پر ڈال کر لیٹ گئی تھی۔“

”ٹینگ..... ٹونگ.....!!“ اس پہلے کے آنکھیں بند کرتی چنگھڑتے ہوئے فون نے اپنی طرف متوجہ کیا۔“

”مجھے نہیں کرنی بات! منہ بسورتے ہوئے دیکھے بغیر کال کاٹ کر کروٹ بدل لی تھی۔ جانتی تھی دوبار کال ضرور آئے گی۔“

”ایک بار پھر سے موبائل کی آواز پر عنایہ کے لب مسکرائے تھے اور دیکھیں بغیر ہی کال اوکے کرتے موبائل کان سے لگایا۔“

”آگئی۔!!“ ”میری یاد!!“ ”آگئی پر زور دیتے ہوئے چبا کر کہا۔“

”تم ہی نہیں کرتی یاد ہم تو بے تاب رہتے ہیں یاد کرنے کے لیے، جانے من! کمنگی کہتے ہوئے دوسری جانب عنایہ کو ساکت کر گیا تھا۔“

”تم نہیں جانتی! ہر وقت میرے خیالوں میں تم ہی تم رہتی ہو جانے“!!.....

”جسٹ شٹ اپ!! اگر ایک اور بار تم نے مجھے اس طرح بلایا تو میں گدی سے تمہاری زبان کھینچ لوں گی! مجھے کمزور سمجھنے کی کوشش مت کرنا تم شاید بھول رہے ہو! تمہارے گھر میں بھی ایک عدد بہن موجود ہے، اور تم جو کر رہے ہو ایک قرض ہے جو ہر قیمت پر تمہیں چکانا پڑے گا۔ اس پہلے کے وہ کمنگی کی حد پار کرتا مضبوط لہجے میں اسے باور کرتے ہوئے یاد ہانی کروائی تھی جس پر دوسری طرف قہقہہ گونجا تھا جیسے اس کی بات کا مذاق اوڑایا ہو۔“

”تمھاری یہی ادا تو پسند ہے، کے تم کسی سے ڈرتی نہیں! میرے جیسے شیر کے ساتھ تم جیسی شیرنی ہی جچتی ہے! تو پھر کیوں اس گیدڑ کو ہمارے بیچ لا کر اس کی زندگی مشکل میں ڈال رہی ہو! دوسری جانب بنوزے ڈھٹائی برقرار تھی۔“

”بالکل صحیح کہا میں شیرنی ہو! اور شیر کے ساتھ ہی جچتی ہو! لیکن یہ تمھارا مغالطہ ہے، کہ تم ایک شیر ہو! کیونکہ شیر و کو اس طرح آدھی رات کو کال کر کے دھمکیاں دینا شیر کا شیوا نہیں گیدڑ کا شیوا ہے، میرے شیر کو دیکھنا جب وہ سب کے سامنے بارات لے کر آئے گا اور پورے حق کے ساتھ سب کے سامنے مجھے اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔ ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے اس اس کے انداز میں مان تھا۔

”ویسے بھی تم میں تمھیں کیوں بتا رہی ہوں! تمھاری اتنی اوقت نہیں کے تم سے بات کر کہ میں اپنی انرجی اور ٹائم ویسٹ کروں، ویسے بھی میرے شیر کی کال آنے والی ہوگی! اوکے بائے، ناگوار سے کہتے ہوئے آخر میں شرارت بتا کال کٹ کرنے لگی تھی۔ عنایہ کی باتیں سن کر آگ بگولہ ہوئی گیا تھا۔

”نہ... نہ...! میری جان....!! کال کاٹنے کی غلطی ہر گز مت کرنا“ اگر! ”تم نے ایسا کیا تو میں تمہارے کمرے میں آکر تم سے بات بات کروں گا“ اور تمہیں میری بات سننی بھی پڑے گی، اور پھر میں جو تمہارے ساتھ کروں گا“ وہ بھی سہنے پڑے گا۔ سرد گھمبیر لہجے میں دھمکا یا جس کا عنایہ پر اچھا خاصا سر ہوا تھا وہ جتنی بھی بہادر بن جائے تھی تو آخر لڑکی۔“

”ابھی بھی وقت ہے! انکار کر دو باقی سب میں سنبھالو گا تمہیں کوئی بھی کچھ نہیں کہے گا“ لیکن اگر تم نے انکار نہ کیا، ہونا تو پھر بھی تمہیں میرا ہی ہے، لیکن وہ میرے طریقے سے ہوگی، جو تمہیں بالکل پسند نہیں آئے گا! اور خواہ مخواہ کوئی اپنی جان سے بھی جائے گا۔ اسی انداز میں مزید بولا تو عنایہ نے چپ سادلی۔“

”تو پھر کیا سوچا تم نے کب کروگی انکار۔ گھمبیر تا سے سوال کرتے انداز حاکمانہ تھا۔“

”تمہیں!“ جو کرنا ہے، کر لو“ اگر تم اس دنیا کے آخری مرد بھی ہو گے، میں پھر بھی تمہیں! کبھی اپنی زندگی میں شامل نہیں کروگی، آئی سمجھ! یہ دھمکیاں جا کر کسی اور کو دینا: مجھ پر تمہاری

دھمکیاں اثر نہیں کرنے والی۔ تند و تیز لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا جسے سن کر اس کے چہرے پر کمنگی سی پھیل گئی۔

”یہی، امید تھی، مجھ تم سے میری شیرنی!“ لیکن جب پہلے دن کی دلہن کا شوہر اسے دیکھیں بغیر ہی مر جائے گا اور وہ سہاگن کہلانے کے بجائے بیوا کہلائے گی، پورے خاندان میں تم منحوس قرار دیدی جاؤ گی، کوئی تمہیں اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوگا“ پھر میں آؤ گا“ تمہارا اصل ہیرو! اور پھر مجبوراً تمہیں میرا ہونا ہی پڑے گا“ تو بہتر نہیں تم پہلے ہی میری بن جاؤ“ اس عباس میں ایسا کیا ہے جو مجھ میں نہیں“ انے والے وقت کا ہاتھ کھینچتے ہوئے اس ڈرانے کی کوشش کی تھی۔

”یہی کہنا تھا یا“ کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو۔ عام سے انداز طنز آ پوچھا۔

”تم مذاق سمجھ رہی ہو سب۔ اس کے اندر پر وہ مشتعل ہوا تھا۔“

نہیں تم جیسے گھٹیا انسان سے کوئی بید نہیں! کب ڈس لے۔ اسی کے اندز میں جواب دیتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔"

"جانے من" کتنی اچھی طرح سے جاننے لگی ہو۔ کمنگی سے کہتے ہوئے ایک شاطرانہ مسکراہٹ چہرے پر در آئی تھی۔"

"مجھے کچھ کرنا ہوگا" اگر میں خاموش رہی تو اس کی ہمت بڑھ جائے گی، خود کلامی کرتے ہوئے جلدی سے کسی کا نمبر ڈائل کرتے کان سے لگاتے ہوئے بیڈ سے نیچے اتر کر پاؤں میں چپل اڑیستے ہوئے بالکونی میں آگئی تھی۔ اب نیند کہا آنے والی تھی۔"



"رات کے سائے گہرے ہو کر ایک تہائی رات گزر چکی تھی۔"

"نیند آنکھوں سے کو سودور کھو گئی تھی، سوچو کا مہر وہی شخص تھا جو بنا کچھ کہے بھی بہت کچھ کہہ گیا۔"

”کیا میں تمہیں چھو کر دیکھ سکتا ہوں! اس کے عقیدت سے کہے الفاظ اس کے ذہن میں بار بار گونج رہے تھے۔“

”میں کسی غلط ارادے کے تحت نہیں کہہ رہا ہوں۔ ایک بار پھر اس کے لفظوں کی گونج نے اسے بیچن کیا تھا۔“

”لوگو! کو گلتا ہے ک وہ بہت سخت ہیں، پر مجھے لگتا ہے، کے وہ بالکل ناریل کی طرح ہے، اوپر سے سخت اندر سے نرم۔ اب کی بار علیزہ کے کہے الفاظ یاد آئیں مضطرب سی اٹھ بیٹھی تھی۔“

”کیوں ہونے لگے ہو تم میری سوچو پر سوار...!!“ کیوں!!“ میں نہیں کرنا چاہتی تمہیں یاد...!“ میری ”بے رنگ“ بے مقصد ”زندگی میں کسی کی“ گنجائش ”نہیں! کسی کی نہیں...!!“ اپنے بالوں میں انگلیا پھنساتے بیڈ کراؤن کے ساتھ سر ٹیکا یا تھا کرب سے آنکھیں میچ لی تھی۔“

”میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں!!“ میری محبت مسئلہ ہے، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں!“ اس کے اس جملے کتنا کچھ تھا جو وہ کہنا چاہتا تھا۔“

”انہیں ہی سوچو میں فجر کی آذان کی آواز بلند ہوئی تھی آذان کی بول سنتے ہی عمامہ کی آنکھوں سے آنسوؤں روا ہوئے تھیں! کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا“ وہ تو پہلے ہی اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

پراذان کی بولتی آنکھیں زندگی کی طرف بلا رہی تھی، اس سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کا کہہ رہی تھی، اس کہہ رہی تھی کہ اگر تم نے ایسا کچھ کیا تو کوئی اور بھی ہے جو اس کے ساتھ اپنی زندگی ختم کر لے گا۔“

”بنا کچھ کہے کہے ہاتھ اٹھائے روتی رہی۔“



”چڑیوں کی چھٹاٹ کے ساتھ ایک نئی صبح کا آغاز ہوا تھا زندگی اپنے معمول کے کی ڈگری چل رہی تھی۔“

”اذہان! علیزہ! لاؤنچ میں بیٹھے کسی بات پر بحث کر رہے تھیں! علیزہ! ڈبل صوفے پر بیٹھی جبکہ اذہان قریب رکھے سنگل صوفے پر آگے ہو کر بیٹھا علیزہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا۔“

”بھائی! یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، لوگ کیا سوچیں گیں! ایسا کیا ہو گیا ہم اچانک سے شادی کی جلدی کر رہے ہیں۔ لوگ تو میرے ہی کردار پر سوال اٹھائیں گیں۔ علیزہ نے متفکرانہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔“

”کسی میں اتنی ہمت نہیں کے میری بہن کے کردار پر انگلی اٹھائے! میری بات ہو گئی ہے، ساحل! اور اس کی والد سے انھیں کوئی اعتراض نہیں۔ تحمل سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”لیکن بھائی!....!“ یہ غلط ہے۔ علیزہ نے احتجاج کرنا چاہا۔“

"میں جانتا ہوں! یہ غلط ہے! میری بہن کے اپنی شادی کو لے بہت سے خواب ہونگے! لیکن کبھی کبھی کچھ بڑا حاصل کرنے کی خاطر چھوٹی چھوٹی خوشیاں قربان کرنی پڑتی ہیں۔ مستحکم انداز میں سمجھایا تھا۔"

"ٹھیک ہے بھائی! جیسے آپ کی مرضی آج بھی کرنی ہے، دو ہفتے بعد بھی کرنی جب ساحل! کو کوئی اعتراض نہیں تو پھر مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اپنے بھائی کی آنکھوں میں رنجیدگی دیکھ کر فوراً سے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ جس پر اذہان کے چہرے پر سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔"

"مجھے اپنی بہن سے اسی طرح کی سمجھ داری کی توقع تھی۔ علیزہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔"

"بھائی! کیا میں عنایہ! اور اس کی فیملی کو انوائٹ کر سکتی ہوں۔ علیزہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔ عنایہ کی کاڈ کر سنتے ہی اذہان کے زہن میں عمامہ کا عکس لہرایا تھا۔"

”ہمم....!!!“ اذہان نے اثبات میں سر ہلایا تو علیزہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور وہ فوراً سے اپنے بھائی کے سینے سے لگی تھی۔“

”تھنک یو بھائی! اس الگ ہوتے ہوئے چہک کر کہا تھا۔“ علیزہ کی خوش دیکھ کر وہ بھی مطمئن ہوا“

بھائی! یہ لیں! میں نے نمبر ملا دیا ہے، آپ انکل سے بات کریں۔ ٹیبیل سے فون اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔“

”میں...!!!“ متعجب ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔“

”اور نہیں! تو کیا میں! آپ شاید بھول رہے ہیں! میں دلہن ہوں! اور ایک دلہن اپنی ہی شادی کا انویٹیشن دیتی کیسی لگے گی۔ نظریں جھکا کر بتاتے آخر میں شرارت سے تائید چاہی تھی جس پر وہ محض مسکرا کر رہ گیا تھا۔“

”ہیلو!“ دوسری جانب سے کال رسیو ہو گئی تھی۔“

”اسلام علیکم“ انکل! کیسے ہیں آپ؟ مہذب انداز میں سلام کرتے ہوئے بات شروع کی تھی۔“

”وعلیکم اسلام“ جی بیٹا! اللہ کا شکر آپ سنائیں! اتنی صبح صبح یاد کیا سب خیریت ہے نا!“ سلام کا جواب دیتے ہوئے کال کرنے کی وجہ جانی چاہی، وہ وقفے ہی اتنی صبح اذہان کی کال آنے پر تشویش ہوئی تھی۔

”جی انکل!“ میں نے آپ سب کو انوائٹ کرنے کے لیے کال کی ہیں، کچھ پر سنل پرو بلم کی وجہ سے علیزہ! کا آج نکاح کر رہا ہوں، تو آپ سب نے آنا ہے۔ تھوڑی وضاحت کے ساتھ کال کرنے کی وجہ بیان کی تھی چاہ کر بھی عمامہ کا نام نہیں لے پایا تھا۔“

”ان شاء اللہ بیٹا!“ ہم ضرور آئیں گیں! یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، علیزہ!“ ہماری بھی بیٹی ہے، اگر ہمارے لائق کوئی کام ہو تو ضرور بتانا۔ رسان سے کہتے ہوئے تاکید کی تھی۔“

”انکل آنٹی سے بات کروائے مجھے انھیں کچھ کہنا ہے، اذہان کے ہاتھ سے فون لے کر سلام کرنے کے بعد کہا تھا۔“

”جی بیٹا!“ ابھی کرواتا ہوں ”متانت سے کہتے ہوئے ایاز صاحب نے شہلا کو فون دیا تھا۔

”اسلام علیکم“ بیٹا! بہت بہت مبارک ہو شادی کی پر مسرت انداز سلام کرتے ہوئے مبارک باد دی تھی۔“

”وعلیکم اسلام“ آنٹی!“ مبارک باد میں میں ایک شرط پر لوں گی۔ سلام کا جواب دینے کے بعد شرط رکھنے پر اذہان متعجب نظروں سے اپنی بہن کو دیکھا تھا۔“

”کیسی شرط!“ شہلا کو تشویش ہوئی پاس کھڑی عنایہ جو ابھی ابھی آئی تھی اور علیزہ کے نکاح کا سن کر حیران ہوئی علیزہ کی بات سن کر اس بھی تجسس ہوا۔

”اگر میں آپ سے کچھ مانگو تو کیا آپ مجھے دیں گی۔ علیزہ نے جواب دینے کے بجائے اور تجسس پھیلا یا تھا۔

”علیزہ! اگر تمہیں کچھ چاہئے تو مجھے بتاؤ آنٹی! کو کیوں پریشان کر رہی ہوں۔ شہلا بیگم کے کچھ کہنے سے پہلے اذہان دھمی آواز میں بولا تھا۔“

”نہیں بھائی! مجھے آنٹی سے ہی چاہئے۔ علیزہ نے اصرار کیا۔“

”جی بیٹا بولو! کیا چاہئے؟ شہلا بیگم مستحکم انداز میں بولی۔“

”عمائمہ آپ! چاہئے مجھے۔ علیزہ کی بات سن شہلا بیگم تو متعجب ہوئی ہی تھی۔ اپنے دل کی بات علیزہ کے منہ سے سن کر اذہان بھی ششدرہ گیا تھا۔“

جاری..... ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم- طیبہ

Episode 17

”تم!“ علیزہ! کی شادی نہیں کروا سکتے، اس کی شادی وہی ہوگی، جہاں میں چاہوں گی۔ جل پیر کی بلی بنی کمرے میں ادھر ادھر ٹہل کر اپنا تنفس بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔“

”جب سے پتا چلا تھا کہ علیزہ کی شادی ہو رہی ہے، اسے اپنے بر سو پرانی ڈیل خطرے پڑتی نظر آرہی تھی۔

”میں اپنا نقصان ایک لمحے کے لیے بھول بھی جاؤں! تو اپنی بے عزتی ہر گز نہیں بھول سکتی! حامد شاہ! کبھی نہیں...!!“ تمہارے کیے کی سزا تمہاری بیٹی کو بھگتنی پڑے گی۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سلگتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔“

”تمہاری بیٹی! کا وہ حال کرو گی کوئی بھی عزت دار شخص اس کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرے گا! کسی کو منہ دیکھانے کے قابل نہیں چھوڑو گی تمہاری بیٹی کو حامد شاہ...!!“ نفرت آمیز لہجے میں کسی کو مخاطب کرتے ہوئے جبرے مینچ گئی تھی۔“

» تمہارا بیٹا! ”خود کو بڑا کور ستم خان!“ سمجھتا ہے، اس کی ناک کے نیچے سے علیزہ! کو نکال لاؤ گی، اور اس سے پتا بھی نہیں چلے گا پھر کرتار ہے شادی! ایک بار وہ ہو جائے جو میں چاہتی ہوں! صرف ایک بار حامد شاہ!!“ تمہاری بیٹی کی عزت کو خاک میں ملا دوں! اس کے بعد تمہارا بیٹا جو

کرنا چاہے "کر لے" مجھے فرق نہیں پڑتا۔ زہر خوند لہجے میں سوچتے ہوئے چہرے پر کمنگی سی پھیل گئی تھی۔"

"دروازے پر ہوتی دستک نے نائمہ کی سوچو کا تسلسل ٹوٹا تھا۔"

"آ جاؤ!!...."

"نوب گھوما کر ایک درمیانی عمر کا قد آور شخص دروازے کو دھکیلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔"

"کیا خبر لائے ہو!" نائمہ کی سرد لہجے میں پوچھا۔

"جو شادی دو ہفتے بعد ہونی تھی، اذہان شاہ! کے کہنے پر وہ شادی آج شام کو ہی ہو رہی ہے، ذاتی وجوہات کا کہہ کر گھر میں ہی چھوٹی سی تقریب کر رہا ہے! جس میں کچھ قریبی جاننے والے اور دوست احباب شامل ہونگے سر جھکائے کھڑے شخص نے ساری تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔"

”مممم! تو مطلب وہ اپنی بہن کو بچانے کی آخر کو شش کر رہا ہے، تو پھر ٹھیک ہے، تم بھی اپنے آدمی وہاں بھیجو مجھے وہ لڑکی ہر قیمت پر چاہئے۔ پر سوچ انداز میں کہتے ہوئے حکم دیا تھا۔ جس پر وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے واپس چلا گیا تھا۔“

”اب آئے گا“ مزہ! جب شادی سے پہلے دلہن غائب ہوگی، تو پھر دیتے رہنا تم لوگو کے سوالوں کے جواب۔ شاطرانہ انداز میں کہتے ہوئے فون میں کسی کا نمبر ڈائل کیا۔“



”کیا“! ...“

”لیکن! میں وہاں جا کر کیا کروں گی۔ عمامہ اپنی ماں کی بات سن کر حیران ہوئی تھی۔“

”یہی! تو میں نے بھی اس سے کہا، پر اس بچی کی ضد کے سامنے مجھے ہی جھکنا پڑا..“ ویسے کوئی اتنی بڑی تقریب نہیں ہے بس گھر گھر کے ہی لوگ ہونگے۔ متانت سے بتاتے ہوئے اس کے پاس بیٹھی تھی۔“

”لیکن! پھر بھی امی جی! عمامہ روہانسی ہوئی علیزہ کے گھر جانے کا سوچ کر ہی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔“

”کیا آپ! “ویسے تو امی جی! “آپ کہی لے کر نہیں جاتی، آج جب خود سے کہہ رہی ہیں، تو آپ کے نخرے ختم نہیں ہو رہے۔ عمامہ کے نہ جانے کی ضد پر عنایہ برہم ہوئی تھی۔“

”امی جی! “آپ جائیں!“ میں دیکھتی ہوں کیسے نہیں چلتی! کمر پر ہاتھ رکھ کر شہلا کو کہتے ہوئے عمامہ کو دیکھا تھا۔“

”میرے پاس کپڑے نہیں ہے، شادی میں پہنے کے لیے۔ عمامہ نے جلدی سے ایک اور جواز پیش کیا تھا۔“

”کیوں! کل جو ہم کپڑے لائے، وہ کپڑے نہیں ہیں۔ عنایہ نے فوراً حل بتایا تھا۔“

”وہ بہت ہیوی ڈیرس ہے، اور تم جانتی ہو میں۔ ایک وجہ دینے لگی تھی کہ عنایہ بول پڑی۔“

”آپی! شادی بیاہ میں ایسے ہی ڈریسز پہنے جاتے ہیں، آپ نے وقت سے پہلے خود کو بوڑھا سمجھ لیا ہے۔ وارڈ راب سے وہی فیروز کی مکی نکالتے ہوئے کہا۔“

”لیکن! بیٹا!“ عمامہ! ”صحیح کہہ رہی ہے، وہ اتنا ہیوی ڈریس کیسے سنبھالے گی۔ شہلا بیگم نے عمامہ کی ہامیت کرتے ہوئے کہا۔“

”امی جی!“ آپ نے نا” یہ سب کہہ ”کہہ ”کر آپی! کو بوڑھا کر دیا ہے، علیزہ! نے مجھے کہا ہے، آپ کے لیے اس ڈریس کا، اگر! آپ دونو کو اعتراض ہے، تو میں علیزہ! کو کال کرتی ہوں، مکی کو ہینڈ کیری میں رکھتے ہوئے کہا۔ تو شہلا بیگم نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہو گئی۔“

”بی بی جی!“ گاڑی آگئی ہے۔ رضیہ نے آکر اطلاع دی تھی۔“

”میں نے کہا بھی تھا“ ہم آجائیں گیں! پھر بھی بھیج دی، اچھا“ اب تم دونو جلدی کرو! میں شام کو تمہارے ابو! کے ساتھ ہی آؤ گی۔ ”شہلا بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔“

”امی جی! تو پھر میں بھی!“..

”آپی بس بھی کریں! کتنے نخرے کریں گی، وہیل چیئر کو دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی تھی عمامہ کا دل زور زور دھڑکا رہا تھا اس شخص کا سامنا کرنے کے ڈر سے۔“



”گاڑی مین گیٹ سے اندر داخل کر کشادہ رہداری سے ہوتی ہوئی، جس کے ایک طرف سیومننگ پول اور دوسری جانب وسیع لان تھا جسے سجانے کے لیے بہت سے لوگ کام کر رہے تھے، ایک جانب اذہان کالے رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں ڈائری میں کچھ نوٹ کرنے کے ساتھ ”ساتھ“ ہدایت بھی دے رہا تھا ”گاڑی پورچ میں رکی تھی، پر عمامہ! کی نظریں اب اس شخص پر ٹکی ہوئی تھی۔ اذہان اب بھی بظاہر اپنے کام مصروف تھا۔“

”اسلام علیکم“ آپی! میں آپ کو بتا نہیں سکتی آپ کے آنے کی مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے۔ گاڑی کا دروازہ کھولا کر علیزہ عمامہ کے گلے لگتے ہوئے بولی اس کی خوشی اس کے چہرے سے نظر آرہی تھی۔“

”تم بہت ضدی ہو!“ عمامہ نروٹھے پن سے بولی۔“

”آپ سے ملنے کے بعد ہی ہوئی ہوں، اور صرف آپ کو لے کر ہی ہوں۔ شوخ لہجے کہتے ہوئے اس کے گال چوم لیا تھا۔

”بس! بس!“ سارا پیارا آپ پر نہ لوٹا دو!“ تھوڑا سا حل بھائی! کے لیے بھی بچا کر رکھو! اپنی طرف سے اتر کر گھوم کر آتے ہوئے شوخ لہجے میں چھیڑا تھا۔“

”عنایہ...!!“ بہت بد تمیز ہو گئی ہو، آپ! آپ سمجھاتی نہیں اس کو علیزہ کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھرے تھے۔“

”گارڈ...!“ علیزہ نے آواز دے کر بلایا ”گارڈ نے ڈگی سے وہیل چیئر نکالی۔“

”آئیں! آپ! علیزہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔“

”میں کرتی ہوں! تم سے نہیں ہوگا۔ عنایہ نے آگے آتے ہوئے کہا۔“

”کیوں!“ مجھ سے کیوں نہیں ہوگا“ ابھی دیکھنا۔ علیزہ! نے فوراً سے عنایہ! کو پیچھے کرتے

ہوئے خود ہی عمامہ! کی گاڑی سے نکل کر وہیل چیئر پر بیٹھنے میں مدد کی۔“

”سامنے وسیع سیومننگ پول دیکھ کر عمامہ کی آنکھیں کھلی کھلی رہ گئی تھی، اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لیے جتنی وہ بے تاب ہوتی تھی، آج وہ وہ بے تابی نہیں تھی، آج بس ایک عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی، جو یہاں اکر علیزہ کی اپنایت دیکھ کر کچھ کم ہوئی تھی پر ختم نہیں۔“

”چلیں آپ! علیزہ نے پیچھے آتے ہوئے کہا۔“

”کیا میں یہاں تھوڑی دیر رک سکتی ہوں؟ سیومننگ ایریا کی جانب اشارا کرتے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھا۔“ وہ اس وقت ایسا محسوس کر رہی جیسے بہت دیر ایک ”اندھیرے“ کمرے میں رہنے کے بعد، کمرے سے باہر نکلی تھی، اور کھلی فضا میں سانس لے رہی تھی۔“

”جی کیوں نہیں...!“ علیزہ کہتی ہوئی اس سیومننگ ایریا میں لے آئی۔

کشادہ پول کے ایک طرف بیچ رکھے تھے، دوسری جانب ٹیبل کے اطراف کرسیاں رکھی تھی، ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ ہی لگی تھی کے ملزمہ نے اطلاع دی۔“

”بی بی جی!“ مہندی والی آگئی ہے۔“

”اچھا! تم! اسے میرے کمرے میں بیٹھاؤ میں آتی ہوں۔ ہدایت دیتے ہوئے کہا۔“

”چلیں آپ! اندر چل کر، مہندی لگواتے ہیں۔ علیزہ نے سادہ لہجے میں کہا۔“

”نہیں!“ تم دونو جاؤ! مجھے نہیں لگوانی۔ حسرت بھری نظروں سے اپنی ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے بے تاسر لہجے میں کہا۔“

”وہ کیوں! آپ نے کیوں نہیں لگوانی۔ علیزہ متعجب ہوئی۔“

”علیزہ! تمہاری ضد پر میں آگئی ہو، پلیز! اب مہندی نہیں۔ عمامہ نے منت بھرے لہجے میں کہا تھا۔“

”علیزہ! زبردستی نہیں کرو آپی نہیں لگواتی۔ عنایہ نے کہا تھا۔“

”اچھا ٹھیک ہے پھر! میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو بھیجاؤں، یا“ پھر آپ ہمارے ساتھ اندر چلے گی۔ علیزہ متانت سے کہتے ہوئے پوچھا۔“

”میں یہی رکو گی۔ ارد گرد دیکھ کر کہا۔ عمامہ! کو یہی رکنما مناسب لگا تھا“ کیونکہ کے وہ علیزہ سے ملنے کبھی بھی آسکتا لیکن، اس کے یہاں ہونے کا اس پتا نہیں چلے گا اپنے تائی اس کی نظرو سے بچنے کے لیے یہی بہتر لگا تھا۔“

”اچھا“ میں پھر بوا..!“ کو بھیج دیتی ہوں! وہ آپ کے پاس ر کے گی۔ علیزہ نے بنا کسی حجت کے کہا۔ تو عمامہ نے اثبات میں سر ہلایا۔“



”ان دونوں کے جانے کے بعد عمامہ پول کے ٹھہرے ہوئے پانی پر نظریں مرکوز کئی دل میں ایک عجیب ہی ہلچل مچ ہوئی تھی، دل کے کسی کونے میں اس شخص کو دیکھنے کی خواہش ابھری تھی۔“

”اکا“ دکا“ کوئی لان میں کام کرتا نظر آ جاتا!“ پر وہ شخص تو کہی غائب ہی ہو گیا تھا“ کل تک اس کے گھر میں جو اسے تلاشتہ تھا۔ آج وہ ہی اس کے گھر میں، اس دیکھنے کی خواہش کر رہی تھی قسمت بھی ”کیا“ ”کیا“ کھیل کھیلتی ہے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔“

”بھاؤ.....!!“بھاؤ.....!!“بھاؤ.....!!“

”کتے کے بھونکنے پر بری طرح سے چونک کر ڈر گئی تھی۔ جو کسی اجنبی کو دیکھ کر اس پر بھونک رہا تھا۔“

”ششش! ششش! ششش!“ دور رہو مجھ سے۔ ہاتھ کے اشارے سے اس دورے رہنے کا کہتے اپنی وہیل چیئر آہستہ آہستہ پیچھے کر رہی تھی، اور کتا آگے بڑھ رہا تھا۔“

”شیر.....!!“ کسی کی پکار پر کتا وہی رک گیا تھا ”ڈر کے مارے عمامہ! ابھی بھی بنوزے وہیل چیئر پیچھے کر رہی تھی، اس بات سے انجان کے پیچھے دو سیڑھاں ہیں جس وجہ سے وہ پیچھے نہیں ہو رہی تھی۔“

”بری..!“ بات شیر و بھا بھی! پر کوئی ایسے شاؤٹ کرتا ہے، دیکھوں! اپنی ہونے والی بھا بھی! کوڈر ادا یتم نے۔ آہستہ سے چلتے ہوئے آگے اگر شیر و کے قریب رک کر پنچو کے بل بیٹھ کر شیر و کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گھمبیر شوخ لہجے میں کہتے ہوئے ایک نظر عمامہ پر ڈالی تھی۔

عمائمہ نے نظریں اٹھائی تھی اور اپنے سامنے اس شخص کو دیکھ کر ایک پل کے لیے اس کا ڈر حیرت میں بدل گیا۔

اور اس کے کہے الفاظ پر غور کرتے فوراً سے گھور کر دیکھا تھا جیسے اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہو۔

”آپ آئے ہمارے گھر میں ”خدا“ کی ”قدرت“

کبھی ہم اُن کو تو کبھی اپنے ”گھر“ کو ”دیکھتے“ ہیں۔

عمائمہ کو دیکھتے ہوئے گھمبیر شوخ لہجے میں شیر کہا۔ وہ جھینپ کر رہے گئی تھی۔ آس پاس مدد طلب نظروں سے دیکھ تھا پر کوئی نہیں تھا۔ عمائمہ کی حالت دیکھ کر محض ہوا تھا۔

”گھبرانے کی ضرورت نہیں! یہ اب تمہیں کچھ نہیں کہے گا“ کیوں کہ یہ صرف کسی اجنبی کو دیکھ ہی شاکر کرتا ہے، اب تو تم اس کے لیے اجنبی نہیں رہی کیوں شیر و...!!“ نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے عمائمہ کو بتاتے ہوئے آخر میں شیر و سے تائید چاہی جیسے وہ اس کی

بات سمجھتا ہو۔ اس نے بھی سر ہلایا کر اس کی بھرپور تائید کی تھی۔ عمامہ۔ فوراً سے نظریں پھیر گئی تھی۔"

"یہ بھی تمہارا ہی گھر چاہے، تو گارڈ کو آواز دے، لو! یا" پھر اندر بوا ہے انھیں بلا والو! شرارت سے کہتے تاکید کی تھی ابھی بھی پنچو کے بل بیٹھ کر شیر و کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔"

"مہمم..!!" بامشکل اتنا ہی بول پائی۔"

"اب میں جاؤ!" اذہان نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔"

"اسے بھی ساتھ لیں! جائیں!" اٹکتے ہوئے بولی تو اذہان کے لب مسکرائے تھے۔"

"شیر و!" چلو تمہاری بھابھی! کو تمہارا یہاں رکنا پسند نہیں۔ بھابھی پر زور دیتے بظاہر سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔"

”یہ آپ! ”بھا بھی“ ”بھا بھی“ کسی سے کہہ رہے ہیں۔ اب کی بار بھا بھی کہنے پر وہ مشتعل ہوئی تھی۔“

”تمہیں! یہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی نظر رہا ہے۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا تھا۔“

”آپ کیوں! ایک بے زبان، سے غلط“ ”بیانی“ کر رہے ہیں۔ اب کی بار وہ سنجیدہ تھی۔“

”تمہیں! کس نے کہا میں غلط بیانی کر رہا ہوں! اگر اس کی کبھی کوئی بھا بھی! بننے گی! تو وہ تم ہی ہو گی دوسری صورت میں اس بھی ساری زندگی انتظار ہی کرنا پڑے گا اپنے مالک کی طرح۔ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے عمامہ کے چہرے پر نظریں مرکوز کئی گھمبیرتا سے بول کر عمامہ کو ساکت کر گیا تھا۔“

”اچھا“ چلو یہ باتیں! بعد میں ہوتی رہے گی، میں تمہیں علیزہ! اور عنایہ! کے پاس چھوڑ آتا ہوں! تم بھی مہندی لگوالو۔ خود ہی بات بدل دی تھی۔“

”مجھے، مہندی کی خوشبوؤں پسند نہیں۔ اپ بس جائیں یہاں سے۔ دانستہ طور پر جھوٹ کہتے ہوئے جانے کے لیے کہا تھا۔“

”مجھے تو بہت پسند ہے، میرے لیے بھی نہیں لگاؤ گی۔ اپنی پسند بتاتے ہوئے پوچھا تھا۔ تو عائدہ نے ایسے دیکھا جیسے کہنا چاہتی ہو میں کیوں تمہاری پسند پر لگوؤں۔“

”نہیں“ !!!.....

یک لفظی جواب دیا تھا، وہ جتنا بات ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھی وہ پھر کوئی نا کوئی بات نکلا لیتا تھا۔

”ابھی کر لو مرضی، بعد میں تو میری ہی مانتی پڑے گی عائدہ! کے چہرے پر نظریں مرکوز کئی معنی خیز لہجے میں کہہ کر بنا اس کی سننے وہا سے تیزی سے نکل گیا تھا۔ پیچھے وہ اس محض دیکھ کر رہ گئی تھی۔“



”شام کے سائے ڈھلنے لگے تھے، برقی قمقموں سے سے پورا شاہ ولا جگمگا رہا تھا لان کو پھولوں سے خوبصورتی سے سجایا تھا! ایک طرف بڑی مہارت سے سیٹج کو سرخ گلاب کے پھولوں سے سجایا تھا جو اپنی مثال آپ تھا۔ آہستہ آہستہ مہمان آنے لگے تھے گھر میں کافی رونق ہو گئی۔“

”سفید کاٹن کے سوٹ میں کندھوں پر کالے رنگ کی شال ڈالے نفاست سے تراشی شیو کے ساتھ ماتھے پر بکھرے بال کالی گہری آنکھیں کتنی ہی لڑکیا اس کی ایک نظر کے لیے بے تاب تھی۔ پروہ پورے انمہاک سے اپنے کام میں مصروف تھا۔“

”بھائی گجرے منگوائے تھے ابھی تک آئے نہیں، عنایہ! نے آکر بتایا تھا! جو گہرے نیلے رنگ کے لہنگے کے ساتھ ہم رنگ کڑتی جس پر گولڈن کلر کا نفیس کام ہوا تھا اور گولڈن رنگ کا ہی ڈوپٹہ شانوپر ڈالے لائٹ میک اپ کیے کانوں میں جھوٹے بالوں کو کھلا چھوڑے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔“

میں نے شمسو قاقا کو کہا ہے جیسے ہی آتے ہیں بوا تم لوگو کو لادیں گی، وہ جو سیڑھوں سے اترتے ہوئے کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا عنایہ کو جواب دینے کے بعد آگے بڑھ گیا تھا۔
”آپی! تھنک یو وو!“ میری بات ماننے کے لیے۔ دلہن بنی علیزہ نے عمامہ کے گال کھنچے تھے۔
سرخ جوڑے میں سچی سنوری بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

”بات مت کرو!!“ وہ خفا ہوئی تھی۔ مکسی پہنے کے بعد علیزہ نے میک اپ آرٹسٹ سے کہہ کر اسے بھی تیار کروادیا تھا ”فیروزی رنگ کی پیر کو چھوتی مکسی کے ساتھ لائٹ میک اپ کیے بالو کو کرل کیے آگے کر کے ڈوپٹہ سلیقے سے اوڑھے ہوئے آج وہ کوئی آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی۔“

”اوو ہووو!!“ آپی! آپ غصے میں، اور بھی کیوٹ لگتی ہے، میرا بس چلے تو میں آپ کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ لوں۔

”تور کھ لو! کس نے روکا ہے۔ دروازے پر کھڑے اذہان کی آواز پر دونوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔
جو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے انھیں ہی دیکھ رہا تھا۔“
جاری

”اسلام علیکم“ ڈیئر ریڈرز امید ہے سب خیریت سے ہونگے۔ اب نیکسٹ اپیوڈ آپ سب کے
ر سپونس پر اپلوڈ ہوگی۔ تو پھر اچھا اچھا سپونس دیے تاکہ میں اپسوڈ جلدی سے اپلوڈ
کروں۔“ ناول:- بوند بھر خوشی
از قلم- طیبہ

Episode 18

”اوو ہووو!!“ آپی! آپ غصے میں، اور بھی کیوٹ لگتی ہے، میرا بس چلے تو میں آپ کو ہمیشہ کے
لیے اپنے پاس رکھ لوں!“ ...!

”تور کھ لو! کس نے روکا ہے۔ دروازے پر کھڑے اذہان کی آواز پر دونوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

جو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے انھیں ہی دیکھ رہا تھا۔“

”تور کھ لو!“ اپنی بات دہراتے ہوئے آگے بڑھا علیزہ پوری طرح اپنی کی طرف متوجہ ہوئی تھی

جبکہ عمامہ فوراً سے رخ پھیر گئی تھی۔“

”بہت ہی کوئی ڈھیٹ انسان ہے۔ اذہان کو دیکھے بنا منہ میں بڑبڑائی تھی۔“

بھائی...!!!“ علیزہ فوراً سے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے سینے سے لگی تھی۔

”ماشاء اللہ“ آج تو میری پرنسز سچ میں کسی سلطنت کے شہزادی لگ رہی ہے۔ خود سے الگ

کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر محبت سے پاش لہجے میں کہا۔“

”میری ننھی! سی پری آج اتنی بڑی ہو گئی! کہ اپنے گھر جا رہی ہے۔ بھرائی ہوئی آواز میں اپنی

بہن کو دیکھتے ہوئے بولا تو علیزہ کی آنکھیں ڈبڈبہ گئی تھی۔“

”بھائی! میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤ گی، بچو کی طرح نم لہجے میں کہتے ہوئے دوبارہ سے اذہان کے سینے سے لگی تھی۔“

”پاگل! ایسے نہیں کہتے، آج اگر ”ممی“ بابا“ ہوتے تمہیں بہت سی نصیحتیں کرتے، مگر میں صرف اتنا ہی کہوں گا اپنے گھر میں دل لگانا سا حل کے ماں باپ کی عزت کرنا انھیں ”ساس“ ”سر“ نہیں ”ممی“ بابا“ سمجھنا اور اپنے شوہر کی ہر بات ”مانا“ آج سے وہ بھی تمہارا گھر ہے، کبھی کوئی مشکل آئے تو خود کو اکیلا مت سمجھنا“ تمہارا بھائی ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑا۔ سینے سے لگے ہی اس کے سر پر ہاتھ رکھے نرمی سے وہ باتیں کہی تھی جو ماں اپنی بیٹی سے کہتی۔“

”عمائمہ! کو لگا جسے ”بہن“ بھائی“ کے اس مومنٹ اسے نہیں ہونا چاہئے، وہ باہر جانے لگی تھی، کے اذہان! نے فوراً اسے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے روک لیا تھا، اس غیر متوقع حرکت پر وہ ششدر رہ گئی تھی، اذہان کے ہاتھ کا لمس اپنی کلائی پر محسوس کرتے ہوئے اس کا دل الگ ہی ترنگ میں دھڑکا تھا۔“

”بھائی! ”میرے جانے کے بعد آپ اپنا خیال رکھیں گیں! اور کوئی فضول بات سوچ کر خود کو پریشان نہیں کریں گیں، کھانا وقت پر کھائیں گیں، اور سب سے ضروری بات جلدی سے اپنی اس خوابوں کی شہزادی کو ڈھونڈ کر شادی کریں گیں۔ شو شو کرتی اس سے الگ ہوتی اپنا خیال رکھنے کا کہہ کر ضروری ہدایات دیتے ہوئے آخر میں تاکید کی تھی۔ جس پر اذہان کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی تھی۔“

”میں نے تو تم سے کہا تھا ”تم نے ہی ہاتھ کھڑے کر دیے، اگر تم نے ڈھونڈی ہوتی تو آج تمہاری بھابھی بھی تمہیں رخصت کرتی تمہارے جانے کے بعد میرے انسو صاف کرتی۔ مصنوعی خفگی سے شکوا کیا۔“

”ابھی! ابھی! وقت آس پاس دیکھو کوئی شہزادی مل جاتی ہے، تو میں ابھی بھی تیار ہوں! اب کی بار عمامہ کو شریر نظرو سے دیکھتے ہوئے کہا تو فوراً سے عمامہ نظریں چورالی تھی۔“

”ابھی کہا سے ملے گی۔ علیزہ نے یونہی آس پاس دیکھتے ہوئے کہا پریشانی سے کہا۔“

”دیکھو! دیکھو!“ اس ”پاس“ پاس“ کیا معلوم تمہارے سامنے ہی ہو! تمہیں ہی نظر
نآ رہی ہو! عمامہ کی حالت سے محض ہوتے ہوئے اس تنگ کرنے کے لیے کہا تھا۔ اذہان
کی باتو سے اس دھڑکنے مشتعل ہوئی تھی۔“

”بھائی!“ آپ یہاں ہیں میں آپ کو باہر ڈھونڈ رہی ہوں۔ جلدی چلیں بارات آگئی ہے۔ عنایہ
نے آکر اطلاع دی تھی۔“

”ہم تمہاری بھابھی! بعد میں ڈھونڈیں گے ابھی تمہارے دلہے کا ویکم کر لوں۔ عمامہ کو ایک
نظر دیکھ کر علیزہ سے کہتے ہوئے فوراً اس کے ساتھ ہوا تھا۔“

”اذہان! کے جاتے ہی عمامہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔“



”چند لوگو پر مشتمل بارات کا استقبال بہت ہی شاندار طریقہ سے ہوا تھا۔“

”کالے رنگ کی شیر وانی پہنے جس کے کالر اور بازوؤں پر گولڈن رنگ کا نفیس کام ہوا تھا مہرون رنگ کا کلاسر پر سجائے وہ کی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا“ جس کے ایک طرف (نزہت) ساحل کی ماں اور دوسری جانب (شہریار چودھری) ساحل کے والد بڑی شان سے چلتے ہوئے سیٹج تک آئیں تھے۔ جس کی کے دونو جانب کھڑی لڑکیوں نے پھول برسائے تھے۔“

”اب علیزہ اپنے بھائی! کا ہاتھ تھامے سہج سہج کر چلتی اس پھولو کے راستے پر چلتی ہوئی سیٹج تک آئی تو ساحل نے آگے بڑھ کر ہاتھ آگے بڑھایا“ جس پر علیزہ! نے اپنے بھائی! کی طرف دیکھا جیسے اجازت چاہی ہو تو آنکھوں سے اجازت دی تھی، ساحل کا ہاتھ تھامتے علیزہ کا دل پورے زور شور سے دھڑکا۔“



”اجاب و قبول کے بعد فوٹو شوٹ کا دور چل نکلا مہمان اپنے اپنے ٹیبل پر بیٹھیں باتوں میں مصروف تھے۔“

”سب سے الگ ٹیبل پر اکیلی بیٹھی تھی۔ سب کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی کتنے لوگ کی ترس کھاتی چبھتی نظروں نے اس کا دل چھلنی کیا“ تو کتنوں کی باتیں اس کے دل میں کسی خنجر کی طرح پیوست ہوئی تھی۔“

”آپی! آپی!“ کسی بچے کی پکار پر عمامہ اپنی سوچو کے بھوار سے نکلی تھی۔“

”جی بیٹا کیا ہوا!“ آنکھوں میں آئی نمی پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔“

یہ آپ کے لیے انھوں نے دیے ہیں۔ دو گلاب کے پھولوں کے گجرے ایک طرف اشارہ کر کے بتاتے ہوئے۔ اس جھولی میں رکھ کر بھاگ گیا تھا نظروں نے بچے کی کہی جانب تعاقب کیا تو وہاں اذہان مہمانوں سے بات کرنے میں مصروف تھا اذہان کو دیکھتے ہی دل نے بیٹ مس کی تھی۔“

”کچھ پل یونہی اذہان کو دیکھنے کے بعد وہ گجرے اٹھا کر ٹیبل پر رکھ دیے اور پھر سے سامنے دلہا دلہن کو دیکھنے لگی۔“

”بہت!“ بری بات...!!!“ ایک خوبصورت تھال جس میں رنگ برنگی میٹھائی تھی، گجرو کے ساتھ رکھتے ہوئے گویا ہوا عمامہ نے نظریں اٹھائی تھی۔ اپنے سامنے اذہان کو دیکھتے ہی فوراً سے جھکالی تھی۔“

”پھولوں کو یو! نظر انداز کرنے سے، وہ برامان جاتے ہیں، پھول بہت نازک ہوتے ہیں اپنی بے قدری پر مر جھا جایا کرتے ہیں، اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے مزید گویا ہوا تو یو انجان بنی جسے وہ اس سے نہیں کسی اور سے بات کر رہا ہو۔“

”میں تم! سے بات کر ہوں! عمامہ!“ اس دیکھتے ہوئے یوں پکار تو اپنا نام پہلی بار اس کے منہ سے سن کر عمامہ کو انجانی خوشی ہوئی جسے وہ چھپا گئی تھی۔“

”مجھے گجرو پسند نہیں، آپ پھولو کے مر جھانے کا دکھ کر رہے ہیں، یہاں تو جیتے جاگتے انسان مر جھا جاتے ہیں! اور کسی کو فرق نہیں پڑتا“ سرد لہجے میں گجروں کو دیکھتے ہوئے کہا ”تو اس کی آنکھوں میں اس کے اندر کا درد جھلکا تھا۔“

”تمہیں میں نہیں ”پسند“ نہ مہندی ”پسند“ گجرے بھی نہیں ”پسند“ تو پھر اپنی پسند ”خود ہی بتادو، کیونکہ مجھے تمہاری آنکھوں میں یہ ”ویرانی“ ”مایوسی“ نہیں پسند۔ نرمی سے کہتے ہوئے عمامہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کلائی میں گجرے ایک ایک کر کے دونو کلاہوں میں پہنائے تھے، اور وہ چاہ کر بھی اس رک نہیں پائی، عمامہ! کی نظریں اذہان کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھی دو موتی ٹوٹ کر گال پر پھسل گئیں تھیں۔“

”یہ آنسو اس طرح ضائع کرنے کے لیے نہیں!“ ایک ”ایک“ آنسو! کی قیمت ادا کرنی پڑے گی مجھے!!“ اس لیے سوچ سمجھ ضائع کرو، انھیں! انگلی کے پوروپر چنتے ہوئے گھمبیر لہجے معنی خیزی سے کہا تھا۔“

”میں آپ کے لائق“!!.....

”ششش...!“ تمہیں یہ سب سوچنے کی ضرورت نہیں۔ لوں منہ میٹھا کرو۔ میٹھائی کے تھال سے ایک گلاب جامن اٹھا کر اس کے منہ کے سامنے کرتے ہوئے محبت پاش لہجے میں کہا۔ تو بنا

کچھ کہے اس نے ایک بانٹ لی تھی، نظریں اب بھی اذہان کے چہرے پر مرکوز وہ کسی خواب کی طرح اذہان کی محبت کھوتی چلی جا رہی تھی ارد گرد سے بے نیاز وہ یوں نہیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھوئے رہتے اگر ویٹر بلانے نا آتا۔"

"سر آپ کو وہا کوئی بلا رہا ہے۔ ویٹر کی آواز پر دونو ایک دوسرے کے سحر سے نکلے تھے۔ عمامہ! نے گڑبڑا کے نظریں چورائی تھی۔ جبکہ عمامہ کی اس حرکت پر اس کے لب مسکرائے تھے۔

"اب کسی کی بات دل پر لینے کی ضرورت نہیں، ان پھولوں سے زیادہ مجھے تمہارا امر جھایا ہوا چہرا دیکھ کر دکھ ہوتا ہے، زرا سا جھک کر سر گوشی کرتے ہوئے اٹھ کر ویٹر کے ساتھ چل دیا تھا اس کی بات سن کر عمامہ کے لب بے ساختہ مسکرائے تھے اذہان کے زرا سے احساس اور دو میٹھیں بول نے محبت کا پانی دیا جس سے اس کے دل پر پھونٹی ننھی کونیل نے اس کے دل کی زمین پر اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کی تھی۔"



”رسموں کے بعد وہ وقت بھی آن پہنچا تھا“ جب اپنی بہن کو رخصت کرنا تھا“ اور یہی وہ لمحہ تھا“ جو اذہان کے لیے مشکل ٹھہرایا“ پھر ہر ”ماں“ ”باپ“ کے لیے مشکل ہوتا ہے جب لاڈ و سے پٹی ”بہن“ ”بیٹی“ کا ہاتھ غیر کے ہاتھ میں دے کر رخصت کرنا ہوتا ہے، انھیں انتظار تو ہوتا ہے اس وقت کا پر جب وقت آتا ہے تو اپنے دل کے ٹکڑے کو خود سے الگ کرنا اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔“

”سب کی دعاؤں میں علیزہ کو رخصت کرتے ہوئے سب باہر جانب بڑھ رہے تھے۔“

”بھائی! وعدہ کریں، میرے جانے آپ بالکل اداس نہیں ہونگے۔ اذہان کے سینے سے لگی بھرائی ہوئی آواز میں وعدہ مانگ رہی تھی۔“

”کتنی!! بار ایک ہی وعدہ لوگی! کہاناں“ ایسے کچھ نہیں کرو گا۔ خود پر ضبط کرتے با مشکل اپنی بہن کے آنسو صاف کرتے ہوئے حوصلہ دیا تھا“ یہ دونو ہی تو ایک دوسرے کی دنیا تھی۔“

”اب بس بھی کرو! بھائی! نے اگر نہ بھی رونا“ ہو تو تم یہ سب ”بول“ بول“ کر رولا دوں گی۔
عنا یہ ماحول کو حلکا پھلکا کرنے کے لیے کہا اس کی بھی آنکھیں نم تھی۔“

”ساحل! پلیز! میری بہن کا خیال رکھنا! بہت چھوٹے دل کی مالک ہے، میری پرسنل سسز کا“ اگر
کبھی کوئی غلطی کر دے تو معاف کر دینا۔ اذہان نے علیزہ کا ہاتھ ساحل کے ہاتھ میں دیتے ہوئے
مستحکم انداز میں کہا۔“

”اذہان! آج سے تمہیں علیزہ کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں! آج سے یہ میری
زمہ داری جو میں پورے دل سے نبھاؤں گا“ بھروسہ رکھوں۔ اذہان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر
یقین دلایا تھا جس پر اس سے سکون پہنچا تھا۔“

”دعاؤں!“ کے ساتھ اذہان!“ نے اپنی بہن کو رخصت کر کے اپنے باپ سے کئے وعدے کا
پاس رکھتے ہوئے اپنی زمہ داری احسن طریقے ادا کی تھی، جس کے لیے وہ اللہ پاک کا تہ دل

سے شکر گزار تھا "اذہان کی نظروں نے علیزہ کی گاڑی کا دور تک تعاقب کیا تھا۔ تشکر کے دو آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ گئیں تھیں۔"

”حوصلہ کرو! بیٹا“ اور خدا سے دعا کرو کہ اللہ پاک بیٹی کا نصیب اچھے کریں، کندھا تھکتے ہوئے، ایاز صاحب! نے حوصلہ دیا تھا "اذہان با مشکل مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نظروں نے ارد گرد کسی کو تلاش نہ تھا۔

”اب ہمہیں بھی اجازت دو۔ آدھے سے زیادہ مہمانوں کے جانے کے بعد ایاز صاحب نے اجازت چاہی تھی۔ اس پہلے کے اذہان کچھ کہتا اس کے چنگھڑتے ہوئے فون نے اپنی طرف متوجہ کیا موبائل پر جگمگاتے ہوئے نام دیکھ ایک فاتحانہ مسکراہٹ در آئی۔“

”ایک منٹ انکل میں آیا ایاز صاحب کو انتظار کا کہتا کال اوکے کر کان سے لگاتے ہوئے سائیڈ میں آیا“

”ہاں تو مس نائمہ چودھری..! اوووو! سوری! سوری! مس نائمہ شاہ! کیا کہہ کر گئی تھی، میں یہ کر دوں گی، وہ کر دوں گی، فون کان سے لگائے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے انداز خاصہ جتلاتا تھا۔“

”بہت! بہت! مبارک ہو! بہن کی شادی! آخر کار تم نے اپنا کہا پورا کر دیکھایا،“ اللہ پاک تم جیسے بھائی ہر بہن کو دے لیکن.....!!“ اذہان باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے استخرزیہ انداز میں طنز کرتے ہوئے آخر میں بات ادھوری چھوڑی تھی۔“

”لیکن کیا.....!!!!“ وہ کھٹکا۔

”لیکن تم جیسا“ چاہنے والا کسی کو نہ دے، نائمہ کی اگلی بات اس پر بجلی بن کر گری تھی، اذہان فوراً سے اندر کی جانب کسی انہونی کے احساس کے تحت بھاگا تھا۔“

”عمائمہ.....!!“ عمائمہ.....!!“ فوراً سے عمائمہ کی ٹیبل کی طرف آیا اور اس ٹیبل کی ابتر حالت دیکھ کر بہت کچھ سمجھ اگیا تھا ”غصے اس کی رگیں تن گئی تھی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا

”بوا.....!!!“ شمسو قاتا.....!!!“ اکرم.....!!!“ غصے سے دھاڑتے ہوئے آواز دی
تو وہ کسی جن کی طرح حاضر ہوئے تھیں۔“

”اذہان! کو یک دم اس طرح پریشانی میں عمامہ! کا نام پکارنے پر شہلا! ایاز! عنایہ! بھی اس
کے پیچھے آئیں تھیں۔“

”ایک بار پھر کال نے پر فوراً سے اوکے کرتے کان سے لگایا۔“

”اگر اس سے ایک کھروچ بھی آئی نا“ تو جو آج تک تمہارا عورت ہونے کا لحاظ کر رہا تھا“ وہ بھی
بھول جاؤ گا۔ کال اوکے کرتے ایک ایک لفظ چبا کر کا کہتے جبرے بیچ گئے غصے کی زیادتی کے
سبب آنکھیں خون چھلکا رہی تھی۔“

”تم نے میری سنی تھی! جو میں تمہاری سنو گی! لیکن پھر بھی میں تمہیں ایک گھنٹہ دیتی ہوں!
اگر تم ڈھونڈ لی تو تمہاری! ورنہ ملک کی! اب علیزہ نہ سہی عمامہ ہی سہی۔۔۔“ !!!.....

”خبردار...!!“ خبردار...!!“ جو ایک بار اور تم نے اس کا نام لیا ”جان سے مار دو گا میں تمہیں...!!!“ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی دھاڑا تھا اذہان کے غصے کو دیکھتے ہوئے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے سب نے ایک دوسرے کو متعجب نظروں سے دیکھا جسے سمجھنا چاہ رہے ہو۔“

”ہاہاہا“ ہاہاہا“ دوسری طرف کمنگی سے ہنستے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔“

جاری

نیکسٹ اپیسوڈ آپ سب کے رسپونس پر ناول :- بوند بھر خوشی

از قلم - طیبہ

Episode 19

”خبردار...!!!“ جو ایک بار اور تم نے اس کا نام لیا ”جان سے مار دو گا میں تمہیں...!!!“ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی دھاڑا تھا اذہان کے غصے کو دیکھتے ہوئے اس کی بات سمجھنے کی

کوشش کرتے ہوئے سب نے ایک دوسرے کو متعجب نظروں سے دیکھا جسے سمجھنا چاہ رہے ہو۔“

”ہاہاہا“ ہاہاہا“ ہاہاہا“ دوسری طرف کمینگی سے ہنستے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔“

”اکرم....!“ گھر کی سکیورٹی تمھاری زمرے داری تھی، تمھارے ہوتے ہوئے وہ میرے گھر سے میری مح“....“

مہمان کو اٹھا کر لے گئی....!!“ کیسے....!!“ غصے میں دھاڑتے ہوئے دل کی بات زبان پر آتے آتے رکی تھی پر غصے کی شدت میں کمی نہیں آئی تھی۔

”سر!!“ وہ.....!! وہ میں....“ اذہان کے غصے کے ڈر سے اکرم کی زبان لڑکھرائی تھی۔“

”میرے پاس تمھاری آئے! بائے! شائے! سنے کا وقت نہیں، ابھی میں جا رہا ہوں! جب تک میں واپس آؤں! سوچ کر رکھو تم سے کہاں کیا غلطی ہوئی! اور دعا کرنا کہ جس کام کے لیے میں جا رہا ہوں! وہ کر، کر ہی لوٹوں! اگر میں ناکام ہوا یا“ پھر اس سے زرا سا بھی نقصان پہنچا“ تو

پھر میں تم سے کسی قسم کی کوئی صفائی نہیں مانگو گا! شمسو قاتاقا...!!! "گاڑی نکالیں جلدی۔ سرد سپاٹ لہجے میں قہر برساتے آخر میں سنجیدگی سے حکم دیا تھا۔ ایاز صاحب کو کسی انہونی کا خدشہ لاحق ہوا تھا "جس کے چلتے ہوئے وہ آگے بڑھے تھے پوچھنے کے خیال سے۔"

"عنایہ!" کی نظر عمامہ! کی ٹیبل پر پڑی تو وہاں گجرے کے کچھ پھول بکھرے پڑے تھے، تھوڑی دیر پہلے جب عنایہ! اس سے کھانے کا پوچھنے آئی تھی، تو عمامہ! کے ہاتھوں میں گجر دیکھ کر اس خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔"

"کیا ہوا بیٹا" کوئی پریشانی ہے، تو مجھے بتاؤ ہو سکتا ہے میں کوئی مدد کر سکوں۔ اذہان کے قریب آتے ہوئے متانت کہتے ہوئے جاننا چاہا۔ اذہان نے شرمندگی سے نظریں جھکالی تھی کیا کہتا کے آپکی بیٹی کو کسی نے اغوا کر لیا ہے۔

"بھائی! یہ تو آپ! نے گجرے پہنے تھیں، اور اب وہ کہیں نظر بھی نہیں آرہی۔ عنایہ نے ٹوٹا بکھرا گجر اٹھا کر اذہان سے سوال کیا تھا۔"

”کیا! عنایہ!“ تمہیں نظر نہیں آرہا، وہ پہلے ہی پریشان ہے، تم فضول کے سوال کر کے اس اور پریشان کر رہی ہو؟ عمامہ! نے کہا جانا ہے یہی کہی ہوگی۔ عنایہ پر برہم ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ سے وہ ٹوٹا ہوا گجر لے کر پھنکنے لگی تھی کے اذہان نے فوراً سے ہاتھ بڑھا کر وہ گجر پکڑ لیا تھا۔

”آپ پھولوں کے مرجھانے کا دکھ کر رہے ہیں، یہاں تو جیتے جاگتے انسان مرجھا جاتے ہیں، اور کسی کو فرق نہیں پڑتا۔ مرجھائے پھولوں کو دیکھ عمامہ! کی کہی بات یاد آئی تھی۔“

”مجھے فرق پڑتا ہے عمامہ! میں تمہیں کبھی اس پھول کی طرح مرجھانے نہیں دوں گا“ یہ میرا وعدہ ہے خود سے۔ اس پھول کو مٹھی میں بند کرتے ہوئے دل خود عہد کیا تھا۔“

”لیکن امی جی! ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو آپ یہی تھی ایک دم سے کہاں چلی گئی۔ عنایہ متفکر ہوئی تھی۔

”یہی تھی تو“!!!...“

”آئی وہ یہاں نہیں ہے۔ شہلا بیگم! کی بات پوری ہونے سے پہلے اذہان کی آواز گونجی تھی۔

جس پر شہلا بیگم! نے چونک کر دیکھا تھا ایاز صاحب، اور عنایہ، بھی حیران ہوئے تھے۔“

”یہاں نہیں تو کہاں گئی...!!!“ ایاز صاحب کو فکر لاحق ہوئی۔“

”انکل...!“ فلحال تو میں بھی نہیں جانتا کہ وہ اس وقت کہا ہے۔ اذہان بر ملا اعتراف کیا۔“

”تمہاری اس بات کا کیا مطلب ہے اذہان...!!!“ ابھی تو وہ یہی تھی وہ خود سے تو کہیں جا بھی

نہیں سکتی، پہلیاں بھجانہ بند کرو! اور صاف صاف بتاؤ بات کیا ہے۔ اذہان کے سامنے آتے

ہوئے سخت گیر لہجے میں پوچھتے ہوئے زرا سا تلخ ہوئے تھے۔“

”انکل!“ میں بتاؤ گا“ سب بتاؤ گا“ پر ابھی ان سب باتوں کا وقت نہیں ہے، بس اتنا سمجھ لیں!

کے کسی غلط فہمی کی وجہ سے علیزہ! کے مغالط میں عمامہ کو لے گئے ہیں، تھوڑی سی وضاحت

دیتے ہوئے اصل بات چھپا گیا تھا۔ جسے سن کر شہلا وہی ڈھے گی ایاز کے قدم لڑکھڑائے دو نوپر

ہی یہ خبر بجلی بن کر گری تھی عنایہ تو جیسے ساکت رہ گئی تھی۔

”آئی! ”سنجھالیں! خود کو میں عمامہ! کو کچھ نہیں ہونے دوں گا ”میرا وعدہ ہے آپ سے۔ آگے بڑھ کر پنچوں کے بل بیٹھتے ہوئے یقین دلا یا تھا۔

اذہان بیٹا! ”میری بچی! بہت معصوم ہے زمانے کی

”چلاکیاں“ نہیں جانتی، اس سے نہیں پتا کہ یہ دنیا کتنی سفاک ہے، میں نے تو کبھی اس گھر سے نکلنے بھی نہیں دیا ”اسی ڈر سے، اگر اس کے ساتھ کچھ غلط ہوا تو برداشت نہیں کر پائے گی وہ مر جائے گی“ !!!.....

”کچھ نہیں ہونے دوں گا“ میں اس سے، پلیز آئی! ”سنجھالیں خود کو، انکل پیلز!“ آپ سمجھائے آئی! کو۔ شہلا کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اٹل لہجے میں کہتے ہوئے۔ ایاز صاحب! سے مخاطب ہوا جواب تک بے یقینی کے عالم میں ساکت کھڑے تھے، اذہان کی آواز پر خوش کی دنیا میں واپس آئیں تھے۔

”امی جی! اللہ پر بھروسہ رکھیں! آپ! نے کبھی کسی کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا، اللہ پاک آپ! کے ساتھ کچھ نہیں ہونے دیں گے۔ شہلا بیگم کو اٹھاتے ہوئے تسلی دی تھی۔ اندر سے وہ بھی پریشان تھی۔“

”تم! کیسے کہہ سکتے ہو! کے وہ علیزہ! کے مغالطے میں عمامہ! کو لے کر گئے ہیں۔ ایاز صاحب نے سوال اٹھایا تو کچھ پل کے لیے وہ لا جواب ہو گیا۔“

”انکل!“ میں آپ کو سب بتا دوں گا، لیکن ابھی مجھے جانے دیں! عمامہ! کی جان کو خطرہ ہے، اگر میں وقت پر نہیں پہنچا تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اپنی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے عجلت میں بولا۔

”اچھا“ چلو!“ میں بھی ساتھ چلتا ہوں! اس انداز میں ایاز صاحب نے کہا۔“

”نہیں، انکل وہ لوگ خطرناک ہو سکتے ہیں، ہماری وجہ سے پہلے ہی عمامہ! کی زندگی مشکل میں پڑ گئی ہے، اب میں آپ کو کسی مشکل میں نہیں ڈال سکتا“ آپ یہی رکیں، آنٹی! کے پاس

گھر میں کسی کا ہونا "ضروری ہے۔ جلد بازی میں کہتے ہوئے بنا ان کی بات سنے لمبے لمبے ڈاگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔"

"یا اللہ پاک" میری بچی! اور کوئی دکھ نہ دیکھنا۔ شہلا بیگم نے روتے ہوئے دعا کی تھی۔"



"علیزہ!" کا استقبال پر تپاک طریقے سے کیا گیا تھا۔ کچھ رسموں کے بعد ساحل کے ہمرا کمرے میں آئی تھی، جو بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا پھولوں کی مہک پورے کمرے میں ہر سو پھیلی ہوئی تھی، کنڈلز کی مدھم روشنی الگ ہی منظر پیش کر رہی تھی۔

"ساحل! کاہاتھ تھامے گلاب کی پتیوں سے بنے راستے پر سہج سہج کر چلتی بیڈ تک آئی تھی ساحل کی نظریں علیزہ کے سب سے سنورے روپ پر ٹکی جو شرم و حیا سے سرخ قندھاری ہو رہی تھی، بیڈ

پر پھولوں کی چادر بچھی تھی اور بیڈ کراؤن کو بھی نفاست سے سرخ گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا سائیڈ ٹیبلز پر بھی پھولوں کے بکے رکھے تھیں۔"

"کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ علیزہ کو دیکھتے ہوئے بات شروع کی جو کمرے کی سجاوٹ کو ستائشی نظرو سے دیکھ رہی تھی۔"

"ہمم....!" علیزہ چونکی تھی۔"

"میں نے پوچھا کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ علیزہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے اپنی بات دوہرائی۔"

"نہیں....!" پلکے جھکائے مدھم آواز میں کہا جس پر ساحل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کچھ دیر یونہی دونوں کے بیچ پر تکلف خاموشی حائل رہی۔"

"تھک گئی ہوگی! جاؤ جا کر چینج کر لو! ساحل نے سہولت سے کہا۔ تو راہے فرار ملتے ہی فوراً سے ساحل کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھوڑاتے ہوئے آگے بڑھی تھی، کے ساحل نے دوبارہ اس کی

کلائی پکڑ کر جانے سے رک لیا تھا ساحل کی اس حرکت پر علیزہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

”کہوں!“ تو میں ہیلپ کر دوں۔ اس ہاتھ پکڑے اس کے سامنے آتے شوخ لہجے میں پیشکش کی تو تو شرم سے لال ہوتی علیزہ کے چہرے پر حیا کی کے رنگ بھکرے تھے۔“

”تم اتنی ہی کم گو! ہو یا“ پھر یہ آج میری قربت کا اثر ہے۔ اس ہاتھ کو لبو سے چھوتے ہوئے گھمبیر لہجے سرگوشی نماں سوال کیا۔ جس پر اس شرم سے جھکی پلکے اٹھی تھی۔“

”کیا بات کرو! کچھ ہے ہی، نہیں میرے پاس کہنے کو۔ مدھم لہجے میں بتایا تو ساحل کو اپنی بیوی کی معصومت پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔“

”اچھا!“ بولنے کو کچھ نہیں ہے تو ”کم از کم“ نظریں اٹھا کر ایک نظر اپنے دیوانہ کو ہی دیکھ لو! جو تمہیں اپنا بنانے کے لیے اتنی دور سے آیا ہے۔ علیزہ کے کان سے ایر رنگ اتارتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کیا ساحل کا لمس محسوس کرتے ہوئے اس کی روح فنا ہوئی تو فوراً اس کے

سینے سے لگی تھی، علیزہ! کی اس حرکت پر ساحل! کے چہرے پر دل فریب سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔"

"تمہیں پا،" کر زندگی حسیں ہوئی۔"

"تمہیں پا" کر آج میں مکمل ہوئی۔"

"تمہیں پا" کر لگانا غم تھا زندگی۔"

"تمہیں پا،" کر میں یوں مکمل ہوئی۔"

"طیبہ"



"اندھیرے کمرے میں ملجبار روشنی میں کمرے کے وسط میں رکھی کر سی پر بکھری حالت میں بہوش عمامہ! کا سر ایک طرف ڈھلک ہوا تھا تھوڑی دیر پہلے تک جو ڈوپٹہ سر پر تھا اب سرک کر کندھوں پر آگیا تھا۔"

”یک دم لوہے کا دروازہ کھولنے کی آواز نے ارتعاش پیدا کیا جہاں سے ایک ماڈرن سی پختہ عمر کی عورت داخل ہوئی تھی، مغرور نہ چال چلتے ہوئے اس کی جانب آئی تھی۔“

”ہمم....!“ لڑکی تو خوبصورت ہے بلکہ علیزہ سے تو لاکھ بہتر ہے اسکی تو کہی زیادہ قیمت مانگوں گی! ملک سے، پر تم لوگوں نے اس کے ہاتھ پاؤں کیوں نہیں باندھے، ابھی ہوش آئے گا تو ہاتھ پاؤں مار کر بھاگنے کی کوشش کریں۔ گی عمامہ کا منہ دبوچ کر دائے بائے کرتے ہوئے سر سری انداز میں کہہ کر سرزنش کی تھی۔

”میڈم!“ ہوش میں آنے کے بعد بھی یہ صرف شور مچانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔ ساتھ آئے قد آوار شخص نے تجسس پھیلا یا تھا۔ جس پر نائمہ نے اس سے گھور کر دیکھا۔“

”مطلب!“ عمامہ! کے چہرے کو بے دردی سے جھٹکتے ہوئے اس شخص کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔“

”اپناج ہے، اس چاند پر گرہن لگا ہے میڈم...!“ استخرزیہ انداز میں بتایا تھا ”جسے سن کر نائمہ چودھری نے متعجب نظر و مڑ کے عمامہ! کو دیکھ تھا جو دیکھنے سے بالکل بھی ایسی نہیں لگی تھی۔“

”یہ ابھی تک ہوش میں کیوں نہیں آئی! کہیں مر تو نہیں گئی۔ سپاٹ انداز پوچھا۔“

”نہیں میڈم!“ بہت نازک جان لڑکی زرا سی مزحت کی اور بہوش ہو گئی ہمیں تو زیادہ محنت کرنی نہیں پڑی۔ اس نے بتایا تھا۔“

”ملک! پہنچنے والا ہوگا“ اُس کے آتے ہی رقم لے کر ہمیں فوراً سے یہاں سے نکلنا ہوگا“ بعد میں ملک جانے ”اذہان جانے“ لڑکی کیا کرنا ہے۔ آگے کالائجہ عمل بتاتے ہوئے فاتحانہ مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔“

”میڈم آپ نے تو اذہان!“ کو ایک گھنٹے کا وقت دیا“ تھا اگر وہ ملک سے پہلے پہنچ گیا تو۔ ساتھ کھڑے شخص نے خدشہ ظاہر کیا۔

”بے فکر رہو!“ اُس سے جب تک اِس جگہ کا پتا چلے گا ”ہم اِس شہر سے بہت دور جا چکے ہونگے، لاہروائی سے بتایا تھا اتنے میں گاڑی کی آواز پر دونو چوکنا ہوئے تھے۔

”جاؤ!“ جا ”کردیکھوں۔ نائمہ نے حکم دیا تو وہ حکم کی تعمیل کے لیے فوراً سے بھاگا تھا۔“

”تھوڑی ہی دیر میں وہ شخص ایک اور شخص کو اپنے ساتھ لیے واپس آیا تھا دونو کے پیچھے ایک شخص بیگ لیا داخل ہوا تھا۔“

”آئیں!“ آئیں!“ ملک صاحب!“ آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی، نائمہ نے شاطرانہ انداز میں چہرے پر مسکراہٹ سجا کر بولی تھی۔ لٹھے کے سوٹ کے ساتھ واسکٹ پہنے، گہرا گندمی رنگ، گال پر بنامونکا، چہرے سے چھلکتی خباثت، منہ سے ٹپکتی پان کی رال، اپنی بڑھی تووند کے ساتھ چلتے ہوئے اس تک آیا تھا۔“

”تیرے جیسی، عورت! میرا انتظار کرے، یہ تو اپنے لیے بڑے عزاز کی بات ہے۔ پان چبانے کے ساتھ بولنے سے تھوک اوڑ کر باہر نکل رہا تھا۔ جس دیکھ کر نائمہ کو گھن محسوس ہوئی جس چھپا گئی تھی۔“

”یہ تو آپ کا بڑا پن ہے، ورنہ میں کہا اس قابل۔ اپنی ناگوار چھپاتے ہوئے بناوٹی مسکراہٹ سے بولی تو ملک کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔“

”یہ تو سچ کہا....“ ملک نے طنز کیا۔ جس پر وہ محض دیکھ کر رہ گئی تھی۔“

”جس کے لیے بلایا“ اس سے تو دیکھاؤ! ملک بے تاب ہوا تھا۔“

”رقم! لائے ہو! نائمہ فوراً سے پوچھا تھا۔“

”بہت (گالی) عورت ہے۔ ہنستے ہوئے ملک نے اپنے ساتھ آئے آدمی کو اشارہ کیا۔ تو اس نے نوٹوں سے بھرا بیگ آگے کیا جسے نائمہ فوراً سے تھام گئی۔“

”اب تو دیدار کروادے، بہت دن ہوئے کسی حیسنہ کو دیکھے۔ ملک کی بے تابی بڑھی تھی۔“

”آپ کا ٹھکر ”پن ”دن با ”دن ” بڑھتا جا رہا ہے، مکاری سے کہتے ہوئے دو قدم سائیڈ میں ہوئی، تو کرسی پر بے سد پڑی عمامہ پر ملک کی نظر پڑی تھی۔“

”یہ ”حیسنہ ”تو کوئی چاند کا ٹکر ہے۔ آگے بڑھ کر عمامہ کو دیکھتے ہی ملک کی آنکھیں چمکی تھی۔ اور چہرے پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔“

”ہمیں!“ اجازت دیں، ملک صاحب! آپ کو جو چاہیے تھا ”وہ آپ کو مل گیا“ جو مجھے چاہئے تھا ”وہ مجھے۔ نائمہ! ملک کو عمامہ کی خوبصورتی پر فدا ہوتے دیکھ کر کہا تھا۔“

”ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! جاؤ!“ عمامہ کے چہرے کو چھوتے کہا تھا۔“

”اجازت ملتے ہی فوراً سے وہاں“ سے نکلی تھی، جانتی اگر اذہان پہنچ گیا تو پھر وہ اس سے نہیں چھوڑے جو اپنی بہن کی حفاظت کر سکتا جو تو اپنی محبت کے کی خاطر کس حد تک جاسکتا ہے۔“

”کسی کا لمس محسوس کرتے ہوئے عمامہ نے مندھی مندھی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا کر ڈر کے مارے عمامہ! فوراً سے ہوش میں آئی! اس کا ہاتھ جھٹکا تھا وہ جو خباثت سے اس ہی دیکھ رہا تھا عمامہ! کے ہوش میں آنے پر خوش ہوا تھا۔

”کون ہو تم! اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ ہوش میں آتے ہی چلائی تھی۔“

”تمہاری تو آواز بھی تمہاری طرح خوبصورت ہے، جانی! اس کی بات کا جواب دینے بجائے ٹھٹک پن سے بولا۔“

”دور! رہ! کربات کرو! جو بھی بات کرنی ہے، میرے قریب آنے کی کوشش بھی مت کرنا“ عمامہ! نے آگے پیچھے دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں وارن کیا جو اس سے ناگوار گزرا تھا۔

”خوبصورتی! پر نخرے جتے ہے۔ پر یہ نخرے مجھے دیکھانے، کی ضرورت نہیں۔ تم سے دور رہنا کی قیمت ادا نہیں کی۔ اس کے چہرے کو دبوچتے ہوئے جھکنے لگا اس پہلے کے وہ اپنا گھناونا عمل انجام دیتا عمامہ نے اس کے منہ پر تھوکا تھا۔“

”تیری!! اتنی ہمت....!“ ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کرتے ہوئے دھاڑا تھا۔ اتنا زور دار تھپڑ مارا تھا کہ وہ کرسی سمیت نیچے گری اور اس کا ہونٹ پھٹ کر اس سے خون رسنے لگا تھا۔“

جاری.....

”ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم- طیبہ

Episode 20

”خوبصورتی! پر نخرے جتتے ہے۔ پر یہ نخرے مجھے دیکھانے، کی ضرورت نہیں۔ تم سے دور رہنا کی قیمت ادا نہیں کی۔ اس کے چہرے کو دبوچتے ہوئے جھکنے لگا اس پہلے کے وہ اپنا گھناونا عمل انجام دیتا عمامہ نے اس کے منہ پر تھوکا تھا۔“

”تیری!! اتنی ہمت....!“ ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کرتے ہوئے دھاڑا تھا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ وہ کرسی سمیت نیچے گری، سر زمین لگنے سے خون کا پھوار اچھوٹ پڑا اس کا ہونٹ پھٹ کر اس سے خون رسنے لگا تھا۔“

”میں نرمی سے بات کر رہا تھا“ لیکن تو! اس لائق ہی نہیں کہ تجھ نرمی سے بات کی جائے۔ کرسی کو ٹھوکر مار کر اس کے بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے اپنے سامنے کرتے غرایا تھا۔“ عمامہ!“ نے اس سے ڈرے بغیر اسی طرح گھورا تھا ماتھے سے خون کی چند بوندیں بہہ کر چہرے پر پھیل گئی تھی۔“

”اگر تم مجھے مارنا چاہتے ہو!!“ تو مار دو لیکن میں تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی! عمامہ نے بھی اس انداز میں کہا تو اس کے چہرے پر مکروہ ہنسی پھیل گئی تھی۔“

"تمہارا انداز پسند آیا" اپنے کو میں بھی دیکھتا ہوں! تو کیسے رکے گی میرے کو۔ اس کا ڈوپٹہ کھینچنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتا تھا۔ کہ عمامہ نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کیا جس پر پر وہ آگ بگولہ ہوا تھا۔"

"آہنہ.....!!!" غضب ناک ہوتے ہوئے اس کا گلا دبوچ گیا تھا۔"

"تم....! سمجھتی کیا ہو! خود کو اپنا بچ ہونے کے باوجود اتنا غرور! گلے پر دباؤ بڑھاتے ہوئے دھاڑا۔ عمامہ نے بنا کسی مزاحمت کے اپنا وجود ڈھیلا چھوڑ دیا" جیسے وہ یہی چاہتی ہو چہرے پر سکون سی مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی۔"

"دھڑام!! سے دروازہ کھولنے کی آواز پر ملک نے مڑ کر دیکھا، پھر ایک نظر ہوش ہو رہی گانی ہوتی لڑکی کو دیکھا تھا جس نے اسے اتنا غصہ دلایا تھا۔"

"سامنے کا منظر دیکھ کر اذہان! کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔"

"اسے! اندر کس نے آنے دیا!!!!" کہاں مر گئے ہو!!! "اذہان کو دیکھتے ہی فوراً سے کھڑے ہوتے ہوئے چلا یا تھا۔ واسکٹ سے گن نکلا کر عمامہ پر تان گیا تھا۔"

"مر ہی گئے ہیں سب!!!" اب! تمہاری باری ہے۔ گھمبیر لہجے میں کہتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔"

"نہ...!!!" نہ...!!!" یہ غلطی مت کرنا "تمہارا ایک قدم تمہاری اس اپاہج محبت کو بھاری پڑ سکتا ہے۔ ملک نے عمامہ کے سر کا نشانہ لیتے ہوئے وارن کیا۔ تو اذہان نے ایک نظر بے سد پڑی عمامہ کو دیکھا اور پھر ملک کی جانب متوجہ ہوا۔"

"بول رہا" کیا ہے! ہمت ہے تو چلا گولی...!!!" ملک کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے اسی انداز میں تقریباً چلاتے ہوئے آگے بڑھا "اس کی آنکھوں میں وحشت دیکھ کر ملک کا ہاتھ پیل بھر کے لیے کانپا تھا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں! میں مار دوں گا" اگر تم آگے بڑھے تو۔ ملک نے اپنی بات پر زور دیا تھا۔"

"میں نے کہا مار.....!!!!" حلق کے بل دھاڑتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ کر مکا مارا جس وہ دور جا کر گرا تھا۔"

"مارنا" مارتا کیوں نہیں!!! سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس سے گریبان سے پکڑ کر پہ در پہ مارتے ہوئے وہ اس وقت کوئی پاگل جنونی لگ رہا تھا۔"

"چل اٹھ مار.....!! میں کہہ رہا ہوں مار.....!!!" بنا کر اسے بری طرح مارتے ہوئے، اذہان! کا غصہ سوانیزے پر پہنچا ہوا تھا۔"

"چھوٹے صاحب!" "چھوٹے صاحب!" وہ مر جائے گا، شمسو قاقا! نے آگے بڑھ کر اذہان کو رکنے کی کوشش کی تھی۔"

"اسے مر ہی جانا چاہیے، اس نے میری عمارت.....!!!" عمارت کا خیال آتے ہی جھٹکے سے نیچے پھینکا تھا جو خون سے لت پت ہو گیا تھا۔"

"عمائمہ...!! اذہان! ملک کو چھوڑ کر عمامہ کی جانب متوجہ ہوا، جو بے سد زین پر پڑی تھی، اپنی شال اتار کر عمامہ گرد لپیٹتے ہوئے اس کا سر اپنی گود میں رکھا تھا، جس کے گال، گردن پر انگلیوں کے نشان دیکھ کر اس سے لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو! اس کے ہونٹ، ماتھے سے رستے ہوئے خون کو اپنی جیب سے رومال نکال کر نرمی سے صاف کرتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہوئی۔"

"شمسوقا...!!" ملک کو اٹھا کر وہاں سے لے گئے۔"

"عمائمہ...!!" عمامہ...!!" آہستہ سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے پکارا تھا۔"

"عمائمہ...! آنکھیں کھولو! تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی، اگر تمہیں کچھ ہوا تو میں بھی جی نہیں پاؤں گا عمامہ!" کو اٹھاتے ہوئے اس کا آواز بھرائی تھی عمامہ نے مندھی مندھی آنکھیں کھولی تھی۔"

"پلیز...!! مجھے معاف کر دو، میری وجہ سے تمہیں اتنی مشکل سے گزرنا پڑا یہ سب میری غلطی ہے، جو میں تم سے "غافل" ہو گیا۔ عمامہ! کو ہوش میں آتے دیکھ کر کہتے ہوئے صحیح غلط کی پروا کیے بغیر اس سے خود میں بھینچ گیا جس پر عمامہ کے پیچین دل کو ایک پل کے لیے قرار آیا اور اگلے ہی لمحے وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔"

"آپ نے مجھے کیوں بچایا" وہ بس مجھے مارنے ہی والا تھا! آج اگر میری یہ چلتی ہوئی سانسیں بند ہو جاتی تو میری ساری اذیتیں ختم ہو جاتی، مجھے حرام موت جیسا گناہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ خود سے دور دھکیلنے بے ساختہ عمامہ کی دل بات زبان تک آئی جسے سن کر اذہان ششدرہ گیا۔"

"کیا کہا!" ایک بار پھر سے کہنا۔ اذہان نے تصحیح چاہی۔ تو عمامہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"تم جانتی ہو! تم کیا کہہ رہی ہو! وہ جو بے ساختہ بول گئی تھی، اذہان کے برہمی سے پوچھنے پر ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔"

"کچھ نہیں...! اس دور ہو کر تھوک نلگتے ہوئے انجان بنی تھی۔"

”کیا مطلب...! کچھ نہیں! تم نے ابھی کیا کہا حرام موت جیسا گناہ! کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا۔ عمامہ کی کہیں بات ابھی بھی سمجھا نہیں یا پھر سمجھنا نہیں چاہ رہا تھا۔“

”میں نے کہا نا،“ کچھ نہیں، آپ یہ بتائیں کہ آپ یہاں کیسے پہنچے؟۔ اپنی بات پر قائم رہتے ہوئے سوال کیا تھا۔“

”کیا مطلب میں یہاں کیسے آیا! میری زندگی وہ لے آئی تھی، تو میں کیسے نہ آتا۔ عمامہ کو دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تھا ”آئی“ کہنے پر وہ متعجب ہوئی تھی۔“

”تم نہیں سمجھو گی! اب گھر چلتے ہیں، وہا“ سب پریشان ہو رہے ہیں اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے گویا ہوا۔“

”باباجان!“ نہیں آئیں۔ زمین پر بیٹھی ہوئی عمامہ! نے بے بسی سے اذہان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔“

”وہ تو آنا چاہتے تھے، پر میں نے کہا مجھے یہ موقع دوبارہ، ملے نہ ملے، اس لیے آپ گھر پر رہیں! میں خود ہی لے آؤں گا۔ عمامہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کے سامنے ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر اس کے آنسوؤں نرمی سے صاف کرتے ہوئے کہا انداز معنی خیز تھا، جس پر اس کا دل زور سے دھڑک تھا۔“

”اب چلیں! شال کو صحیح کرتے ہوئے پوچھا تو عمامہ نے نظریں اٹھائی تھی جیسے کہنا چاہتی ہو کیسے؟۔“

”ایسے! اپنی بانہوں میں اٹھاتے ہوئے کھڑا ہوا تھا اس کہ کہے بغیر ہی اس کے دل کی بات سمجھ لی تھی۔“

”یہ کیا کر رہے ہیں! اذہان!۔ اس غیر متوقع حرکت پر عمامہ گڑ بڑائی تھی۔ اس طرح اپنا نام سن کر اذہان کے لب مسکرائے تھے۔“

”فیوچر پر یکٹس! ساری زندگی ساتھ رہنا کا ارادہ کیا ہے، اتنا تو کرنا ہی پڑے گا۔ عمامہ کو دیکھے بغیر مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے، اس کی نگاہیں اذہان کے چہرے پر ٹکی تھی۔ اس طرح چلتے ہوئے گاڑی تک آیا فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر عمامہ کو بیٹھایا تھا۔“

”تم ٹھیک ہو! اذہان سنجیدگی سے پوچھا،“ تو عمامہ! نے شکوا کن نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ تو اذہان بنا کچھ کہے ڈیش بورڈ سے پانی کی بوتل نکال کر اس کی جانب بڑھائی تھی جسے وہ فوراً سے تھام گئی تھی۔“

”انہہ.....!!“ پانی پینے کے لیے جیسے ہی عمامہ نے منہ کھولا تو عمامہ کے منہ سے بے ساختہ کراہ نکلی تھی جس دیکھ کر اذہان تڑپ کر رہ گیا۔“

”تم رکو! میں آتا ہوں۔ عمامہ کے ہاتھ سے پانی کی بوتل لے کر اذہان متفکرانہ انداز میں کہتے ہوئے کہی چلا گیا تھا۔ تو عمامہ نے بیک سے سر ٹیکا کر آنکھیں موند گئی۔“

”تھوڑی دیر میں اذہان! واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دو پیکٹ تھیں، ایک کو ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے، دوسرے پیکٹ میں سے جو س کاڈبہ نکال کر اس میں اسٹرولگا کر آگے بڑھایا تھا۔“

”یہ لو! اس سے تمہیں پین نہیں ہوگا۔ اذہان کی آواز پر عمامہ نے اس کی جانب دیکھا اذہان کی آنکھوں میں اپنے لیے پروادیکھ کر بنا کچھ کہے اس کے ہاتھ سے جو س تھام گئی تھی گئی۔“

”گڈ گرل! مسکرا کر کہتے ہوئے اذہان دوسرے پیکٹ کی جانب متوجہ ہوا، اس میں سے اوئل منٹ اور ڈریسنگ کا سامان نکلا تھا۔“

”تم! میری ہو! اور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ خود کو یوں تکلیف پہنچاؤ، میں سب برداشت کر سکتا ہوں، پر تمہیں درد میں نہیں دیکھ سکتا۔ روئی پر پردوالگا کر نرمی سے ماتھے سے خون صاف کرتے ہوئے مستحکم انداز میں بولنا شروع کیا، اذہان کی اس غیر متوقع بات سن کر متعجب ہوئی تھی۔“

”دل بہلانے کو خیال اچھا ہے۔ عمامہ نے طنزیہ لہجے میں مسکرا کر کہا۔“

”یہ دل بہلانے کا خیال ہے یا“ نہیں! یہ تمہیں وقت آنے پر پتا چل جائے گا“ لیکن آج جو تم نے اپنے ساتھ کرنے کی کوشش کی، جو کہا! وہ میں نے تمہاری پہلی، آخری غلطی سمجھ کر برداشت کر لیا عمامہ! لیکن! ایندا اگر تم نے اپنی جان، لینے کا سوچا بھی تو میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان لے لوں گا“ ابھی تک تم! نے میری محبت میری نرمی دیکھی ہے، میرا غصہ نہیں، تمہارے لیے بہتر یہی ہے، کے تم میرا غصہ نہ ہی دیکھو۔ مزید اسی طرح کہتے ہوئے عمامہ کے ماتھے پر اب سننی پلاسٹ لگایا۔“

”میں نے، نہ تو آپ سے پوچھ کر کچھ کرنا ہے۔ اذہان روئی پرد والا گانے کے لیے پلٹا تو بڑ بڑائی تھی۔“

کچھ کہا تم نے اذہان فوراً سے پلٹا۔“

”نہیں! روکھائی سے یک لفظی جواب دیا۔“

”تم! پوچھ کر کرو! یا“ بغیر پوچھے! لیکن کچھ بھی کرنے سے پہلے اتنا یاد رکھنا، اگر تم نے اپنی جان لی! تو اس دن ایک نہیں دو جنازے اٹھے گے، اس لیے کچھ بھی کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لینا۔ سنجیدگی سے اپنی بات کہتے عمامہ کے ہونٹ سے خون صاف کرتے ہوئے پھونک مار رہا تھا عمامہ کا درد اذہان کے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا۔“

”آپ مجھے! دھمکی دے رہے ہیں؟ عمامہ نے آنکھیں سکیرٹی تھی۔

”نہیں آگاہ کر رہا ہوں۔ اوئل منٹ کا کیپ کھول کر اس میں سے تھوڑی سی اپنے انگشت کے پورے پر نکل کر عمامہ کے ہونٹ پر لگتے ہوئے اذہان کے لہجے اب بھی وہی سنجیدگی تھی، اس کا لمس محسوس کرتے اپنی آنکھوں میں آئی نمی چھپانے کے غرض سے عمامہ نے فوراً سے نظریں چرائی تھی۔“

**نہ جانے کیوں کبھی انسان ایسی کفیت میں مبتلا ہوتا ہے

کہ نہ خوشی اثر کرتی ہے نہ کوئی تسلی، نہ وقت کی خوبصورتی نہ لمحے کا حاصل، نہ باہر بسنے والی دنیا*

بس اک عجیب سی خاموشی چھائی رہتی ہے 😊❤️



”پورے گھر میں اس وقت اندھیرا چھایا ہوا ہوا تھا، لاؤنچ میں بیٹھا ”شخص مضطرب سا“ بار بار اپنی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کسی کا منتظر تھا۔“

”دبے پاؤں گھر میں کوئی داخل ہوا تو منتظر شخص چوکننا ہوا۔“

”یہ! وقت ہے، تمہارے گھر آنے کا۔ عمر چپ چاپ اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا کہ عمران صاحب کی آواز پر اس کے قدم رکے تھیں۔ لاؤنچ کی لائٹس اون ہوئی تھی۔“

”ڈیڈ...!“ آپ، ابھی تک سوئے نہیں؟۔ لاؤنچ میں آتے ہوئے لاپرواہی کہتے ہوئے ان کی جانب بڑھا۔ تو عمران صاحب کے غصے میں اضافہ ہوا تھا۔“

”جس! کا تم جیسا بیٹا ہو! اس باپ کو نیند آسکتی ہے بھلا۔ عمر کو آتے ہوئے دیکھ کر عمران

صاحب! اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔“

”ڈیڈ! اب میں نے کیا!!!!!!.....“

”عمر کی بات پوری ہونے سے پہلے ایک زناٹے دار تھپڑ کی آواز گونجی، اس اچانک افتاد پر وہ ہکا بکا

رہ گیا۔“

”ڈیڈ....!! عمر کی حیرت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

”میں پوچھتا ہوں! تمہیں لڑکیوں! کی کم جو، تم مجھے اس معمولی سی لڑکی کی وجہ سے مجھے ذلیل

کروانے پر تلے ہوئے ہوں۔ عمران صاحب کی گرج دار آواز نے عمر کو چونکا گیا تھا۔

”ڈیڈ! آپ کیا کہہ رہے ہیں! میں سمجھا نہیں۔ عمر نے اپنی حیرت کو الفاظ دیے تھیں۔“

”عنایہ! کو کال کر کے کیا کہا ہے۔ سر دلہجے میں استفسار کیا۔“

”اوووو! ڈیڈ! آپ نے تو ڈرا ہی دیا۔ قدرے لا پرواہی سے کہتے ہوئے صوفے پر گرنے کے

انداز میں بیٹھا اس کی لا پرواہی پر عمران صاحب کو تشویش ہوئی تھی۔“

”کیا مطلب! تمہاری اس بات کا“ تم جانتے بھی تمہاری وجہ سے مجھے کتنی شرمندگی اٹھانی

پڑی ہے، سب کے سامنے۔ سخت گیر لہجے پوچھتے ہوئے آگاہ کیا۔“

”ڈیڈ! آپ ہی کہتے ہیں، جب گھی سیدھی انگلی نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے، بس وہی کر رہا

تھا۔ اپنی انگشت کو فولڈ کر کے دائے بائے کرتے ہوئے سرسری انداز میں بتاتے ہوئے آخر میں

کندھے اچکائے تھے۔ جس پر عمران صاحب جبرے بھینچ گئے تھے۔“

”میں نے کہا، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم پہلے ہی اپنے دشمن کو سب بتا کر اس سے چوکنا کر

دو۔ اب کی بار عمران صاحب کا لہجہ کچھ نرم ہوا تھا۔“

”ڈیڈ چھپ کر وار کرنا“ بزدلوں کا کام ہے، آپ کا بیٹا ”کچھ بھی ہو سکتا ہے، پر بزدل نہیں۔ آگے کو ہوتے ہوئے ایسے بولا جسے بہت پتے کی بات بتائی ہو۔ عمران صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔“

آج ارسلان! اپنے بیٹے کے ساتھ میرے افس آیا تھا“ بہت غصے میں تھے ”دونوں“ عباس! تو اپنے باپ کی وجہ سے چپ تھا“ اپنے باپ کی ہی وجہ سے وہ مجھ سے بات کرنے آگیا، بتایا اس نے جو تم نے عنایہ! کو کال کر کہا! وہ تو اپنے بیٹے کو جان سے مارنے کی دھمکی دینے، بہوں کو ہریس کرنے کے لیے تم پر ایف آئی آر درج کروانا چاہتا تھا“ میرے لاکھ سمجھانے پر ارسلان تو سمجھ گیا لیکن عباس کہہ کر گیا ہے کہ تمہیں آج رات ہی ملک سے نکال دوں ورنہ کل وہ تمہیں جیل بھیج دیگا۔ رسان سے ساری بات بتائی تھی جس سن کر عمر آگ بگولہ ہوا۔

”اس کی اتنی ہمت! ایک تو مجھ سے میری ”محبت“ چھین لی! اب مجھے ہی جیل بھیجنے کی دھمکی دے کر گیا! اور حیرت تو مجھے آپ پر ہے، آپ نے خاموشی سے ان کی ساری بات سن بھی لی، مان بھی لی۔ تیش میں آتے ہوئے پوچھا۔“

”یہ تیش میں آنے کا نہیں مصلحت سے کام لینے کا وقت ہے۔ عمران صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی۔ جس کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔“

”کیا ثبوت ہے، اس کے پاس، کے میں نے اسے جان سے مارنے کی دھمکی دی یا ”پھر عنایہ! کو ہر لیس کیا ہے۔ عمر اپنی ہی بات پر بہ ضد تھا۔“

”تمھاری ساری کال ریکارڈ کی ہے اس لڑکی نے! تم جسے کے لیے، مرنے مارنے پر تلے ہو! وہی تمھیں منہ نہیں لگاتی، اسی نے بھیجا تھا، تو پھر تم یہ سب کس کے لیے کر رہے ہو۔ نخوت سے بتاتے ہوئے آخر میں سوال کیا۔“

”اگر! وہ میری نہیں ہوگی، تو میں اسے کسی اور کا بھی نہیں ہونے دوں گا! ڈیڈ! آپ نے ہمیشہ میری ہر بات مانی ہے، میرے کہنے سے پہلے آپ نے میری ہر خواہش پوری کی ہے، ڈیڈ! عنایہ! تو میری ضد ہے اس حاصل کرنے کی خاطر مجھے کچھ بھی کرنا پڑا میں کروں گا،“ اگر وہ مجھے جیل

بھیجنا چاہتا تو شوق سے بھیجے، آپ بھی اتنا اثر اسوخ تو رکھتے ہی ہے، کے مجھے باہر نکال لیں۔ عمر کسی ضدی بچے کی طرح اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔“

”بات اثر اسوخ کی نہیں! اگر تو عنایہ! نے وہ کال ریکارڈ نہ کی ہوتی تو، میں پھر بھی کچھ کر لیتا، تمہیں! جیل سے نکالنا بڑی بات نہیں! میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب، عباس! یا عنایہ! کو کچھ ہوا تو سب کاشک تم پر جائے گا“ پھر میں کچھ نہیں کر پاؤں گا اس لیے تمہارے لیے، یہ ہی بہتر ہے، کہ تم کچھ عرصے کے لیے یہاں سے دور چلے جاؤ۔ رسان سے کہتے ہوئے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جس کا اب بھی کوئی اثر نہ ہوا تھا۔“

”لیکن ڈیڈ! میں اس کسی اور کا نہیں ہونے دے!!.....“

”بس...!!“ تم نے جو کرنا تھا! کر لیا اب میں جو کہوں گا“ وہی ہو گا! اور تم صبح کی فلائٹ سے امریکہ جا رہے ہو۔ اپنے بیٹے کی ضد کو دیکھتے ہوئے اٹل لہجے میں فیصلہ سنایا تھا۔“

”لیکن...! عمر نے کچھ کہنا چاہا۔“

پر عمران صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا جس پر پٹھنتا ہوا وہ اسے چلا گیا تھا، جبکہ عمران صاحب اپنا سر پکڑ کر رہ گئے تھے۔“



”سارا راستہ دونوں میں گہری خاموشی حائل رہی جسے اذہان نے بھی توڑنا بہتر نہ سمجھا“
خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وقفے وقفے سے عمامہ کو ایک نظر دیکھ لیتا، جو آنکھیں
موندے بیک سے سرٹیکائے بیٹھی تھی۔“

”گاڑی کے رکنے پر عمامہ! نے فوراً سے آنکھیں کھول کر اپنے ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھا جو اسے
ہی دیکھ رہا تھا ایک پل کے لیے دونوں کی نظریں ملی عمامہ کی بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
اذہان کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔“

”آپ! مجھے یہاں کیوں لے کر آئے مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ رخ پھیرتے ہوئے بے تاسر انداز
میں استفسار کیا۔

”یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے، ایک بار.....!!! اذہان کی بات پوری ہونے سے قبل ہی اس نے گھور کر دیکھا۔

”سب، یہی انتظار کر رہے تھیں، اس لیے۔ اذہان نے فوراً سے وضاحت دی تھی۔ اتنے میں گھر کے اندرونی حصے سے شہلا بیگم ایاز صاحب کے ہمراہ اسی جانب آئی ساتھ ہی عنایہ بھی تھی۔“

”شکر ہے، میرے خدا کا“ میری بچی خیر خیریت سے آگئی۔ شہلا خدا کا شکر کرتی ہوئی گاڑی کا دروازہ کھول کر عمامہ! کی جانب لپکی تھی۔“

”تم ٹھیک ہو! کچھ ہوا تو نہیں، کہی چوٹ تو نہیں لگی، ان لوگوں نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا“ تمہیں۔ عمامہ کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دائے بائے دیوانہ وار اس کا منہ چومتے ہوئے نم لہجے میں استفسار کیا ایاز صاحب بھی اپنی بیٹی کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے تھے، عنایہ کی آنکھیں نم ہوئی۔“

”امی جی! میں ٹھیک ہوں! کچھ نہیں ہوا مجھے، دیکھیں میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ نے جسے میری حفاظت کے لیے بھیجا تھا وہ وقت سے پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر شروع میں تسلی دیتے ہوئے آخر میں اذہان کو دیکھتے ہوئے ”آگئے تھے“ چبا کر بولی تھی، شہلا بیگم کتنی ہی سخت مزاج سہی پر تھی تو ایک ماں ہی جو اپنی بیٹی کی تکلیف پر تڑپ اٹھی تھی۔

”وہ لوگ تمہیں ہی کیوں لے گئے، تم نے انہیں رکا کیوں نہیں، کسی کو آواز ہی دیدتی، مجھے ہی بلا لیتی، میری بچی! کی زندگی میں پہلے درد کم جو انہیں بھی تم ہی نظر آئی۔ متفکر نہ انداز میں ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھتے ہوئے اپنے آنسو صاف کئے۔“

”ہاں بیٹا! ان لوگوں کی ہماری بچی سے بھلا کیا دشمنی تھی۔ ایاز صاحب اذہان کی جانب متوجہ ہوئے۔“

”انکل! دشمنی عمامہ! سے نہیں علیزہ سے ہے، اور آج صبح سے ہی عمامہ! اس کے ساتھ ہی تھی، وہ لوگ جب علیزہ! تک پہنچ نہیں سکے، تو عمامہ! انہیں آسان ہدف لگی تو اسے لے گئے۔“

تھوڑی وضاحت دیتے ہوئے کچھ بات چھاپا گیا تھا کیوں کہ وہ عمامہ کا نام خراب نہیں کرنا چاہتا تھا وہ اسے بہ عزت طریقے سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔“

”اللہ پاک“ نے ہماری دونوں ”بیٹیوں“ کی حفاظت کی اور کسی بھی بڑے نقصان سے بچالیا ”یا اللہ“ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر آیاز صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔“

”میری بچی! اللہ پاک ہمیشہ تیری حفاظت کرے۔ آیاز صاحب نے نم لہجے میں کہتے ہوئے عمامہ کو اپنے سینے سے لگایا۔“

”یہ چوٹ کیسے لگی آپ! آپ کو۔ عمامہ کے چہرے پر چوٹ کے نشان دیکھتے ہوئے عنایہ متفکر ہوئی۔“

”اصل میں آپ کی آپ! خود کو بالی وڈ فلموں کی ہیر و سنین سمجھ رہی تھی، اس لیے ہلکی پھلکی چوٹ آگئی۔ ماحول میں چھائی اداسی کو ضائل کرنے کے لیے اذہان نے بتاتے ہوئے آخر میں عمامہ سے تائید چاہی تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ آئی تھی۔“

ہوا...!" وہ ہیل چیئر لے کر آئے اذہان! بو آ کو آواز دیتے ہوئے ایاز صاحب سے مخاطب ہوا۔

”عمائمہ! کو اندر لے کر چلیں! میں نے ڈاکٹر کو کال کر دی ہے ایک بار ہیر و نمین کا پراپر چیک اپ ہو جائے تو تسلی ہو جائے سب کو کہ چوٹ ہلکی پھلکی ہی ہے۔ نظریں عمائمہ کے چہرے پر مرکوز تھی۔“

”نہیں بیٹا! اب ہمیں اجازت دو بہت لیٹ ہو گئے ہیں، تھوڑی دیر میں صبح ہو جائے گی۔ ایاز صاحب انکار کرتے ہوئے ایاز صاحب نے اجازت چاہی۔“

”آج آپ لوگ یہی رک جائے، اتنی رات میں کیسے جائے گیں۔ اذہان نے فوراً سے وجہ دیتے ہوئے روکنے کی کوشش کی تھی۔“

”نہیں بیٹا! اب ہمیں اجازت دو۔ ایاز صاحب اپنی بات پر قائم رہے تو اذہان کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔“

”اس وقت میں آپ لوگوں کو اکیلے نہیں جانے دوں گا اگر جانا ہی تو پھر خود چھوڑ کر آؤں گا۔ اذہان نے بھی اٹل لہجے میں کہا۔“

”بیٹا!“ ہمارے پاس گاڑی ہے، تم بھی تھک گئے ہو گے۔ ایاز صاحب نے انکار کرنا چاہا۔“

”ایک بات میں نے آپ کی مانی! اب آپ کو بھی میری بات مانی پڑے گی۔ اذہان بہ ضد ہوا تھا۔“

”چلو عنایہ! بیٹھو گاڑی میں، آنٹی آپ بھی بیٹھیں۔ اذہان کہا۔“

”اچھا“ تم اپنی بہنوں کو لے جاؤ لیکن میری بیوی کو تو میرے ساتھ آنے دو، اتنا لمبا سفر میں اکیلے کیسے کروں گا۔ ایاز صاحب نے ہار مانتے ہوئے کہا۔ جبکہ کے بہنوں کہنے پر عمامہ کے چہرے پر مسکراہٹ آئی جبکہ اذہان متذبذب ہوا۔“

”شہلا بیگم ایاز صاحب کی جانب بڑھی۔“

”چلیں بھائی! بیک سائیڈ کا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی، تو اذہان نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی، عمامہ! اب بھی مسکرا رہی تھی اور اس مسکراتے ہوئے دیکھ کر اذہان کے دل میں سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔“

”ویسے بھائی! میری سمجھ میں اب بھی نہیں آیا،“ علیزہ! کے ساتھ تو میں بھی تھی، پر وہ لوگ آپنی کو ہی کیوں لے کر گئے۔ گاڑی اپنی منزل کی جانب گامزن ہوئی تو کچھ سوچتے ہوئے عنایہ نے پھر وہی سوال اٹھایا۔“

”کیوں! تم کیا چاہتی ہوں! وہ لوگ تمہیں اٹھا کر لیجاتے۔ عمامہ! کو حیرت ہوئی تھی۔“

”ویسے کتنا اچھا ہوتا نا،“ پھر عباس مجھے ڈھونڈتا ہوا آتا مجھے ان غنڈوں سے بچاتا۔ ٹرانس کی کیفیت ہے کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ عمامہ نے نفی میں سر ہلایا۔“

”تم جانتی ہو تم کہہ ہو! عمامہ برہم ہوئی۔“

تم کچھ کہنے سے پہلے سوچتی جو وہ سوچے گی اذہان کو دیکھتے ہوئے عمامہ کو طنز آپو چھا۔“

”نہیں آپ! آپ میری بات سمجھی نہیں۔ عنایہ نے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔“

”بس اب خاموش! عمامہ نے اس تاکید کی۔“

کیوں بھی تمہیں کیا پر و بلم ہے، بول رہی ہے، بولنے دو، خود تو بولتی نہیں اور دوسرو کو بھی بولنے نہیں دیتی۔ اذہان نے عنایہ کی ہامیت کرتے ہوئے عمامہ ٹوکا۔ تو وہ رخ پھیر گئی تھی۔“

”ویسے بھائی! کتنی عجیب بات ہے نا“ اتنے لوگوں میں وہ لوگ صرف آپ کو ہی لے کر گئے۔ عنایہ کی سوئی اب وہی اٹکی ہوئی تھی۔“

”وہ لوگ تمہاری آپ! کو علیزہ! کی بھابھی سمجھ کر لے گئیں۔ عمامہ کی جانب دیکھ کر بھابھی پر زور دیتے ہوئے بتایا۔ وہ جو رخ پھیرے بیٹھی تھی اس کے منہ سے بھابھی سن کر متعجب ہوئی تھی۔“

”مجھے پہلے ہی لگا تھا“ نہیں تو ایسے کیسے وہ آپ! کو لے جاسکتے تھے، سب علیزہ! کی بچی کی غلطی ہے، صبح میں اس کی اچھے سے خبر لوگی۔ اپنے تائی اندازہ لگتے ہوئے کہانی بنائی تھی۔“

علیزہ کی غلطی اذہان نے عنایہ کی بات سن کر حیران ہوا۔

”ویسے اگر علیزہ! کابس چلے تو وہ سچ میں ہی آپ! کو اپنی بھابھی بنالے۔ عنایہ کی اگلی بات پر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تو عمامہ کی آنکھوں میں گھبراہٹ صاف عیاں تھی۔ اذہان کو یہ بات جان کر خوشی ہوئی تھی کہ اس کی پسند اس پہن کی بھی پسند ہے۔

”کیا مطلب علیزہ! کابس چلے تو میں نے خود اپنی شادی کی ”زمرے داری“ اس کو دی ہے، جس سے اس نے معذرت کر لی۔ اذہان کو تشویش ہوئی“

وہ۔۔ !

”عنایہ! پلیز تم تھوڑی دیر خاموش رہ سکتی ہو میرا سر درد کرنے لگا ہے! تمھاری ٹٹے سے۔ عنایہ نے کچھ کہنے کے غرض سے لب واکے تھے۔ عمامہ نے تنگ آکر کرڈانٹ پلائی تھی۔“

”ویسے بھائی! اگر علیزہ آپ سے کہتی تو کیا“...!!

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر سے اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر عنایہ ہلکی آواز میں بولنا شروع کیا تو ایک بار پھر عمامہ زچ ہوئی۔“

”عنایہ“!!!!.....

”تم یہ میرا نمبر رکھ لو! ہم بعد میں اس بارے میں تفصیل سے بات کریں گیں۔ ڈیش بورڈ سے اپنا ویزٹنگ کارڈ اٹھا کر عنایہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تو عنایہ سے پہلے ہی عمامہ نے وہ کارڈ اچک کر واپس رکھ دیا۔“

”اب کوئی اس ٹوپک پر کوئی بات نہیں کرے گا“ ورنہ میں اس چلتی گاڑی سے کود جاؤ گی۔ سخت گیر لہجے میں اذہان کو دیکھتے کہا تو عنایہ فوراً سے خاموش ہو کر بیک سے سرٹیکا گئی تھی جبکہ عمامہ کی اس بات پر اذہان نے خود پر ضبط کرتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی۔“

جاری-----

ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم طیبہ

Episode 21

”ایک نیا دن طلوع ہوا سورج نے زمیں پر اپنی کرنیں بکھیری تھی۔“

”اذہان! جب سے واپس آیا، ایک پل کے لیے بھی چین سے نہیں بیٹھا، اکرم! کی بھی اچھی طرح کلاس لی اذہان! تو اسے غفلت برتنے پر نوکری سے فارغ کرنے پر تل گیا، پھر اکرم! منت سماجت اور اپنے بچوں کا واسطہ دینے پر صرف نوکری سے نہ نکالا، پر اب اسے گھر میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔“

”شمسوقا! ملک نے اپنی زبان کھولی، کچھ بتایا اس عورت کے بارے میں۔ اکرم کے جانے کے بعد اذہان اب ان سے مخاطب ہوا۔“

”نہیں! چھوٹے صاحب! بس بار بار ایک ہی بات کہہ رہا ہے مجھے معاف کر دو۔ شمسوقا قانے بتایا تھا۔“

”ٹھیک ہے! چھوڑ دو اسے۔ اذہان کی بات سن کر شمسو قاقا؟ متعجب ہوئے تھے پر کہا کچھ نہیں۔“

”لیکن نظر رکھنا اس پر، یہاں بے شک وہ اپنی زبان نہ کھولے، پر یہاں سے جانا کہ بعد وہ اس سے رابطہ ضرور کرے گا۔ دو انگلیوں سے اپنا کینٹی سہلاتے اذہان نے کہا اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے اس کے اگلے حکم پر شمسو قاقا! نے سر خم کیا۔“

چھوٹے صاحب! چائے بھجواؤں۔ شمسو قاقا نے پوچھا تھا۔

”نہیں میں تھوڑی دیر آرام کروں گا۔ اذہان اٹھتے ہوئے بولا تو، وہ سر ہلاتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔“

”اب کوئی اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرے گا“ ورنہ میں اس چلتی گاڑی سے کود جاؤں گی۔ عمامہ کے کہے الفاظ یاد کرتے اذہان کے دل میں ٹیس اٹھی تھی، کچھ سوچتے ہوئے اذہان نے قدم اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اپنی ماں کے کمرے کی جانب بڑھے۔“

بو جھل قدموں سے چلتے ہوئے، اپنی ماں کے کمرے کے سامنے پہنچا ایک وقت تھا، جب یہاں زندگی بستی تھی کسی کی ہنسی کھلکھاریاں گونجا کرتی تھی، وہاں آج ویرانیوں کے ڈیرے تھے۔“

”اذہان..! کیا کر رہے ہو لگ جائے گی۔ کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اپنی ماں کی آواز سنائی دی جس پر اذہان کی آنکھوں میں نمی آئی تھی۔“

”میں جینا چاہتی ہوں! مرنا نہیں چاہتی شاہ! ابھی میرا بیٹا بہت چھوٹا ہے، اسے میرے ضرورت ہے۔ کھڑکی کے سامنے کھڑی مایہ احمد شاہ سے کہہ رہی تھی۔“

”تمہارے بیٹے کے ساتھ مجھے بھی تمہاری ضرورت ہے، پلیز! ایسی باتیں نہ کرو تمہیں کچھ نہیں ہوگا، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا، اذہان کے ساتھ ہمارے دوسرے بے بی کو بھی تمہاری ضرورت ہے۔ مایہ کو اپنے ساتھ لگتے ہوئے احمد شاہ نے متانت سے کہتے ہوئے اس کے بالوں کو سہلایا۔“

”ممی! میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ اذہان فوراً سے آگے بڑھ تھا مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ نم آنکھوں سے اذہان نے دائے بائے ماں باپ کو ڈھونڈنا چاہا پر وہ یہاں نہیں تھے۔“



(ماضی)

”مایہ! نائمہ!، کلاس فیلوز تھی۔ مایہ سیدھی سادی اپنے کام سے کام رکھنے والی دردے دل رکھنے والی دوسروں کی خوشی میں خوش ہونے والی ایک لائق اور قابل سٹوڈنٹ تھی، جبکہ کے نائمہ ایک اوپن مائنڈ سیٹ کی لڑکی جس کی نظر میں زندگی کا حصول اپنی خوشی اپنی پسند، دوسروں سے بلا واسطے کا حسد رکھنا، اپنے بناوٹی حسن کی نمائش کرنا اس کا خاصہ تھا۔

”احمد شاہ! ایک باوقار، پرکشش نوجوان جس کی پرسنٹلی اور لائف سٹائل کا پورا کالج دیوانہ تھا پر وہ مغرور شہزادہ ان سب سے دور رہنے ہی پسند کرتا تھا۔

”نائمہ! ہر دوسرے دن نئے نئے طریقے سے احمد شاہ! کو اپنے طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی، جسے وہ خاطر میں نہ لاتا، اسے منہ کی کھانی پڑتی، دوسری جانب احمد! شاہ! کو مایہ سے پہلی نظر میں محبت ہو گئی جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ کالج کے بعد دونوں نے شادی کر لی اور ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔ اس بات کی خبر نائمہ! کو ہوئی تو اسے یہ بات بالکل برداشت نہیں ہوئی، حسد اور جلن کی آگ میں جلنے لگی، اور مایہ! سے اپنے مراسل بڑھا لیے، جس کے بعد وقتاً فوقتاً مایہ! کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔“ موقع کی طاق میں رہنے لگی، موقع ملنے پر دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہتی، جس میں ہمیشہ ہی ناکام رہی، لیکن اس کی ایک ایسی ہی کوشش نے سب کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا۔“



”یہ ایک خوبصورت سا گھر تھا“ جہاں زندگی بستی تھی جہاں محبت نے اپنا بسیرا کیا ہوا تھا” جہاں کے مکین اپنی زندگی ہنسی خوشی سے گزار رہے تھے۔ اس سے بے خبر کے ان کی خوشیوں پر کوئی اپنی نظریں گاڑھے بیٹھا ہے۔“

”ممی مجھے یہ گو بھی نہیں پسند پھر آپ یہ کیوں بناتی ہے۔ سات سالہ اذہان! ڈائنگ ٹیبل کی کرسی کھنچ کر بیٹھتے ہوئے، اپنے سامنے پلیٹ میں رکھی گو بھی کی بھجیا کو دیکھ کر منہ بسورتے ہوئے بولا۔“

”کیونکہ یہ تمہارے باباجان! کو پسند ہے، روز ہم تمہاری پسند کا بنا کھانا کھاتے ہیں، تو کیا تم ایک دن تم اپنے بابا کی پسند کا بنا نہیں کھا سکتے۔ روٹی توڑ کر نوالہ بناتے ہوئے پیار سے کہتے نوالہ اذہان کے منہ کی سامنے کیا تھا۔“

”کھا تو سکتا ہوں بٹ! ممی!!“ مجھے اس کا ٹیسٹ اچھا نہیں لگتا۔ کھاتے ہوئے منہ کے زاویے بدلتے ہوئے اس نے اپنا مسئلہ بیان کیا تھا سربراہی کرسی پر بیٹھے احمد شاہ اپنی مسکراہٹ دینے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”جب ہمارے! بیٹے کو اس کا ٹیسٹ اچھا نہیں لگتا تو کیوں بنائی تم نے یہ سبزی۔ بظاہر سنجیدگی سے احمد شاہ نے استفسار کیا۔“

”آپ کو بھی تو پاستہ نہیں پسند! تو آج کے بعد پاستہ بھی نہ بناؤ۔ ایک اور نوالہ اذہان کے منہ میں ڈالتے ہوئے مایہ دھیان دلاتے ہوئے پوچھا۔“

”لیکن مئی! وہ تو میرا فیورٹ ہے۔ اذہان فوراً سے بولا۔

”آپ کا تو فیورٹ ہے! مگر آپ کے بابا کو تو اس کا ٹیسٹ بالکل نہیں اچھا لگتا! اس لیے آج سے نوگو بھی! نوپاستہ! اذہان کے سامنے سے پلیٹ اٹھاتے ہوئے مایہ! نے کہا۔

”اس کا ٹیسٹ اتنا بھی خراب نہیں، آپ کے ہاتھوں سے تو یہ تھوڑا تھوڑا ٹیسٹی بھی لگ رہا ہیں، تو میں کھالونگا مئی! مایہ کے ہاتھ سے پلیٹ لیتے ہوئے اذہان نے معصومیت سے بات بنائی تھی جس پر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔“

”مئی! یہ بے بی کہا سے آتے ہے۔ اذہان کے اس غیر متوقع سوال پر مایہ کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

کیوں تم کیوں پوچھ رہے ہو مایہ کو تجسس ہوا

وہ میرا فرینڈ ہے نا "ساحل! وہ کہہ رہا تھا کہ ان کے گھر بے بی آنے والا ہے، تو اب وہ میرے ساتھ زیادہ نہیں کھیلے گا،" کیونکہ اب وہ اپنے بے بی! کے ساتھ کھیلے گا، تو میں نے بھی اس سے کہہ دیا میں بھی اپنی ممی سے کہوں گا! وہ مجھے بھی ایک چھوٹی بے بی گرل لادینگگی، لادینگگی گی نا،" تفصیل سے اپنے فرینڈ کا بتاتے ہوئے آخر میں معصومیت سے اپنے ماں سے پوچھا۔ جس پر مایہ کی جھنپ گئی پر احمد شاہ کی ہنسی چھوٹ گئی جس وہ فوراً ہی ضبط کر گیا تھا۔

"ہا،" "ہا،" جان بتاؤ لادو گی نا،" میرے بیٹے کو ایک ننھی سے شہزادی! ایک بے بی گرل! بالکل اپنے جیسی۔ مایہ کی حالت سے محضوظ ہوتے اپنے بیٹے کی سفارش کی تھی۔

"شاہ!!" دانت چبا کر بولی تھی۔

"بیٹا،" یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، ہم خود تو بے بی نہیں لاسکتے، ویسے بھی بچے ایسی باتیں نہیں کرتے۔ احمد کو آنکھیں دیکھاتے ہوئے مایہ! نے نرمی سے اذہان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”نہیں ممی! مجھے بھی بے بی! چاہیے بے بی! چاہیے، آپ اللہ تعالیٰ سے کہے، وہ ہمیں بھی بے بی گرل دیں۔ اذہان ضد پراڑا گیا تھا۔“

”اچھا، میرے بیٹے کو بے بی! چاہیے تو ہم لے آئیں گیں، لیکن بے بی! تو ان کو ہی ملتا ہے، جو بچے اچھے کام کرتے ہیں! بڑوں کی بات مانتے ہیں! اور بلاوجہ ضد نہیں کرتے، اب آپ بتاؤ آپ اچھے بچے ہو یا گندے بچے؟ احمد اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آتے ہوئے پنچوں کے بل بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے سمجھاتے ہوئے آخر میں سوال کیا۔“

لیکن بابا! ساحل! کا بے بی آجائے گا۔ اذہان افسردگی سے بولا۔“

”ایسا کبھی ہوا ہے! کہ میرے بیٹے نے کوئی فرمائش کی ہو اس کے بابا“ نے پوری نہ کی ہو! لیکن بیٹا اپنے بابا کو تھوڑا ٹائم تو دو اب بے بی! ہے کوئی ٹوئے تو ہے نہیں جو میں آپ کو لادوں! کیوں

جان؟ شروع میں اذہان کو لاڈ سے سمجھاتے ہوئے آخر میں شریر نظروں سے دیکھتے ہوئے تائید چاہی جس پر مایہ گڑ بڑا کر یہاں وہاں نظریں گھومائی۔“

”پرومس اذہان! نے فوراً سے ہاتھ آگے کیا۔“

”پکا پرومس! احمد! نے مایہ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ جس پر وہ اپنی جھنپ مٹانے کے لیے وہاں سے اٹھ کر ڈائینگ ہال سے باہر نکلی تھی اور سامنے سے آتی ہوئی نائمہ کو دیکھ اس کی طرف بڑھی جو اپنے ہینڈ کیری کے ساتھ اسی کی طرف آرہی تھی۔“



”شاہ! کچھ دنوں کی تو بات ہے، انکل آجائیں گیں، تو وہ چلی جائے گی۔ مایہ نے ریکوسٹ کی تھی۔“

جان! یہ تمہارا گھر ہے، تم جسے چاہے رکھ سکتی ہو! مگر مجھے اس سے اچھی وائس نہیں آتی، یہ منہ سے کچھ کہتی ہیں، اس کی نظریں کچھ اور۔ اجازت دیتے ہوئے احمد نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اس کی فطرت سے باخبر کیا تھا۔ جس پر سوچ میں پڑ گئی تھی۔“

”ڈیڈ! کو اچانک کسی میٹنگ کے لیے جانا پڑا ماما! تو ہے نہیں! اتنے بڑے گھر میں مجھے ڈر لگ رہا تھا تو میں یہاں آگئی! مجھے یقین ہے تمہیں برا نہیں لگے گا اگر میں کچھ دن تمہارے ساتھ رہوں۔ ناٹمہ کے کہے الفاظ یاد آئے تھے۔“

”شاہ! آپ کی بات اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن اب وہ آگئی ہے تو میں اسے جانے کے لیے تو نہیں کہہ سکتی نا“ مایہ! نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے بے بسی کا اظہار کیا تھا۔

”چلو جیسے تمہاری مرضی۔ گھمبیر لہجے میں کہتے ہوئے اس کے گرد بازو حائل کیے۔ اس اچانک افتاد پر وہ چونک گئی تھی۔

”اذہان کی فرمائش کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے شوخ لہجے میں استفسار کیا۔

”یہ آپ دونوں باپ! بیٹے! کا معاملہ میرا اس کیا لینا دینا۔ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ پیچھے دھکیلتے ہوئے اسی انداز میں جواب دیتی وہ باہر نکل گئی تھی جبکہ احمد شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔



”ایک نئی صبح کا آغاز ہوا تھا۔“ زندگی اپنے معمول پر روادا تھی۔“

”شاہ!! اٹھ جائیں!!“

بالوں میں برش کرتے ہوئے مایہ نے آواز لگائی تھی۔“

”آپ تو مجھے اذہان سے زیادہ تنگ کرتے ہیں، اتنا تو اذہان اٹھنے کے لیے پریشان نہیں کرتا۔

مصنوعی برہمی سے کہتے ہوئے اس کے پاس آئی تھی۔“

”شاہ!!“ شاہ!!“ کمرٹ ہٹاتے ہوئے مایہ نے آگے ہو کر آواز دی تھی۔ وہ جو جان کر سونے کے ڈرامے کر رہا تھا مایہ کے قریب آنے پر اس کا ہاتھ پکڑ کھینچا تو وہ اس کے اوپر گری تھی کھلے بال اس کے چہرے پر پھیل گئے تھے۔“

”انہہ!!! یہ کیا طریقہ ہے شاہ! جائے میں آپ سے بات نہیں کرتی۔ اپنی ناک مسلتے ہوئے اٹھتی مایہ نروٹھے پن سے بولی تھی۔“

”اوو!!“ کیا ہوا دیکھاؤ زیادہ تو نہیں لگی۔ فوراً سے اٹھتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے احمد نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔“

”بس! بس! اب میں آپ کی باتوں میں نہیں آنے والی، بہت اچھے سے جانتی ہو آپ کو۔ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے مایہ خفگی بولی تو احمد کے چہرے پر شریر مسکراہٹ آئی تھی۔“

”پہلے ہاتھ پکڑ کھینچا اب چوٹ دیکھنے کے بہانے آپ کا کرنا چاہتے ہیں، بہت اچھی طرح جانتی ہوں، اب آپ ایک بچے کے باپ بن چکے ہیں لیکن مجال ہے زرا سی شرم آپ کو چھو کر گزری ہو۔ کمرے پر ہاتھ دھرے لڑاکا عورتوں کی طرح چڑوڑی تھی۔“

”جان! تم نے وہ کھاوت نہیں سنی، جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم، اور میں اپنی شرعی بیوی کے ساتھ رومانس کر رہا ہوں کون سا پڑوس کی مسسز ہمدانی کے ساتھ کر رہا ہوں! وہ بیڈ سے نیچے اتر کر اس کی طرف آتے ہوئے اس کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے قریب کرتے ہوئے گھمبیرتا سے کہتے آخر میں شیر انداز سے بولا تو مسسز ہمدانی کے نام پھر اس نے آنکھیں سکیرٹی تھیں۔“

”ابھی تو ایک بچے کا باپ بنا ہوں؟ پر میرا ارادہ ہے پوری کرکٹ ٹیم بنانے کا ہے۔ اس کے چہرے آئی لٹ کو اپنی انگشت پر بل دیتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے بولا مگر آنکھوں سے شرارت صاف عیاں ہو رہی تھی، جس پر مایہ نے شرم سے نظریں جھکائی تھیں۔“

”اوو و سوری!!!“ میں شاید غلط وقت پر آگئی۔ اس پہلے کے احمد کچھ اور کہتا نامہ کمرے میں آئی تھی اور دونوں فوراً سے ایک دوسرے سے دور ہوئے۔ نامہ کو دیکھ کر احمد شاہ کے چہرے پر ناگواری در آئی اور فوراً سے واش روم میں بند ہوا جبکہ مایہ ابھی تک اپنی جھنپ مٹانے کے لیے یہاں وہاں نظریں گھما رہی تھی۔“

”تمہیں! کس نے کہا چائے لانے کے لیے، کسی کے روم میں آنے سے پہلے نوک کرنا چاہیے، اب تم بچی تو ہو نہیں جو تمہیں ہر بات بتانی پڑے۔ اس کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے لیتے ہوئے برہم ہوئی۔“

”وہ میں نے سوچا تم میرے اتنے کام آئی ہو تو میں بھی تمہارا کوئی کام.....!!“

”بس ٹھیک اب تم جاؤ! احمد! کاموڈ تم نے ویسے ہی خراب کر دیا ہے اگر واش روم سے نکلے اور تمہیں یہی دیکھا تو انہیں اچھا نہیں لگے گا۔ نامہ کی بات پوری ہونے سے قبل ہی مایہ نے ٹوکتے ہوئے بولی تو وہ منہ کے زاویے بدلتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھی۔“

”ہنہ !!! اُنھیں اچھا نہیں لگے یہ کیوں نہیں کہتی میری موجودگی تم سے برداشت نہیں ہو رہی۔ آڑے ترچھے منہ بناتے کہتی آخر میں سلگتے ہوئے خود کلامی کی۔“

”بہت جلد تمھاری جگہ میں ہو گئی! اور احمد شاہ کی محبت اس توجہ سب پر صرف میرا حق ہوگا، اس بار اپنا مقصد حاصل کیے بغیر میں یہاں سے نہیں جانے والی۔ اٹل لہجے میں خود کلامی کرتی ہوئی سیڑھیاں اتری تھی۔“



”ٹھیک ہے، میں آرہی تم پریشان نہ ہو۔ متفکر انداز میں فون پر کسی کو ہدایت دیتے ہوئے تیزی سے سیڑھیاں اتری تھی۔“

”اذہان بیٹا!“ میں زرا تمھاری نانو کی طرف جارہی ہوں، تم بھی ساتھ چلو۔ عجلت میں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مایہ نے کہا۔ وہ جو ڈرائنگ کرنے میں مصروف تھا اپنی ماں کی بات فوراً خوشی سے اچھل پڑا۔

”ممی! ہم نانو؟ کے پاس جارہے ہیں اوو واؤ۔ بے یقینی سے اذہان نے پوچھا تھا۔

ہمم!!

”بابا! بھی ساتھ چل رہے ہیں۔ اذہان نے اگلا سوال کیا تھا۔

”نہیں ہم شام تک واپس آجائیں گیں۔ اذہان کو ساتھ لے کر کمرے سے نکلتے ہوئے بتایا۔

”شمسو! جلدی سے گاڑی نکالو!! سکینہ بی! میں زرا اپنی امی کی طرف جارہی شاہ کو کال ملارہی ہوں، لیکن ان کا نمبر نہیں مل رہا شاید میٹنگ میں ہونگے، اگر ان کا نمبر مل گیا تو میں بتا دوں گی، ورنہ آپ بتا دیجیے گا، شام کو ہو سکتا ہے میں لیٹ ہو جاؤں۔ شمسو کو آواز دیتے ہوئے سکینہ بی! ہدایات دی تھیں۔ جولاؤنچ میں بیٹھی نائمہ نے بھی سن لی تھی۔

مایہ کے جاتے ہی نائمہ کچن میں آئی تھی، اور سٹول رکھ کر اپروالے کبنٹ سے کچھ نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔

”کیا چاہیے بی بی مجھے بتائیں میں نکال دیتی ہوں۔ سکینہ بی نے نائمہ کو کچھ ڈھونڈتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

وہ مجھے بھوک لگ رہی تھی تو سوچا اپنے لیے کچھ بنالوکل مایہ نے یہاں سے سبکیٹی نکال کر دی تھی سوچا آج بھی وہی بنالوں۔ سٹول سے اترتے ہوئے اس نے اپنے مدعہ بیان کیا تھا۔

”آپ ہٹیں! میں دیکھ کر دیتی ہوں۔ سکینہ بی نائمہ کو سائیڈ میں کرتے ہوئے خود سٹول پر چڑھی تھی۔

”وہاں! دیکھیں وہی ہونگی۔ نائمہ نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ سٹول کو پاؤں دھکا دیا تو

سکینہ بی دھڑام سے نیچے گری تھی، جس پر نائمہ کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

جاری..... ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم طیبہ

Episode 22

”شام کو جب احمد گھر آیا تو اسے کا استقبال خالی گھر نے کیا۔“

جان...!! اذہان....!!“ کہا گئیں۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے احمد نے آواز لگائی تھی مگر گھر میں کوئی ہوتا تو جواب دیتا۔“

”اس پہلے کے احمد! دوبار آواز دیتا اسے ٹیبل پر جو س کے گلاس کے ساتھ ایک چٹ نظر آئی جس پر نیلے رنگ کی سیاہی۔ ایک تحریر درج تھی۔“

”پریشان نہ ہو! جو س پیئے اور اپنا غصہ ختم کریں، صبح آپ کا موڈ خراب کر دیا تھا، جس کا ازالہ کرنے کے لیے آج سب کو چھٹی دیدی ہے، اذہان! بھی اپنے فرینڈ کی طرف گیا ہے، کمرے میں ایک سرپرائز آپ انتظار کر رہا ہے، آپ کی جان!“ آخر میں لکھا تھا تحریر پڑھنے کے بعد احمد شاہ کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی، صبح اس کا موڈ واقعی خراب ہو گیا تھا۔“

”آئی ڈونٹ بلیواٹ جان! تم بھی کبھی مجھے اس طرح کا سر پرانزدے سکتی ہو زیرے لب مسکراتے ہوئے خود کلامی کی تھی کے اگلی چٹ پر نظر پڑی۔

اور جوس کے دوسپ لیے تھے۔

”کمرے میں آئیں گیں، تو یقین بھی آجائے گا۔ اگلی چٹ پڑھ اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ مزید دو گھونٹ پی کر گلاس واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے اٹھا تھا۔“

”کمرے میں پہنچنے سے قبل ہی، کہیں میں خوشی سے ہی بے ہوش نہ ہو جاؤں!۔ زیرے لب کہتے احمد شاہ! سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے کی اور بڑھا۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کے اس کی اتنی چھوٹی موٹی سی بیوی کبھی ایسا بھی کچھ کر سکتی ہے۔“

”کمرے کا دروازہ کھولتے ہی گلاب کے پھولوں کی ”بھینی بھینی“ خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ پورے کمرے میں ملگجاسا اندھیر چھایا ہوا تھا کینڈلز کی مدھم مدھم سی روشنی میں اس کچھ بھی صاف نظر نہیں آرہا تھا۔“

”جان! آج نہ تو اینیور سری ہے، نہ ہم دونوں میں سے کسی کی برتھڈے؟۔ لائٹ اون کرنے کے لیے سوئچ پر ہاتھ رکھا تھا کہ کسی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے سوئچ اون کرنے سے روکا، انجان لمس محسوس کرتے ہی احمد شاہ کی چھٹی حس بیدار ہوئی اگل ہی پل اس کا سر چکرایا اور آنکھیں دھندلائی تھی۔“

”ملکجا اندھیرا ہونے کی وجہ سے اپنے سامنے کھڑی نائٹ کا چہرہ صاف نظر نہیں آیا، جس کا فائدہ اٹھا کر اس نے آگے بڑھ کر احمد شاہ کے گردن کے گرد بانہوں کا ہار ڈالا اس قدر بے باکی پر احمد شاہ بھونچکا کر رہ گیا تھا۔ اور نا آشنا لمس پر جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا تھا۔“

”تم میری مایہ! نہیں! کون ہو؟۔ احمد شاہ نے فوراً سے لائٹ اون کی۔ یک دم سے درشتگی در آئی تھی۔“

بلیک کلر کی نائیٹ میں فل میک اپ کے ساتھ وہ اس وقت کسی کو بھی اپنے سحر میں جکڑ سکتی تھی۔“

”تمھاری! ہمت کیسے ہوئی! اس طرح کا گھٹیا مذاق کرنے کی۔ طیش میں آتے ہوئے چلایا۔

”مجھے پہلے سمجھ جانا چاہیے تھا“ یہ گھٹیا حرکت تم ہی کر سکتی ہو! تمہیں کیا لگا! کمرے میں اندھیرا کر کے تم مجھے بیوقوف بنالو گی! تو یہ تمھاری غلط.....!!!“ اس سے پہلے کے احمد شاہ اپنی بات پوری کرتا اس کا سر بری طرح چکرایا اور قدم لڑکھڑائے۔“

”سنجھل کر!! چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے نائمہ نے آگے بڑھ کر تھا مناجاہا۔ پر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے وہی روک دیا۔ مگر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔“

”نکلو میرے کمرے.....!!“ احمد شاہ نے آگے بڑھ کر دھکا دینا چاہا پر اس کے قدم ڈگمگائے تو اس نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔“

”آج نہیں! احمد شاہ! آج وہی ہو گا جو میں چاہوں گی، اور تمہیں میرا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا، ختہ کے تم خود بھی نہیں!۔ دروازہ بند کرنے کے بعد اس کی جانب آہستہ آہستہ قدم

بڑھاتے ہوئے شاطرانہ انداز میں کہتی اس کی جانب بڑھی تھی۔ جبکہ اس نے اپنے قدم پیچھے کی طرف لیے تھے۔“

”د... دور... رہو!! مجھ سے۔ احمد شاہ نے قدم پیچھے کی جانب لیتے ہوئے اس خود سے دور رہنے کا کہتے پیچھے کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

”آج دور نہیں! پاس آؤ گی تمہارے! بہت پاس۔ نائیٹی کا پر اتارتے ہوئے وہ اس کی طرف بڑھی اور احمد شاہ کو بیڈ پر دھکا دیا، وہ چاہ کر بھی خود کو سنبھال نہیں پایا تھا۔“



”آج تو میری بہت کلاس لگنے والی ہے، شاہ کو بتایا بھی نہیں جانے سے پہلے، اب اتنی لیٹ ہو گئی ہوں۔ گاڑی سے اتر کر گھر میں داخل ہوتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔“

”شمسو!“ اذہان کو گود میں اٹھا کر گھر میں داخل ہوا۔ لیٹ ہونے کی وجہ سے وہ گاڑی میں ہی سو گیا تھا۔“

”شمسو!“ آپ اسے کمرے میں لیٹادیں اور دھیان سے اس کی نیند نہ خراب ہو۔ شمسو کو تاکید کرتے ہوئے مایہ سیڑھیاں چڑھی تھی۔“

”لگتا ہے شاہ! کچھ زیادہ ہی ناراض ہو گئیں ہیں، لیکن کوئی نہیں آپ کو منانا آچھے سے جانتی ہے آپ کی جان!۔ خود کو جان کہنے پر شرم سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔“

۱

”اپنی ہی دھن میں خود سے باتیں کرتی مایہ نے کمرے کا دروازہ ہکلیتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی، سامنے کا منظر دیکھ کر اسے لگا جسے کمرے کی چھت اس پر آگری ہو، اس کے پیرو کے نیچے سے کسی نے زمیں کھینچ لی ہو، پل بھر میں محبت کی ٹھنڈی چھاؤں سے تپتے صحرا میں لاکھڑا کیا ہو کسی نے، اپنی محبت کو یو کسی اور کی بانہوں میں دیکھنا اس کے لیے کس قدر اذیت ناک تھا یہ صرف وہی جانتی تھی اسے لگا گلے میں گھٹلی سی ابھری ایک آنسو ٹوٹ کر گال پر پھسلا گیا۔“



”اس قیامت کو گزرے تقریباً ایک ماہ ہونے کو آیا قیامت تو گزر گئی تھی، پیچھے ان کی خوشحال زندگی کو تہس نہس کر گئی تھی، احمد شاہ نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی اپنی صفائی دینی چاہی پر مایہ نے تو جیسے چپ سادھ رکھی تھی، اس نے نہ نائمہ سے کچھ پوچھا نہ ہی احمد شاہ سے کوئی سوال کیا۔“

”ڈانگ ہال میں موجود دونوں نفوس بظاہر کھانے میں مصروف تھے لیکن حلق سے ایک نوالہ نہیں اتر رہا تھا دونوں کے گلے سے۔“

”ممی! یہ کیا! آج آپ دونوں نے میرے بغیر ہی کھانا شروع کر دیا۔ اپنے ماں باپ کو کھانے کی پلیٹ میں چیخ چلاتے ہوئے دیکھ کر اذہان نے پوچھا تھا۔“

”نہیں میٹا! میں تو آپ کا ہی ویٹ کر رہی ہوں! اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر اپنے اندر کا درد چھپاتے ہوئے بولی۔“

”اور بابا!“ آپ؟

اب اذہان کا دھیان اپنے بابا کی جانب گیا تھا۔“

”میں بھی۔ بظاہر مسکرایا تھا۔“

”ممی! بابا! آپ دونوں میں کوئی فائٹ ہوئی ہے، بابا! اذہان کے ننھے سے زہن میں سوال اٹھا تھا۔“

”آپ کے ممی! بابا! کیوں ناراض ہونگے؟ آپ کی ممی! تو آپ کے بابا! کی بڑی سے بڑی غلطی معاف کر سکتی ہیں، کیوں مایہ؟ احمد شاہ! کی بائی سائیڈ کی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اذہان سے کہتے ہوئے، آخر میں اپنی بات کی مایہ سے تائید چاہی تھی۔“

”میرا ہو گیا!“ نائمہ کے آتے ہی احمد شاہ اپنی جگہ سے فوراً اٹھا تھا۔“

”اتناسب ہونے کے باوجود نائمہ! بے شرمی اور ڈھیٹائی سے ابھی تک یہی ٹکی ہوئی تھی، اس کا کہنا تھا جو بھی ہوا دونوں کی مرضی اور خوشی سے ہوا“ جس پر نہ ہی اسے کوئی شرمندگی ہے نہ ہی افسوس“ احمد شاہ! نے زبردستی نکالنا چاہا تو نائمہ! نے اپنی اور احمد شاہ کی نازیبا تصاویر وائرل

کرنے کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ جو بات ابھی تک اس گھر تک محدود ہے اسے پوری شہر میں پھیلا دوں گی، جس کا احمد شاہ کو تو فرق نہیں پڑا تھا۔“ پر مایہ نے یہ کہہ کر احمد شاہ کو خاموش کر دیا تھا۔“ کے اس کی برداشت ختم ہو گئی ہے، اس زیادہ کچھ ہوا تو وہ اپنی جان لے لے گی۔“

”نہیں آپ دونوں بیٹھیں، میں ہی چلی جاتی ہوں! کر سی پیچھے دھکیلتے ہوئے مایہ! کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی اور بنا کوئی جواب سننے وہاں سے تیزی سے نکلتی چلی گئی احمد شاہ! بھی اس کے پیچھے ہی گیا تھا۔“

”دراڑ تو ڈال ہی دی ہے، بہت جلد تم دونوں کے اس رشتے کو توڑ بھی دوں گی۔ کھیرا اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے شاطرانہ انداز زیرے لب بولی۔“

”اذہان! یہ سب سمجھنے کی کوشش کرتا رہا جو اس کے ننھے زہن کے بس کی بات نہیں تھی۔“



”کمرے میں آتے ہی کبرڈ سے اپنا ہینڈ کیری نکال کر اس میں اپنے کپڑے رکھنے لگی تھی۔“

”مجھے تو سمجھ نہیں آتی تم نے احمد شاہ! جیسے دل پھینک شخص سے شادی کیسے کر لی! کالج کی کوئی ایسی لڑکی جس سے احمد شاہ! کا افسیر نہ ہو! لڑکیوں کو ٹیشوں پیپر کی طرح استعمال کرتا تھا، پھر تم جیسی لڑکی اس کی باتوں میں کیسے آگئی۔ نائمہ کے کہے لفظوں کی بازگشت یاد کرتے مایہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جڑ گئی تھی جسے وہ بے دردی سے اپنے ہاتھ سے رگڑ کر گئی۔“

”جان! یہ کیا کر.....! کمرے میں داخل ہوتے ہی احمد شاہ نے مایہ کو پیکنگ کرتے ہوئے دیکھ کر کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھی کی بات پوری ہونے سے قبل ہی مایہ نے سخت نظروں سے دیکھا تھا۔“

”تم مجھے سے لڑو! مجھے برا بھلا کہوں! چاہو تو مار لو! لیکن پلیز یو چپ مت رہو! اور مجھے یوں چھوڑ کر جانے سے اچھا تم میری جان لے لو!“ مایہ کے ہاتھوں سے کپڑے لے کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے کندھوں سے پکڑ کر ٹوٹے ہوئے لہجے میں احمد شاہ نے التجاء کی تھی۔ اس کی سرخ ہوتی آنکھیں بتا رہی تھی کہ اُس کی طرح وہ بھی کئی راتوں سے سویا نہیں تھا۔“

”جان! تمھاری یہ بے رخی میری جان لے رہی، پلیز! کچھ تو کہوں ہماری شادی کو اتنا عرصہ ہو گیا اتنے عرصے میں تم اپنے شاہ! کو اتنا بھی نہیں جان سکی؟۔ اس کا چہرہ ہاتھ کے پیالے میں لیے اس کے لہجے سے اس کی تڑپ عیاں ہو رہی تھی۔ جس کی تاب نہ لاتے ہوئے مایہ نے رخ پھیر لیا تھا۔“

”تم اس طرح منہ نہیں موڑ سکتی، آج تمھیں جواب دینا ہوگا“ اس کے سامنے آتے ہوئے احمد شاہ اپنے سوال کا جواب مانگا تھا احساس جرم اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ تو مایہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر دیکھا تو سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں اس صرف سچ ہی نظر آیا تھا۔“

”میں تمھارے سر کی قسم کھا کر کہتا ہوں! مجھے نہیں پتہ تھا“ کے کمرے میں تم نہیں ہو! جب پتہ چلا کہ تمھاری جگہ وہ ہے، میں تو اسے کمرے سے نکلانے کے لیے آگے بڑھا“ پھر پتا نہیں کیا ہوا کب میں اپنے ہوش گوا بیٹھا، ہوش جب آئی جب میری میرا چین میرا سکون مجھ سے منہ موڑ چکا تھا۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ساری بات تفصیل سے بیان کی تھی۔ جس پر مایہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر سے نمکین پانی بھر آیا تھا۔“

”میں بے وفا نہیں ہو جان! اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے احمد شاہ نے اپنے باوفا ہونے کا یقین دلا یا۔“

”اگر آپ کی جگہ میں، اور میری جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے؟۔ بھرائی ہوئی آواز میں اٹکتے ہوئے مایہ نے سوال کیا تھا۔“

”تم پر یقین کرتا کیوں کہ میں جانتا ہوں، میری جان! کبھی ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔ متانت سے جواب دیا جسے سن کر مایہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔“

”کہنا کتنا آسان ہوتا ہے، لیکن کرنا اتنا ہی مشکل۔ کرب سے کہتے ہوئے ایک آنسو ٹوٹ کر گال پر پھسلا جسے وہ بے دردی سے اپنے ہاتھ سے رگڑ کر صاف کر گئی تھی۔“

”آپ فکر نہیں کریں! گھر چھوڑ کر نہیں صرف یہ کمر اچھوڑ کر جا رہی ہوں! دوبار اپنے کپڑے کمرڈ سے نکالتے ہوئے بولی احمد شاہ نے بنا کچھ سائیڈ ٹیبل کے دراز سے اپنی پستول نکال کر اس کے راستے میں حائل ہوا۔“

”میں تمہیں روکو گا نہیں! لیکن یہاں سے جانے سے پہلے ایک احسان کر دو، میری محبت پر تو تمہیں یقین نہیں! مگر تم تو سچی محبت کرتی ہونا مجھ سے، تمہیں اسی محبت کی قسم مجھے ”پل پل“ مرنے کے لیے نا“ چھوڑ کر جانا“ تمہاری چپ تو سہ گیا“ پر تم سے دوری سہ نہیں پاؤں گا۔ مایہ کے ہاتھ پر پستول رکھتے ہوئے احمد کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر بہہ گیا تھا۔ شاہ کی بات سن کر مایہ! کا دل کٹ کر رہ گیا تھا پستول جھٹکے سے ایک طرف پھینکتی احمد کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رودی تو شاہ نے بھی اس کے گرد بازو حائل کیے تھے۔“



”ان دونوں کے بیچ جی برف پگھلنے لگی تھی جو کہ نائمہ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔“

کمرے میں جلے پیر کی بلی بنی اپنے شیطانی دماغ کے گھوڑے ڈورارہی تھی، بہت سوچ بیچار کے بعد بھی اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنی بات کی سچائی ثابت کر کے احمد شاہ کی زندگی میں شامل ہو، کیونکہ اب جب ان دونوں میں سب ٹھیک ہونے لگا تھا تو احمد شاہ کو بھی

سوچنے سمجھنے کا موقع مل گیا جس پر عمل کرتے ہوئے اس نے نائمہ کو چوبیس گھنٹے کا وقت دیا تھا اس گھر سے جانے کے لیے۔“

”نہیں! اب میں اس گھر سے کہیں نہیں جانے والی، چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، لیکن اتنا سب کرنے کا کچھ اثر نہیں ہوا تو اور کس بات کا اثر ہو گا۔ خود ہی سوال کرتی اور خود ہی جواب دے رہی تھی۔“

”اپنی ہی سوچوں غلطیاں تھی، کے باہر سے آتی ہوئی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا وہ فوراً سے دروازے کے اور لپکی۔“

”پریشانی کی کوئی بات نہیں ایسی حالت میں اکثر ایسے ہو جاتا۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ڈاکٹر نے پرفیشنل انداز میں کہا۔“

”مطلب آپ کہنا چاہتی ہے کہ...!“ احمد شاہ نے جیسے تصدیق چاہی ہو۔ جس پر ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تصدیق کی تو احمد شاہ کی آنکھیں چمک اٹھی تھی۔“

”دروازے کی اوٹ سے باتیں سنتی نائمہ پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔“

”وہ تو یہاں ان دونوں کو الگ کر کے اپنی جگہ بنانے آئی تھی، پر یہ خبر تو ان دونوں کو اور پاس لے آئی گی، یہ سوچ کر ہی نائمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ غصے سے لال پیلی ہوتے ڈریسنگ کے سامنے آئی تھی۔“

”آخر ایسا کیا ہے اس میں! جو مجھ میں نہیں! کوئی نائمہ چودھری! کو نظر انداز کرے ایسا میں ہر گز نہیں ہونے دوں گی، تمہیں میں اپنا بنا کر رہو گی، اگر تم میرے نہ ہوئے پھر میں تمہیں اس کا بھی رہنے نہیں دوں گی۔ اپنے بالوں مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے اس کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔“

”دروازے پر ہوتی دستک نے نائمہ! کو اپنی اور متوجہ کیا تھا جس وہ نظر انداز کر گئی تھی۔“

”ایک بار پھر سے دروازے پر دستک نے توجہ اپنی جانب مبذول کرائی جسے وہ چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کر پائی، پیر پٹھتے ہوئے جا کر دروازہ کھولا تھا۔“

”کیا مصیبت ہے!!“

دروازہ کھولتے ہی نائمہ کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔“

”وہ صاحب جی! کہہ رہے ہیں آپ نے اپنا سامان پیک کر لیا ہے تو چلیں! باہر گاڑی تیار ہے ڈرائیو آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آئے گا۔ سکینہ بی نے مودبانہ انداز میں احمد شاہ کا پیغام دیا۔“

”اپنے صاحب کو بولو! انہوں نے مجھ پر جو احسان کرنا تھا“ کر لیا اب اور احسان کرنے کی ضرورت نہیں، مجھے جب جانا ہو گا میں خود چلی جاؤ گی۔ جبرے بھنچ کر کہتے ہوئے دھڑام سے سکینہ بی! کے منہ پر دروازہ بند کیا تھا۔“

”اس مایہ! کی وجہ سے تم مجھے یہاں سے نکال رہے ہونا“ اب وہ خود روکے گی مجھے۔ کچھ سوچتے ہوئے نائمہ کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ ابھری تھی۔“



مایہ! یہ خبر سن کر خوش تو ہوئی تھی پر دل میں بھی اب ایک خلش تھی اپنے شاہ! پر تو اسے پورا یقین تھا! بس کچھ وقت کے لیے وہ نائمہ کی باتوں میں آگئی تھیں، کھڑکی سے باہر لان میں

دیکھتی وہ اپنی ہی سوچوں کے دھاروں میں کہی دور جانگی تھی دروازے پر ہوتی دستک نے واپس ہوش کی دنیا میں لے آئی تھی۔“

آجاؤ...!“ اسی طرح کھڑے ہوئے مایہ نے اجازت دی تھی دروازے کا نوب گھوما کر دروازے کو دھکیلتے ہوئے نائمہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔“

”تم!!“ گئی نہیں ابھی تک؟۔ پلٹ کر نائمہ کو دیکھتے ہی وہ مشتعل ہوئی۔“

”بس جانے ہی لگی ہوں! پر جانے سے قبل ایک حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری تھا“ اور احمد!!.....

”جو بھی کہنا ہے ”صاف صاف“ کہو! پہلیاں بجھانے کی کوشش مت کرو! نائمہ کی بات پوری ہونے سے قبل ہی سرد تاثرات کے ساتھ دو ٹوک انداز میں کہا۔“

”چاہتی تو میں یہ خبر تم لوگوں سے چھپا سکتی ہوں! اسے استعمال کر کے تم لوگوں سے بدلہ بھی چاہوں لے سکتی ہو! مگر تم لوگوں کے کیے کی سزا اس بچے کو نہیں دینا چاہتی! میں احمد شاہ! کے

بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ نائمہ کے کہے الفاظ مایہ پر بجلی بن کر گرے تھے اور وہ دو قدم لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی تھی۔“

”تت.. تم جھوٹ کہہ رہی ہو ایسا نہیں ہو سکتا!۔ مایہ نے بے یقینی کے عالم میں بولی تھی۔“

”مجھے معلوم تھا کہ تم میری بات کا یقین نہیں کرو گی، اسی لیے میں اپنے ساتھ ثبوت لے کر آئی ہوں! اگر احمد نے اس بچے کو اپنا نام نہ دیا“ تو میں اپنے ساتھ اس کی بھی جان لے لوں گی، ایک نوٹ لکھ کر جاؤنگی کہ میری اور میرے بچے کی موت کی وجہ تمہارا احمد شاہ ہے۔ سفید رنگ کا لفافہ مایہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے سفاکیت سے اپنی بات کہتی اس کی سنے بغیر ہی وہاں سے تیزی سے نکلتی چلی گئی تھی پیچھے مایہ کو لگا تھا جیسے کوئی اس جسم سے روح کھینچ کر لے گیا ہوں۔“



”تم جانتی بھی تو کیا کہہ رہی ہو! تم مجھے ایک ناکردہ گناہ کی سزا سنار ہی ہو۔ سرد تاثرات کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے احمد شاہ کے ذہن میں مایہ کے کہہ الفاظ گونجے تھے۔“

”آپ سے زیادہ یہ میرے لیے تکلیف دہ بات ہے، جب میں آپ کو اجازت دے رہی تو پھر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ تیج پلٹ کر دوسرے تیج پر دستخط کئے تھے۔“

”آپ کو میری قسم ہے شاہ! آپ اس بچے کو اپنا نام دیں گیس، میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے ایک ننھی سی جان اس دنیا میں آنے پہلے ہی لوگوں کی نظروں میں سوالیہ نشان بن جائے۔

آخری تیج پر دستخط کرتے ہوئے احمد شاہ فوراً سے پیشتر وہاں سے اٹھ کر تیزی سے نکلتا چلا گیا۔ سنگل صوفے پر بیٹھی نائمہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی آخر آج وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔“



”وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ گزر ہی جاتا ہے چاہے اچھا ہو یا برا چند ماہ یو نہی گزر گئے تھے، احمد شاہ نے نائمہ کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اس نے یہ نکاح صرف اور صرف اس بچے کو اپنا نام

دینے کی خاطر کیا اس رات جو ہو اسوہو لیکن یہ نکاح صرف کاغذ کی حد تک محدود رہے گا تم جب چاہو میں تمہیں اس بندھن سے آزاد کر دوں گا جس پر فل وقت نائمہ نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔“

”نائمہ کے مجبور کرنے پر مایہ نے نکاح کروا تو دیا تھا“ پر اب یہی بات اندر ہی اندر کھائے جارہی تھی جس وجہ سے دن بہ دن اس کی طبیعت گرتی جارہی تھی۔

ذہنی دباؤ کی وجہ ڈپریشن کا شکار رہتی اور بلڈ پریشر بھی ہائی رہنے لگا تھا۔“

”جان یہ میں کیا سن رہا ہوں! تم نے آج بھی سار دن کچھ نہیں کھایا“ اور میڈیسن تک نہیں لی دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے احمد شاہ متفکرانہ انداز میں استفسار کیا جو کھڑکی سے باہر کسی غیر مرئی نکتے کو دیکھنے میں مصروف تھی۔“

”جان.....!!“ ایک بار پھر پکارنے پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

کچھ کہا آپ نے۔ نا سمجھی سے پوچھا۔“

”تم جانتی ہو! میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا میں نے جو بھی کیا تمہارے کہنے پر کیا پھر تم کیوں خود کو تکلیف پہنچا کر مجھے افیت دے رہی ہو۔ اس کے سامنے آ کر کہتے ہوئے اس کے لہجے میں کرب نمایاں تھا۔“

”شاہ! اگر مجھے کچھ ہو گیا تو آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں!!“.....

مایہ.....!!!“ خبردار جو اس طرح کی بات تم نے آئندہ اپنے منہ سے نکالی۔ غیر متوقع سوال پر احمد شاہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔“

”موت تو برحق ہے نا“ ہم سب نے ہی ایک نہ ایک دن مرنا ہے، جو جتنی جلدی اس دنیا سے جائے گا اس کی مشکلیں اتنی جلدی ختم ہونگی، اور مجھے لگتا ہے میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ کرب سے کہتے ہوئے مایہ کی آنکھوں سے پانی چھلکا احمد شاہ کو ایس لگا کسی نے ہاتھ ڈال کر اس کے سینے سے دل نکال لیا ہو فوراً اسے اسے خود میں بھنچ گیا تھا۔“

”شاہ! میں مرنا نہیں چاہتی میرا بیٹا ابھی بہت چھوٹا ہے، اسے میری ضرورت ہے، لیکن زندگی کی ان مشکلوں نے بہت تھکا دیا ہے۔ اس سے الگ ہوتے مایہ کے انداز میں درد صاف عیاں تھا۔“

تمہارے بیٹے کے ساتھ مجھے بھی تمہاری ضرورت ہے، پلیز! ایسی باتیں نہ کرو تمہیں کچھ نہیں ہوگا، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا، اذہان کے ساتھ ہمارے دوسرے بے بی کو بھی تمہاری ضرورت ہے۔ مایہ کو اپنے ساتھ لگتے ہوئے احمد شاہ پیار سے سمجھاتے ہوئے اس کے بالوں کو سہلایا تھا۔

”شاہ!!.....“

”دششش....!!“ اب تم کچھ نہیں بولو گی۔ ادھر آؤ ادھر بیٹھو اس کے ہونٹوں پر پرانگی رکھ کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پر بیٹھایا۔“

”یہ دودھ پیو! پھر آج میں تمہیں ایک کہانی سناؤں گا“ دودھ کا گلاس اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا بولا۔“

”مجھے نہیں پینا“ مایہ نے بے دلی سے مناں کیا۔“

”وہ تم اذہان! کو کیا کہتی ہو۔ شوخ و پر تجسس انداز میں سوال کیا۔“

”کیا.....! مایہ سمجھی نہیں تھی۔“

”اگر تم یہ دودھ کا گلاس جلدی سے فنیش کرو گے تو مئی آپ کو ایک کس کر پیار کی جھپی دیں گی۔ احمد کے یاد دلانے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔“

”تمہیں! چاہئے پیار کی جھپی۔ مایہ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر اسے چھڑا تو وہ بنا کچھ کہے نظریں چرا گئی تھی۔“

”اب کہانی سننی ہے یا.....!!“ اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر سائیڈ میں رکھتے ہوئے اس کے پہلوں میں بیٹھا تھا۔“

”کہانی..! اس کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی تھی۔“

”چلو جیسے تمھاری مرضی کندھے کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے کہا۔“

”ایک نوجوان اپنی زندگی کے معاملات سے کافی پریشان تھا۔ احمد شاہ نے بولنا شروع کیا۔

اک روز ایک درویش سے ملاقات ہو گئی تو اپنا حال کہہ سنایا۔

کہنے لگا کہ بہت پریشان ہوں۔ یہ دکھ اور پریشانیاں اب میری برداشت ہے باہر ہیں۔ لگتا ہے
شائد میری موت ہی مجھے ان غموں سے نجات دلا سکتی ہے۔ رسان سے بولتے ہوئے ایک نظر
مایہ کو دیکھا جو ہم تن گوش اسے ہی سن رہی تھی

درویش نے اس کی بات سنی اور کہا

جاؤ اور نمک لے کر آؤ۔

نوجوان حیران تو ہوا کہ میری بات کا نمک سے کیا تعلق پر پھر بھی لے آیا۔

درویش نے کہا

پانی کے گلاس میں ایک مٹھی نمک ڈالو اور اسے پی لو۔

کہتے ہوئے پل بھر کو ٹھہرا۔

نوجوان نے ایسا ہی کیا تو درویش نے پوچھا:

اس کا ذائقہ کیسا لگا ؟

نوجوان تھوکتے ہوئے بولا

بہت ہی خراب، ایک دم کھارا

درویش مسکراتے ہوئے بولا

اب ایک مٹھی نمک لے کر میرے ساتھ اس سامنے والی جھیل تک چلو۔

صاف پانی سے بنی اس جھیل کے سامنے پہنچ کر درویش نے کہا

چلو اب اس مٹھی بھر نمک کو پانی میں ڈال دو اور پھر اس جھیل کا پانی پیو۔

نوجوان پانی پینے لگا، تو درویش نے پوچھا

بتاؤ اس کا ذائقہ کیسا ہے، کیا اب بھی تمہیں یہ کھار لگ رہا ہے ؟

نوجوان بولا

نہیں، یہ تو میٹھا ہے۔ بہت اچھا ہے۔

درویش نوجوان کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا

ہمارے دکھ بالکل اسی نمک کی طرح ہیں۔ جتنا نمک گلاس میں ڈالا تھا اتنا ہی جھیل میں ڈالا ہے۔
مگر گلاس کا پانی کڑوا ہو گیا اور جھیل کے پانی کو مٹھی بھر نمک سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ کہانی کے
آخر تک پہنچ کر احمد نے مایہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جو خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔
اسی طرح انسان بھی اپنے اپنے ظرف کے مطابق تکلیفوں کا ذائقہ محسوس کرتے ہیں۔

جب تمہیں کوئی دکھ ملے تو خود کو بڑا کر لو، گلاس مت بنے رہو بلکہ جھیل بن جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ یقین رکھنا چاہیے کہ جتنے بھی دکھ آئیں ہماری برداشت سے بڑھ کر نہیں ہوں گے۔ کہانی ختم کرتے ہوئے آخر میں تصحیح کی۔

اور میں جانتا ہوں، میری جان کا ظرف گلاس کی طرح نہیں بلکہ اس جھیل کے مانند ہے۔ بہت نرمی سے احمد شاہ نے اپنی بات سمجھائی۔ جو اس کی سمجھ میں آگئی تھی اس کے سینے پر سر رکھے آنکھیں موند گئی تھی۔

”ممی.... ممی...!! ایک دم ہی دروازہ کھولتے ہوئے اذہان! کمرے میں داخل ہوا تھا جس پر مایہ فوراً سے شاہ سے دور ہوئی تھی۔“

باپ کے رومانس کا دشمن زیرے لب لب بڑ بڑایا تھا۔

اذہان بیٹا! آپ کی ممی میری بھی بیوی ہے، تھوڑا سا ٹائم مجھے بھی دینے دیا کرو۔ یاد کرو اتے ہوئے ریکوسٹ کی تھی۔“

”بابا! آپ کی بیوی جب تک تھی، جب تک میں اس دنیا میں نہیں آیا، اب! یہ صرف میری ممی ہے۔ بیڈ پر چڑھ کر مایہ کے گلے کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے اذہان نے حق جتایا تو مایہ کے لب بے ساختہ مسکرائے تھے۔ احمد شاہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔“

”بالکل بھی نہیں! پہلے میری بیوی ہے بعد میں تمھاری ماں! دوسری جانب احمد شاہ نے دونوں کو اپنے حصار میں لیتے ہوئے محبت بھرے انداز میں حق جمایا۔“

”ممی....!! اذہان نروٹھے پن سے بولا۔

”شاہ! میرے بیٹے کو تنگ نا“ کریں۔ اذہان کی حمایت کرنے پر احمد شاہ کا منہ لٹک گیا تھا۔“

”اچھا ٹھیک ہے، آپ کی بھی تھوڑی سی بیوی ہیں! بس۔ اپنے باپ لٹکا ہوا چہرہ دیکھ کر اذہان نے جیسے احسان عظیم کیا ہو۔ جس پر احمد کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔

”بیٹا“ آپ ابھی تک سوئے کیوں نہیں صبح سکول نہیں جانا“ اذہان کے ماتھے سے بال سائیڈ میں کرتے ہوئے سوال کیا۔“

”وہ ممی! میں آپ سے پوچھنے آیا تھا میری بے بی سسٹر آنے میں کتنے ٹائم رہ گیا ہے۔ اذہان نے معصومیت سے جاننا چاہا۔“

”کیوں تم کیوں پوچھ رہے ہو۔ احمد نے استفسار کیا“

میں نے اپنی سسٹر کا نام سوچ لیا ہے، ہم اس کا نام علیزہ رکھے گے، آپ بس جلدی سے لے آئیں میری سسٹر مجھے اس اپنی گود میں اٹھانا ہے۔ چہک کر بتاتے ہوئے پر جوش ہوا تھا۔“

”آرام سے! آرام سے! اگر تم اپنی ممی کے ہو تو پھر وہ میری بیٹی ہوگی، تھوڑی سی تمھاری سسٹر بھی بن جائے گی، لیکن پہلے یہ تو بتاؤ تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ بے بی سسٹر ہی ہوگی ہو سکتا ہے بے بی بوائے ہو۔ اذہان کو تنگ کرتے ہوئے آخر میں سوال کرتے دوسری جانب دھیان دلایا۔“

”ممی! نے کہا اگر ہم سچے دل اور پورے یقین سے خدا سے کچھ مانگے تو وہ اپنے بندوں کو ضرور نوازتا ہے۔ معصومیت سے اذہان نے وہ بات کہی تھی جو شاید وہ دونوں بھول گئیں تھیں۔“



”وقت پر لگا کر اڑ گیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈیلیوری کا وقت قریب آ گیا تھا نائمہ نے اس بیچ کچھ نہیں کیا یہی بات احمد شاہ کے لیے حیران کن تھی جبکہ وہ بس اپنے کام سے کام رکھتی زیادہ تر ٹائم اپنے کمرے میں گزارتی ڈاکٹر کے پاس بھی خود ہی چلی جاتی کبھی احمد شاہ پر اپنا حق نہیں جتایا جس کی وجہ سے مایہ کے دل میں اس کے لیے سوفٹ کونز بن گیا تھا۔“

”آج میرا دل نہیں چاہ رہا،“ افس جانے کا اگر کہوں تو چھٹی کر لوں۔ وہ جو دور ازے تک چھوڑنے آئی تھی اس کے کندھے کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے محبت پاش لہجے میں استفسار کیا تھا۔ تو وہ شرم سے نظریں جھکا گئی تھیں۔“

”جب تم ایسے شرماتی ہو د لہے کا دھڑکتا ہے سینہ!“

مایہ کے شرمانے پر گانے کی لائن گنگناتے ہوئے آگے جھکنے لگا تھا کہ داخلی دروازے سے اذہان اپنا سکول بیگ سنبھالتے ہوئے باہر نکال تو گڑ گڑا کر فوراً سے الگ ہوا تھا۔“

”چلیں بابا!“ اذہان نے کہنے پر احمد شاہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ جبکہ مایہ نے اپنی ہنسی ضبط کی تھی۔“

”ویسے بیٹا تمہاری ٹائمنگ اتنی پرفیکٹ کیسے ہے۔ اذہان کو گاڑی میں بیٹھاتے ہوئے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔“

”اب میں نے کیا، کیا آپ ہی تو کہہ رہے تھے، جلدی کرو۔ اذہان نے معصومیت سے جواب دیا تو وہ لاجواب ہو گیا۔“

”جی ساری غلطی ہی میری ہے۔ سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے جل کر کہا۔“

”اور تم سے تو شام کو نمٹوگا۔ معنی خیز دھمکی دیتے ہوئے اس کے ماتھے پر لب رکھتے اس الوداع کہا۔

”کون جانتا تھا“ کے اب وہ شام کبھی نہیں آئیگی یہ کچھ لمحوں کو دوری ہمیشہ کی جدائی میں بدل جائیگی۔“



”میں! تم سے جو کہہ رہی ہوں! بس وہی کرو باقی سب میں خود دیکھ لوں گی۔ تنفر سے کہہ رہی تھی۔“

”مایہ! جو دونوں کو بھیج کر نائمہ! سے بات کرنے کے ارادے سے آئی تھی اس کی آواز پر اس کے قدم دروازے کے باہر ہی رک گئے تھے۔“

”میں جانتی ہوں! جھوٹ کے سہارے احمد شاہ! کی زندگی میں شامل ہوئی ہوں، پر تم ہی بتاؤ جس شخص نے بے ہوشی کی حالت میں بھی مجھے اپنے قریب نہ آنے دیا ہو! تو پھر یہ سچ کیسے ہو سکتا تھا“ کان سے فون لگائے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگتے ہوئے بولی

”دروازے کے باہر کھڑی مایہ کو لگا تھا جیسے اس پر چھت گری ہو وہ وہی پتھر اگئی تھی۔“

”جب تک اس کی وہ محبوبہ زندہ ہے، احمد شاہ میری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا“ اتنا تو میں جان گئی ہوں! اب ویسے بھی میرا مقصد اس مایہ کو راستے سے ہٹانا اس کے بچوں در بدر کرنا“ اور احمد شاہ کو اس کی محبت کے لیے پل پل تڑپتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں اتنا آگے آنے کے بعد خالی ہاتھ واپس میں بھی نہیں آؤنگی۔ متفرد انداز میں کہتے ہوئے آنکھوں میں وحشت اتر تھی۔“

نائمہ کے الفاظ سن کر مایہ کے قدم لڑکھڑائے تھے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا آنکھوں سے نمکین پانی بہنے لگا تھا۔ پاس پڑے گلدان پر ہاتھ لگنے سے گر کر ایسے بکھرا جیسے اس وقت مایہ کے دل کے ٹکڑے ہوئے تھے۔“

”کچھ ٹوٹنے کی آواز پر نائمہ! چو کننا ہوئی تھی فوراً سے اٹھ کر باہر کی طرف بڑھی تھی۔ تم ایک منٹ رکو شاید باہر کوئی ہے۔ فون بند کر کے بیڈ سے اتری

”مایہ! خود پر ضبط کرتے تیزی سے وہاں سے نکل کر اپنے کمرے جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھی تھی اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کرے آدھے راستے میں ہی سر چکرانے کی وجہ سے پاؤں مڑا تھا اور وہ پیٹ کے بل گری اور بل کھاتی ہوئی اپر سے نیچے آئی تھی۔“

”نائمہ! کمرے سے باہر نکلی تو سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ ابھری تھی۔“

”شاہ.....!!!“ دل خراش چیخ پورے گھر میں گونجی دونوں بازوؤں اپنے پیٹ پر لیٹے مایہ درد سے کراہتے ہوئے بے ہوش ہو گئی تھی سامنے کھڑی نائمہ اس کی بے بسی کا تماشا دیکھتی رہی۔“

جاری..... ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم طیبہ

Episode 23

”اُئی سی یو کے باہر بیٹھے احمد شاہ! کی مضطرب نگاہیں لال بتی پر ٹکی تھی، اور دل سے بس ایک ہی دُعا نکل رہی تھی کہ یا خدا میری بیوی بچے کی زندگی بخش دیں، اگر کسی کی جان ہی لینی ہے تو میری لے لے پر خدا کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔“

”ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، دوسری جانب نائمہ! بھی لیبر پین کا کہہ کر ہاسپٹل میں اڈمیٹ ہو گئی تھی، ایک طرف مایہ! کی حالت تھی تو دوسری طرف نا“ چاہتے ہوئے بھی نائمہ! کی فکر ہو رہی تھی، آخر کو وہ بھی اس کی نظر میں اس بچے کی جھنم دینے جا رہی تھی۔“

”شاہ! آگر مجھے کچھ ہو گیا تو آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں.....!!!“ مایہ کے کہے الفاظ یاد کرتے ہوئے احمد نے کرب سے آنکھیں میچ لی دو موتی ٹوٹ کر بہہ گئے تھیں۔“

”آئی سی یو کی لال بتی بند ہوئی تو احمد شاہ! کی بے چینی مزید بڑھ گئی فوراً سے اس جانب بڑھا جہاں سے اپنے مخصوص لباس میں ڈاکٹر چہرے سے ماسک اتارتے ہوئے باہر نکلی تھی۔“

”میری وائف کیسی ہے۔ بلا توقف کے پوچھا تھا۔“

”جی وہ.....!!“ احمد کی بے قراری کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر نے تمہید باندھی تھی۔“

”میری وائف ٹھیک ہے نا“ اسے کچھ ہوا تو نہیں اور میرا بچہ!“ آپ کچھ بولتی کیوں نہیں۔

ڈاکٹر کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھتے ہوئے احمد کی بے چینی مزید بڑھ گئی تھی۔“

”گرنے کے باعث آپ کی وائف حالت بہت کریٹیکل تھی جس کی وجہ سے آپ کے بچے کو ہم

نہیں بچا سکے!!“ ڈاکٹر نے پرفیشنل انداز میں بتانا شروع کیا تو احمد شاہ! کو لگا جیسے کسی نے اس

کے پیرو کے نیچے سے زمین کھینچ لی ہو۔

میری وائف! احمد شاہ نے لرزتی ہوئی آواز میں جاننا چاہا آنکھوں میں نمکین پانی بھر آیا تھا۔“

”وہ آپ کو بلارہی ہے، ان کے پاس وقت نہیں ہے آپ جا کر مل لیں۔ ڈاکٹر کی بات سن کر اسے لگا جیسے ہاسپٹل کی چھت اس پر اگری ہو۔ وہ برق رفتاری سے آگے بڑھا تھا کہ دوسرے روم سے ڈاکٹر نکلی تھی جسے دیکھ کر احمد شاہ کے قدم رکے تو ڈاکٹر اس کی جانب آئی تھی۔“

”مبارک ہو مسٹر شاہ! آپ کی بیٹی ہوئی ہے، ڈاکٹر نے پرفیشنل انداز میں کہا تو بیک وقت خوشی اور دکھ ملنے پر وہ سمجھ نہیں پایا کہ کس طرح ریکٹ کرے۔“

”نائمہ!“ کا پوچھے بغیر ہی وہ آئی سی یو کی اور بڑھ گیا تھا۔“

”روم میں داخل ہوتے ہی نظر سامنے مشینوں میں جکڑی مایہ پڑی تھی، جو کچھ ہی گھنٹوں میں صدیوں کی بیمار لگی، پہلی رنگت آنکھوں کے گرد حلقے اسے اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔“

”بھاری قدموں سے چلتے ہوئے وہ آگے بڑھا تھا

جہاں وہ گہرے سانس لیتے ہوئے زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی، اس تک پہنچنے ہوئے احمد شاہ کو لگا جیسے صدیاں کی مسافت تے کی ہو، لگا اپنی متاع جاں کو اس حالت میں دیکھ کر اپنی سانسیں بھی بند ہونے کے درپر ہو۔“

”جان.....!!“ بھرائی ہوئی آواز میں پکارا تو مایہ نے مندھی مندھی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔“

”شاہ...!! مجھ...ھے..... مع...اف.... کر..... دی.....ں... احمد شاہ! کو دیکھتے ہی اٹکتے ہوئے بولنے کی جاں فشانی کرتے ہوئے اپنے کیے پر پشیمان ہوئی۔ جس سے انجان احمد شاہ اس کی بات کا کوئی اور ہی مطلب سمجھا تھا۔“

”شش...!! کچھ مت کہوں، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں جان! اس کے پہلوں میں بیٹھتے ہوئے مایہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر خود پر ضبط کرتے ہوئے مایہ کو تسلی دی۔ جس پر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوئے تھے۔“

جان“!!!!!!.....



”دن ہفتے اور مہینے سال میں بدلتے چلے گئے۔

”کہتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ہر زحم بھر ہی جاتا پر مایہ کی جدائی کا غم احمد شاہ! نے اس طرح سنبھالا تھا جیسے وہ آج بھی اس کے ساتھ ہو۔ بظاہر احمد شاہ نے خود کو اذہان کی خاطر سمجھال لیا تھا کیوں کہ ماں کو کھونے کا صدمہ وہ سہہ نہیں پایا جسے سنبھالنے کے واسطے اس احمد شاہ نے خود کو سنبھالنا پڑا۔“

”مایہ! کی موت بھی نائمہ! کو وہ جگہ نہیں دلا پائی تھی جس کی خطر وہ ہر حد پار کر گئی تھی، مگر اس کے برعکس احمد شاہ نے بچی کو دل سے قبول کیا کیونکہ اسے اس بچی میں اپنی مایہ کا عکس نظر آتا تھا۔“

اذہان کو تو جیسے جینے کی وجہ مل گئی ہو نام بھی اذہان نے ہی رکھا، کہنے کو تو نائمہ اس کی ماں تھی مگر ایک دن بھی اس نے بچی کو ماں بن کر نہیں سنبھالا گھر آتے ہی اس نے بچی کو نوکروں کے حوالے کر دیا اور اپنی زندگی میں مگن ہو گئی تھی۔ پارٹیز کلب دوستیاں رات گئے تک باہر رہنا عام ہو گیا۔“

”زندگی اپنے معمول کے مطابق گزرنے لگی تھی، احمد شاہ! نے خود کو افس اور بچوں کے ساتھ بڑی کر لیا تھا نائمہ سے اسے پہلے بھی کوئی غرض نہیں تھا اب تو اس کی اپنی بچی کو لے کر لا پرواہی دیکھ کر اور بھی بیزار رہنے لگا تھا اس طرح وقت گزرنے لگا۔“



”وقت کا پہیہ اپنی رفتار سے سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ نیلے آسمان پر سورج اپنی آب و تاب سے چمک رہا تھا سڑکوں زندگی رواں دواں تھی ہر کوئی اپنی زندگی میں مگن نظر آ رہا تھا زندگی کا نام چلنا نہ وہ کسی کے آنے سے رکتی ہے نہ جانے سے بس باتیں ہوتی ہیں کہ میں تمہارے جی نہیں سکو گا۔“

”وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علیزہ بڑی ہو گئی تھی، اب وہ نائمہ! کا رویا سمجھنے لگی تھی، علیزہ کو جب ماں کی ضرورت تھی تب نائمہ! نے اسے نوکروں کے حوالے کر دیا“ اب جب وہ تھوڑی بڑی ہوئی تو اسے اپنا زر خرید غلام سمجھ لیا، بات بہ بات اس کی تذلیل کرنا، دھتکارنا، مارنا“ عام تھا، ہر وقت کی ڈانٹ دھتکار نے اسے نائمہ سے مزید دور کر دیا وہ نائمہ دیکھتے ڈرنے لگی، احمد شاہ! اذہان! اس سے جتنی محبت کرتے تھے نائمہ اس اتنی ہی شدید نفرت و حکارت سے پیش آتی۔“

”اذہان تو کئی بار علیزہ! کی خاطر نائمہ! کے سامنے کھڑا ہو گیا، احمد شاہ نے بھی بہت بار نرمی اور بہت بار سختی سے سمجھایا،“ پر اس پر کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا، اب اگرچہ وہ ان دونوں کے سامنے علیزہ کو کچھ نہ کہتی پر پیچھے وہی کرتی جو اس کا دل چاہتا۔“

علیزہ.....!! وہ جو ابھی سکول سے آکر سوئی تھی نائمہ کی آواز پر ڈر کر فوراً اسے اٹھ بیٹھی۔“

”ایک تو اس میڈم صاحب کی نیند پوری نہیں ہوتی! میں کہتی ہوں! آخر سکول پہاڑ توڑنے جاتی ہو! کمرے میں داخل ہوتے ہی علیزہ کو بیڈ پر دیکھ کر تند و تیز لہجے میں بولی۔ تو وہ سہم کر رہ گئی۔“

”ماما کوئی کام...!!“ ڈرتے ہوئے علیزہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے۔“

”کتنی بار کہا ہے نہیں ہوں! میں تیری ماں، تو ایک عذاب کی طرح مسلط ہوئی ہے مجھ پر! اس لیے مجھے ماں کہنے کی کوشش مت! کیا کر چل اٹھ میرے پیروں کی مالش کر اور پھر میرے کچھ دوست آنے والے ہیں تو میرے کمرے کی صفائی کر دے۔ اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی ہتک آمیز لہجے میں اسے ٹوک فرمان جاری کیا تھا۔ جسے سن کر علیزہ کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوئے تھے۔“

”شروع ہو گئی تیری ڈرامے بازی! لیکن آج تیرے یہ ڈرامے کوئی نہیں دیکھے گا“ نہ ہی کوئی تجھے بچانے آئے گا“ تیرا حمایتی بھائی گیا ہے اپنے دوستوں کے ساتھ، اور تیرا باپ تو آج اس

شہر میں ہی نہیں ہے، اس لیے یہ ٹسوے انھیں دیکھانا، ابھی اٹھ اور کام پر لگ جا۔ نفرت آمیز انداز میں اس کندھے سے مارتے ہوئے بولی تو وہ اٹھ کر باہر جانے کے لیے بڑھی۔

”اور سن!!“ میرے دوستوں نے آنا ہے تو ان کے سامنے آج تو ہی سرف کرے گی، اس لیے کمرے کی صفائی کے بعد اپنا یہ بہن جی والا حلیا ٹھیک کر میں نے تیرے لیے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھے ہیں وہ پہن لینا۔ اسی انداز میں اگلا حکم جاری کیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئی فوراً سے وہاں سے نکل گئی تھی۔“

”بہت ناز تھا تیری ماں کو اپنی حسن اپنی عزت و وقار پر! دیکھ کیسے میں آج تیری عزت تارتا کرتی ہوں۔ مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ سوچا تھا۔“



”احمد شاہ! اور اذہان! کے گھر نہ ہونے کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ناٹمہ! نے آج ایک بچی کی عزت کے ساتھ کھیلنے منصوبہ بنایا گھر کے سارے نوکروں کو چھٹی دیدی، اور اپنے کچھ آوار دوستوں کو گھر بلا لیا تھا۔“

”کمرے میں اس وقت نائمہ اور اس کے دوست بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

”اسے بھی تو بلاؤ جس کے اعزاز میں تم نے پارٹی رکھی ہے۔ نائمہ کے پہلو میں بیٹھیں شخص نے کمینگی سے کہا تو سنگل صوفے پر بیٹھے ملک کی رال ٹپکی تھی۔“

”بلائی ہوں، بلائی ہوں، پہلے تم لوگ کچھ لو تو سہی! نائمہ نے چہرے پر مسکراہٹ سجائے پیشکش کی تھی۔“

”ہم تو صبر کر ہی لیں لیکن ملک سے صبر نہیں ہو رہا“ کیوں ملک صاحب؟ ملک کی بے چینی کو دیکھتے ہوئے ایک اور شخص بولا تو ملک کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔“

”علیزہ...!! علیزہ...!! نائمہ نے آواز لگائی تھی۔“

”نام تو کمال ہے، اب نام کی طرح خود بھی کمال ہونی چاہئے۔ پہلی بار ملک نے گفتگو میں حصہ لیا تھا۔“

”وہ تو آپ فکر ہی نہ کریں! آج خوش کر کے بھیجوں گی۔ عیاری سے گویا ہوئی۔“

”آئی نہیں...! نائمہ کے پہلو میں بیٹھے شخص بے تاب ہوا؟۔“

”علیزہ.....!!!“ اب قدرے بلند آواز دی تھی۔“

”دروازے کھولتے ہوئے ”گیارہ“ بارہ“ سالہ لڑکی جس اپنے گرد اچھے سے ڈوپٹہ پھیلا لیا ہوا تھا دودھیا رنگت بڑی بڑی کالی گہری آنکھیں تیکھے نقوش چہرے پر معصومیت لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔“

”آپ نے بلایا ما...! لرزتے ہوئے ماما کہتے کہتے رک گئی۔ نائمہ سے کوئی بید نہیں کے وہ ان سب کے سامنے بھی اس کی تذلیل کر دیتی۔“

”یہ کیا پہنا ہے..!!“ وہ ڈریس کیوں نہیں پہنا جو میں نے کہا تھا! علیزہ کو دیکھتے ہی نائمہ کے چہرے پر ناگواری در آئی تھی۔ اس حلیے میں بھی ملک کی نظریں اس پر ٹک گئی تھی۔“

”کیا ہو گیا، بچی ہے! نا سمجھ ہے۔ نائمہ کے پہلو میں بیٹھے شخص نے علیزہ پر نظریں جمائے اسے ٹوکا۔“

”آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے علیزہ نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔“

”کام ہے اسی لیے بلوایا ہے، ورنہ تیری یہ شکل دیکھنے کا شوق نہیں مجھے، وہاں ڈرار میں کچھ بوتلیں رکھی ہیں! وہ لا کر سب کو سرو کر۔ مکاری سے کہتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ جس پر وہ نظریں جھکائے کام پر لگی تو سب کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ ابھری۔“

پہلے میرے کو چاہیے۔ علیزہ بوتل لے کر آئی تو ملک نے خباثت سے دیکھتا ہوا معنی خیزی سے بولا۔ باقی سب اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے اٹھ گئے۔“

”علیزہ! یہ ملک صاحب ہے، انھیں جو چاہئے وہ دو میں جب تک ان کو اپنا گھر دیکھاتی ہوں۔
نائمہ نے اٹھتے ہوئے حکم دیا تو علیزہ جو سب کی نظروں سے خوف زدہ ہو رہی تھی نائمہ کی بات سن کر شذر رہ گئی۔

”نہیں آپ خود کر لیں۔ ہمت جما کرتے ہوئے علیزہ نے پہلی بار نائمہ کے کسی کام سے جواب دیا اور باہر کی جانب جانے لگی۔“

”تنی بی کیا جلدی ہے تھوڑا سا ٹائم ہمیں بھی دے دے بے بی ڈول۔ ملک نے اس کا ڈوپٹہ پکڑ اپنی اور کھینچتے خباثت کا اظہار کیا تو علیزہ کا ہاتھ بے ساختہ اٹھا اور ملک کے چہرے پر اپنی چھاپ چھوڑ گیا“ علیزہ کی اس حرکت پر باقی سب کی طرح نائمہ چونکی تھی۔“

”علیزہ...!!“ تیری ہمت کیسے ہوئی میرے مہمان پر ہاتھ اٹھانے کی۔ بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کرتے ہوئے نائمہ ایک زناٹے دار تھپڑ علیزہ کے چہرے پر رسید کیا تو ایک جانب گرنے لگی تھی کہ دوسرے شخص نے موقع غنیمت جانتے ہوئے آگے بڑھ کر اسے تھامنا چاہا پر وہ خود کو سنبھال گئی۔“

ارے! بچی نادان ہے۔ اس شخص نے فوراً سے آگے بڑھ کر نائمہ کو پیچھے کرتے ہوئے علیزہ کے گال کو چھونے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا جسے وہ فوراً سے جھٹک کر جانے لگی تھی، ایک اور شخص اس کے راستے میں حائل ہوا۔

ماما پلینز مجھے جانے دیں علیزہ نے اپنی ماں کے سامنے ڈوپٹے سے بے نیاز بکھرے ہوئے حلے میں ہاتھ جوڑتے ہوئے التجاء کی۔“

”میں کچھ نہیں کر سکتی اب غلطی کی ہے تو بھگتوں۔ نائمہ کندھے اچکاتی ہوئی تماشا دیکھنے کے لیے سامنے صوفے پر جا بیٹھی۔“

”ہم تمہیں کچھ نہیں کہے گیں! بس تھوڑا سا پیار کرے گیں۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھتے ہوئے سامنے کھڑا شخص آگے بڑھا تو علیزہ خوف سے کانپتی ہوئی اپنے قدم پیچھے کی جانب لینا شروع کیے یک دم وہ کسی سے ٹکرائی تو پیچھے کھڑے شخص نے کمینگی سے اس کے گرد بازو حائل کیے۔ تو اپنا آپ چھڑانے کے لیے مچلی تھی۔

”بابا!! بھائی!! خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے علیزہ نے اپنے باپ اور بھائی کو آواز دی۔ جو شاید سن لی گئی تھی۔“

”دھڑام کی آواز سے دروازے کھلنے کی آواز پر سب کی نظریں درازے کی سمت اٹھی تھی۔“

بابا...!! احمد شاہ کو دیکھتے ہی علیزہ کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوئے تھے جو کب سے بڑی ہمت کیے ہوئے سب سے لڑ رہی تھی اور نائمہ کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرائے۔

”احمد شاہ! کو دیکھتے ہی اُس شخص کی پکڑ ڈھیلی پڑی تو علیزہ! خود کو چھڑاتی فوراً سے اپنے باپ کے سینے جا“ لگی، اپنی بیٹی کی حالت دیکھ کر احمد شاہ! کی آنکھوں میں خون اتر اٹھا اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ نائمہ اپنی سگی اولاد کے ایسا بھی کر سکتی ہیں۔“

”اور بھی اگر تمھاری کوئی حد ہے تو آج ہی بتادو، میں ”جب جب“ یہ سوچتا ہوں کہ اب بس اس زیادہ تم نہیں گر سکتی تم ”تب تب“ مجھے غلط ثابت کرتی ہو۔ ہر طرح کے جذبات سے

عاری لہجے میں احمد شاہ نے اپنی حیرت کو الفاظ دیے اپنا کوٹ اتار کر علیزہ کو پہناتے ہوئے اس کی جانب بڑھا آنکھوں سے غیظ و غضب چھلک رہا تھا۔

”ابھی تم نے میری حد دیکھی کہا ہے احمد شاہ! اچھا ہوا جو تم آگئے! اب تم اپنی آنکھوں سے اپنی بیٹی کی عزت پامال۔۔۔۔۔!!!“

نامہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ایک زناٹے دار تھپڑ اس منہ پر پڑا تھا گال پر ہاتھ رکھتے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا“

تمہاری اتنی ہمت دیکھ کیا رہے ہو پکڑ لو اسے، اور لے جاؤ اس لڑکی کو!۔ زہر خوند لہجے چینی تھی۔“

”ملک تو پہلے ہی دونوں کی لڑائی سے فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلا تھا“ مگر جو رہ گئے تھے وہ آگے بڑھے تو احمد شاہ نے اپنی بیک سے گن نکال کر بنا انھیں کچھ سوچنے سمجھے کا موقع دیے بغیر گولی چلائی جو ان میں سے ایک کی ٹانگ پر لگی تھی۔“

“گولی کی آواز سن کر گارڈ اور شمسو بھی اندر آ گئیں تھے۔“

”میرے ساتھ جو کرنا تھا تم کر گزری اور میں خاموش رہا،“ لیکن میری بیٹی کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا۔ سرد ترین لہجے میں دیکھتے ہوئے باور کرایا۔“

”اور تم سے جو میرا نام کا رشتہ ہے جسے میں اپنی بیٹی کے خاطر نبھارہا تھا،“ وہ بھی ختم کرتا ہوں میں احمد شاہ پورے ہوش و حواس میں تمہیں طلاق۔۔۔!!

ٹھاہ“!!!!!!.....

”احمد کی بات پوری ہونے سے قبل ہی ایک اور گولی چلنے کی آواز آئی تھی،“ اور احمد شاہ زمین بوس ہوا تھا۔ جو نائمہ کے پیچھے کھڑے شخص نے موقع دیکھتے ہی چلائی تھی۔“

بابا...!! بابا...!! روتے ہوئے علیزہ نے احمد شاہ کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔“

”صاحب...!! شمسو تیزی سے آگے بڑھا اتنے میں ہی اذہان بھی آگیا تھا۔“

”اپنا بکھرا ہوا آشیانہ دیکھ کر اذہان کے پیرو تلے زمین نکل گئی تھی۔“

”معمرات بگڑتے ہوئے دیکھ کر نائمہ! اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فوراً سے پیشتر وہاں سے نکل گئی تھی۔“

”باباجان...!! فوراً سے آگے بڑھ کر اذہان نے احمد شاہ کا سراپنی گود میں رکھا تھا۔“

”بھائی!“ دیکھیں بابا کو کیا ہو گیا!“ بھائی دیکھیں نا“ علیزہ کی آنکھوں سے آنسوؤں روا تھے۔

”کچھ نہیں ہو گا بابا“ کو میں ہونا میں سب ٹھیک کر دوں گا“ باباجان آپ کو کچھ نہیں ہو گا

آنکھیں کھولیں باباجان...!! اذہان نے علیزہ کو تسلی دیتے ہوئے احمد شاہ سے بولا جو مندھی

مندھی آنکھوں سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔“

”شمسوقا قا! گاڑی نکالیں باباجان! کوہا سپٹل لے کر چلتے ہیں۔ اذہان نے اٹھتے ہوئے شمسو سے

کہا تو احمد شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ نفی میں سر ہلایا۔“

”اذہان! میرے پاس وقت نہیں! میری بات سنو! احمد نے اٹکتے ہوئے اذہان کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔“

”نہیں بابا آپ کو کچھ نہیں ہوگا“ پلیر ایسی باتیں نہ کریں۔ اپنے باپ کی بات سن وہ تڑپ کر رہ گیا علیزہ کے رونے میں شدت آئی تھی۔“

”اذہان بات سنو! میری علیزہ میری امانت ہے تمہارے پاس! کچھ بھی ہو جائے تم اسے نائمہ! کے حوالے نہیں کرو گے، یہ تمہاری بہن ہے صرف تم اس کے سربراہ ہو۔ گہرا سانس لیتے ہوئے احمد شاہ اذہان کے کندھے پر بڑی زمے داری سوئی تھی۔“

”ایسی باتیں نہ کریں بابا“ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ اذہان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تھے۔“

”تم آج سے اس کی ماں بھی ہو! اور اس کے باپ بھی تم ہی ہو! یہ تمہاری زمے داری ہے اذہان!“ علیزہ کا ہاتھ اذہان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے احمد شاہ کا ہاتھ لڑکھ گیا تھا۔“

بابا...!!! بابا...!!!.....



باپ کی موت نے اذہان شاہ کو توڑ کر رکھ دیا تھا ماں کی مرنے پر باپ نے سنبھال لیا تھا لیکن اس بار احمد شاہ کی دی زمرے داری کی خاطر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا، علیزہ پر اس سب کا بہت گہرا اثر ہوا تھا جس کی وجہ سے اسے پینک اٹیک آنے لگے، ہلکی سی آہٹ پر بھی سہم جاتی۔ علیزہ نے خود کو کمرے تک محدود کر لیا زندگی سے کٹ کر رہ گئی اپنی ماں سے اتنا بڑا دھوکا کھانے کے بعد علیزہ کے کچے زہن نے گہرا صدمہ لیا تھا۔

”جسے اذہان بے انتہا محبت اور انتھک کوششوں سے علیزہ کو دوبارہ زندگی کی اور لے کر آیا تھا۔“

جاری.....!!!!“ ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم:- طیبہ

Episode 24

(حال)

”جب سے واپس آئی تھی، خود کو کمرے میں قید کر لیا تھا زیادہ بات چیت تو پہلے بھی نہیں کرتی پر اب تو بالکل چپ سادھ لی، نہ کچھ کھاتی، نہ پیتی، اگر کوئی کچھ پوچھتا، تو صرف ہوں“ ہا“ میں جواب دیتی، عنایہ! نے بھی بات کرنی چاہی تو عمامہ نے اسے کی کسی بات کا خاطر خواہ کوئی جواب نہ دیا، ایاز صاحب اور شہلا بیگم عمامہ کی حالت کو لے کر فکر مند ہو گئیں تھیں۔“

”جواب دیتی بھی تو کیا دیتی وہ اپنے زہن میں اٹھتے سوالوں اور دلی کیفیت سے جنگ لڑ رہی تھی، اذہان! کی کہیں باتیں اس کی نظریں اسے کے زہن سے نکل ہی نہیں رہی تھی۔

”وہ نہیں چاہتی تھی کے اس کی وجہ سے کسی کا دل ٹوٹے یا“ کسی کو اس کی ذات سے کوئی تکلیف

پہنچے

مسجد ڈھ دے مندر ڈھ دے

ڈھادے جو کچھ ڈھندا

اک بندے دا دل نا ڈھاویں

رب دلاں وچ ریہندا

، جتنا وہ اذہان کے بارے میں سوچنے سے خود کو روکتی، اتنی ہی اس کی باتیں، اس یاد آتی، اس کا پروا کرنا، اس کا ڈانٹنا، اس کا حق جتنا، اس کی چاہت، اس کی باتیں، اس کا غصہ، اس کی محبت، چند گھنٹوں، میں اذہان؟ نے اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر کے اپنی محبت کا اسیر بنا لیا تھا، اسے کچھ بھی سوچنے سمجھے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔ انھیں سوچو غلطیاں وہ نادانستہ طور پر کہی دور جانکی تھی دروازے پر ہوتی دستک نے واپس ہوش کی دنیا میں لے آئی تھی۔“

بھول جانا اسے مشکل تو نہیں ہے لیکن

کام آساں بھی ہم سے کہاں ہوتے ہیں

”آجاؤ....!!“ رندھی ہوئی آواز میں عمامہ نے اجازت دی تھی۔“

”رضیہ دروازے کو دھکیلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ تو عمامہ معمول کے برعکس بیڈ پر تکیے میں منہ دیے اوندھے منہ پڑی نظر آئی، اور پورے کمرے میں اندھیرا چھایا شام کے وقت رات کا منظر پیش کر رہا تھا۔“

”عمامہ بی بی!! لائٹ اون کرتے ہوئے رضیہ! نے آواز دی تھی۔ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ عمامہ شام کے وقت سوئی ہو۔ لائٹس اون ہوتے ہی کمرے میں روشنی پھیل گئی جس کی وجہ سے عمامہ! کی آنکھیں چندھیا گئی۔“

”ابھی میرا کچھ بھی کھانے کا موڈ نہیں! نہ ہی کسی سے بات کرنے کا،“ اس لیے پلینز! مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ زرا سا سراپراٹھا کر اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر سرسری انداز میں کہتے ہوئے دوبارہ سے تکیے میں منہ ایسے چھپایا جیسے اپنے اندر چل رہی جنگ چھپانا چاہتی ہو۔“

”دودن سے بس یہی سن رہی ہوں! اب ایک نہیں سننے والی میں آپ کی، کل سے مہمان آنا شروع جائیں گیں، تو کیا سوچیں گیں، آپ اپنی بہن کی خوشیوں سے حسد کرتی جس وجہ سے

کمرے بند ہو گئی ہے، کیونکہ آپ سے اپنی بہن کی خوشیاں دیکھی نہیں جا رہی تھیں!“ اب میں اکیلی جان! مہانوں کو سنبھالوں گی یا“ پھر آپ کی طرف سے صفائی دیتی پھر وگی“ رضیہ نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں سے پردے ہٹاتے ہوئے اس کے پاس آکر بیٹھ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تو اس کی آنکھوں کی نمی، سرخ ہوتی ناک نے اس کے رونے کی چمکی کی تھی۔“

”یہ کیا عمامہ بی بی!!“ آپ رو رہی تھی۔ رضیہ متعجب ہوئی۔“

”نہیں!!“ میں بھلا کیوں رونے لگی۔ فوراً سے اٹھ کر بیک سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے نظریں چرا کر جھوٹ کہا تھا۔“

”عمامہ بی بی!!“ آپ اچھے سے جانتی ہیں، آپ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی، تو پھر کوشش کیوں کرتی ہیں۔ رضیہ نے آئی برواچکاتے ہوئے پوچھا۔“

”تم کیوں آئی ہو؟ امی جی! عنایہ! کہا ہیں؟۔ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے بات بدلتے ہوئے سوال کیا۔

”وہ عنایہ بی بی! کی کچھ چیزیں رہ گئی تھیں وہی لینے گئی ہیں۔ رضیہ نے بتایا۔“

تم کیوں آئی ہو؟“ کوئی کام تھا۔ عمامہ نے اس کے آنے کی وجہ جانتی چاہی۔“

”ہاں ہے کام، آپ کو باہر لے کر جانا ہے، آپ کو کھانا کھلانا ہے، اور آپ کے ساتھ ڈھیر ساری

باتیں کرنی ہے۔ اپنی انگلی پر کام گنواتے رضیہ وہیل چیئر لے آئی تھی۔“

”رضیہ پلیز!! میرا!!...“

”بس! بس! پتا ہے آپ کا دل نہیں چاہ رہا،“ لیکن کبھی کبھی اپنے دل کی نہیں،“ دماغ کی سننی

چاہیے، آپ تو واپس آکر مجھے بتانے والی تھی، کے آپ کو اس سونے کے پنجرے سے باہر نکل

کر کیسا لگا، لیکن آپ نے تو واپس آکر خود کو ہی قید کر لیا۔ عمامہ نے کچھ کہنے کے لیے لب

کھولے ہی تھے کہ اس اس بات کاٹ کر دونوں ہاتھ کمر پر رکھے بڑے بوڑھوں کی طرح

سمجھاتے ہوئے آخر میں شکوا کیا۔ تو عمامہ خاموش ہو گئی۔“

”آپ جانتی ہیں بڑی بی بی! صاحب! آپ کے لیے کتنے پریشان ہیں، اور عنایہ بی بی! تو اپنی ہی شادی پر خوش ہونے کے بجائے ادس منہ لٹکائے پھر رہی ہیں، یقیناً آپ ایسا ہر گز نہیں چاہتی۔ رضیہ نے وہیل چیئر پر بیٹھنے میں مدد کرتے ہوئے بتاتے ہوئے پوچھا تو اسے شرمندگی ہوئی وہ ایسی تو کبھی نہیں تھی۔“

”آپ ہی کہتی ہیں نا، کبھی ”کبھی“ دوسروں کے لیے خوش ہونا پڑتا ہے، اپنا دکھ بھلا کر دوسروں کی خوشی کی خاطر مسکرا نہ بھی پڑتا ہے، ایسا کیا ہوا تھا وہاں جو اتنے اہم موقعے پر آپ نے خود کو سب سے الگ کر لیا۔ اس کی کہی بات اسے یاد کرواتے ہوئے جاننے کا تجسس ہوا، تو عمامہ لاجواب ہو گئی۔“

”اب باہر چلیں! یا“ پھر ابھی بھی دل نہیں چاہ رہا آپ کا۔ اسے خاموش دیکھ رضیہ نے سنجیدگی سے سوال کیا تو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہاں میں جواب دیا۔ پیچھے آکر اس کی وہیل چیئر کو دھکیلتے ہوئے باہر بیک یارڈ میں لائی تھی۔“

”اب آپ یہاں بیٹھیں! میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو لے کر آتی ہوں! خبردار جو کوئی نخرے کیے ہو!“ رضیہ نے انگلی اٹھا کر کہتے ہوئے اندر کی اور گئی تھی کہنے کو تو وہ ان کے گھر میں کام کرتی تھی پر عنایہ کے بعد وہی ایک تھی جو اس کے قریب تھی۔“



”رضیہ کے کہنے پر باہر تو آگئی تھی پر اب بھی اس شخص کی باتیں اس کے زہن گردش کر رہی تھی۔“

”تمہیں میں نہیں ”پسند“ نہ مہندی پسند ہے“ گجرے بھی نہیں ”پسند“ تو پھر اپنی پسند ”خود ہی بتادو! کیونکہ مجھے تمہاری آنکھوں میں یہ ”ویرانی“ ”مایوسی“ نہیں پسند۔!! اذہان کے کہے الفاظ کی گونج نے عمامہ! کی آنکھوں میں نمی اتری۔“

”اب! کسی کی بات دل پر لینے کی ضرورت نہیں! ان پھولوں سے زیادہ مجھے تمہارا مر جھایا ہوا چہرہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ ایک اور بات نے عمامہ کو بیچین کیا۔“

”نہیں کرنا مجھے آپ کو یاد! میں آپ کو اپنے حواسوں پر سوار نہیں ہونے دوں گی! کچھ وقت کے لیے بہک گئی گئی تھی، پر اب نہیں۔“

”تم! میری ہو! اور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ خود کو یوں تکلیف پہنچاؤ! میں سب برداشت کر سکتا ہوں، پر تمہیں درد میں نہیں دیکھ سکتا۔ ایک بار پھر اذہان کے لفظوں کی بازگشت سے عمامہ! کے دل میں ٹیس اٹھی تھی۔“

”نہیں کرنا مجھے آپ کو یاد! خدا کا واسطہ چھوڑ دیں میرا پیچھا!“ بخش دے میری جان!!“ کانوپر ہاتھ دھرے آنکھیں بند کر کے اذہان کی یاد کو خود سے دور کرنا چاہا۔“

”یہ میری ہے، نہیں میری ہے۔ بچوں کی آواز پر عمامہ نے آنکھیں کھولی سامنے لان میں کھیلتے بچوں پر نظر گئی تھی جو سرونٹ کو ارٹھر سے کھیلتے ہوئے یہاں آگئیں تھے۔“

”یہ میری ڈول ہے۔“

چھ سال کی بچی نے تین سال کی بچی سے ڈول کھینچتے ہوئے بولی تھی۔“

”نئی یہ مینی (دول) ڈول ہے۔ بڑی بڑی کالی آنکھیں گھنگور بالوں والی گول مٹول سی بچی اس کے دل کو بھاگئی۔“

”میں ماما! کو بتاؤں گی تم نے میری ڈول لے لی۔ بڑی بچی پاؤں پٹھختے ہوئے واپس گئی تھی۔ چھوٹی بچی کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔“

”بات سنو!!“ وہ بچی بھی جانے لگی تو عمامہ نے آواز دی تھی۔“

”نئی“!!...“

بچی نے فوراً سے نفی میں سر ہلایا عمامہ کے لب ایک جانب پھیلے۔

”چو کلیٹ لے لو!!“ مٹھی بند کر کے سامنے کرتے ہوئے لالچ دی تھی تو بچی کی آنکھیں چمکی اور بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔“

”ہم پکڑ لیا“ پاس آتے ہی بچی کو پکڑ کر گود میں بیٹھایا تھا۔“

”اب بتاؤ! آپ میری بات کیوں نہیں سن رہی تھی۔ اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ تو بچی نے گھور کر اسے دیکھا۔“

”میں نئی سنتی!!“ تو تلی زبان میں ترخ سے جواب دیا تو عمامہ کو اس بچی پر ٹوٹ کر پیار آیا ایک بار پھر سے اس کا گال چوم گئی۔“

”آپ (تیوں) کیوں نئی سنتی!! آپ (دندی) گندی بچی ہو!۔ اسی کی طرح تو تلا کر پوچھا تو تھوڑے فاصلے پر کھڑے اذہان کے لب کھلے جو ابھی آیا تھا عمامہ! کو دیکھ کر وہی رک گیا تھا۔“

”میں دندی بچی نئی ہوں! میں (بیر انانی) ہوں۔ بچی کے جواب پر عمامہ! کھلکھلا کر ہنس دی، اس کو یوں پہلی بار ہنستے ہوئے دیکھ کر اذہان کے دل میں جل ترنگ بھ اٹھی تھی۔“

(اٹھا!“) اچھا۔ اسی کی زبان میں مسکرا کر جواب دیا۔

”میں نی تو کلیٹ! بچی کو چو کلیٹ یاد آئی تھی۔“

”اوووو!!“ چو کلیٹ تو نہیں ہے، آپ پیسے لے لو۔ خالی ہاتھ دیکھا کر ادا سی سے کہتے پیشکش کی۔

”گندی آپی!“ منہ بنا کر بولتے ہوئے بچی فوراً سے اس کی گود سے اتر کر جانے لگی تھی عمامہ نے اسے پکڑ لیا۔“

یہ لو چو کلیٹ۔ وہیل چیئر کی پاکٹ میں رکھی چو کلیٹ نکال کر دی تو بچی خوشی سے اچھل پڑی بچی کی خوشی کو عمامہ کو دلی خوشی ہوئی تھی۔“

”تھنک یو آپی۔ چہک کر کہتی ہوئے بچی اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے بھاگ گئی۔“

”بیر انانی!!“ مسکرا کر زیرے لب دہرایا نظریں ابھی تک بچی پر ہی مرکوز تھی۔“

”میں نی تو کلیٹ!۔ اذہان کی آواز پر کے دل کی دھڑکن منتشر ہوئی، بچی کا تعاقب کرتی نظریں فوراً سے پلٹی اپنے سامنے ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر ہاتھ پھیلائے بیٹھے اذہان پر آکر رکی تھی۔“

پھر سے نہیں عمامہ! یہ صرف تمہارا خیال ہے، اس طرف توجہ نہ دو! پلکے جھکا کر اٹھاتے ہوئے عمامہ نے اپنا خیال سمجھ کر جھٹکنے کی کوشش کی۔ تو اذہان کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔“

پلیز چلے جاؤ! یہاں سے میں نہیں سوچنا چاہتی آپ کے بارے میں! پلیز چلیں جائیں، نہیں تو میں پاگل ہو جاؤ گی۔ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لی تھی۔“

”کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی! حقیقت یہی ہے کہ تم بھی چاہنے لگی ہو! تمہارا دل دھڑکن لگا ہے میرے لیے، بس کہنے سے ڈرتی ہو۔ اٹھ کر اس کے پیچھے آ کر اس کان کے پاس جھک کر معنی خیز لہجے میں گھمبیر سرگوشی کی تو اپنے چہرے پر اس سانسوں کی تپش محسوس کرتے عمامہ گردن گھمائی اس دونوں کی نظریں ملی، تو اسے اپنے اتنے قریب دیکھ کر کچھ پل کے لیے اسے لگا جیسے وہ سانس لینا بھول گئی ہو“

”تمہیں کسی نے بتایا ہے کہ تم ہنستی ہوئی کتنی پیاری لگتی ہوں۔ اسی طرح مزید سرگوشی کی تو اس کے ہونٹ اس کے کان کی لو سے مسح ہوئے جس پر عمامہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوئی تو اس کے لبو پر تبسم ابھری۔“

”آپ...؟ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ نظریں چراتے اس زبان لڑکھڑائی تھی۔“

سچ کہوں یا جھوٹ۔ گہرا سانس لے کر پیچھے ہوتے ہوئے اس کے سامنے رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے خوشگوار انداز میں سوال کیا۔“

”سچ...!! بے ساختہ کہہ گئی؟

”تمہیں دیکھنے کا دل چاہ رہا تھا“ تو ملنے چلا آیا۔ دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھتے کر آگے کو جھک کر اسے دیکھتے ہوئے بولا تو عمامہ! کے دل دھڑکن تیز ہوئی پراگلے ہی لمحے وہ اپنے دل میں اٹھتے طوفان پر قابو پا گئی۔“

”اذہان!“ میں آپ کا دل نہیں توڑنا چاہتی، نہ آپ کو دکھ پہنچانا چاہتی ہوں، پر آپ جس راہ پر چلنا چاہتے ہیں اس کی کوئی منزل نہیں، آپ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، آخر میں آپ خالی ہاتھ رہ جائے گی، تب آپ کو بہت دکھ ہو گا اذہان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آج پہلی بار اس کا نام لے کر اس مخاطب کرتے ہوئے مستحکم انداز میں بولی تو ہم تن گوش اس کی پوری بات سنی تھی۔“

زہر ویکھ کے پیتاتے کی پیتا

عشق سوچ کے کیتاتے کی کیتا

دل دے کے دل لین دی آس رکھی

بلھیا، اہو جیا پیار کیتاتے کی کیتا

اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے شہر کہا تو عمامہ اس ڈھیٹائی پر مشتمل ہوئی تھی۔“

”خیر میں یہاں تمہاری خیریت دریافت کرنے آیا تھا“ تم بتاؤ کیسی طبعیت ہے اب تمہاری، کافی ویک لگ رہی ہو۔ اذہان نے بات بدلنے کی کوشش کی۔“

یہ کوئی فلم نہیں! نہ ہی کوئی افسانہ یا“ ناول ہے جس میں ہیر و ہیر و سن آخر میں خوش ہو جائیں گے، یہ اصل زندگی ہے، اور میں آپ کو ”صاف صاف“ انکار کر رہی ہوں! آپ کو میری بات کیوں نہیں سمجھ آرہی۔ عمامہ سلگتے ہوئے بولی تو اس کے اطمینان میں زرا سافرق نہیں پڑا اسی طرح عمامہ کو دیکھنے میں مصروف تھا جس پر وہ تلملا اٹھی تھی۔“

ایک بار تم میرے ساتھ اس سفر پر میری ہم قدم بننے کے لیے راضی تو ہو جاؤ پھر دیکھنا میں کیسے اصل زندگی کو رومانوی داستان میں نہ بدلتا ہوں اسی اطمینان سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ آگ بگولہ ہوئی وہ جتنا اس خود سے دور رہنے کا کہہ رہی تھی وہ اتنا ہی اس کے حواسوں پر سوار ہو رہا تھا۔“

”اذہان...!!“ عمامہ نے ایک مرتبہ پھر اسے سمجھنے کی خاطر کچھ کہنے کے لیے لب واکے۔“

”عمائمہ! ریلکس میں نے پہلے بھی کہا تھا، اب پھر کہہ رہا ہوں! میں زبردستی کا قائل نہیں! جس طرح میں تمہیں خود سے محبت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا،“ پلیز! اسی طرح تم بھی مجھے خود سے دور کرنے کی کوشش مت کرو! اگر تم نہیں تو پھر کوئی نہیں مطلب کوئی نہیں!۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پر اطمینان انداز میں اپنی بات کہی تھی۔“

”ٹھیک جب میں مر“!!...“

”پل بھر میں اس کا خوشگوار موڈ غصے میں بدل گیا اس کی بات پوری ہونے سے قبل اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر نفی میں سر ہلایا۔“

”اس روز بھی میں صرف عنایہ! کی وجہ سے خاموش گیا تھا، میں زبردستی کا قائل نہیں پر یہ سب کہہ کر تم خود مجھے سختی کرنے پر مجبور کرو گی، تمہاری قسم اگر میں سختی پر آیا تو پھر تم پچھتاؤ گی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سرد تاثرات کے ساتھ باور کرایا تو ایک پل کے لیے اس کو یوں غصے میں دیکھ کر سہم گئی تھی۔“

بھائی...!! عنایہ جو شاپنگ بیگ اٹھائے گھر میں داخل ہونے لگی تھی۔ اذہان کو دیکھتے ہی اس جانب چلی آئی عنایہ کی آواز پر فوراً سے یہاں وہاں نظریں دیکھتے لگی تھی اور اذہان نے بھی اپنے غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ سجائی تھی۔“

اذہان بیٹا تم کب آئیں۔

شہلا بیگم جو عنایہ کے ساتھ آئی تھی پوچھا۔

بس ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے، اس دن کے بعد میں بھی بڑی ہو گیا تھا آج وقت ملا تو عمامہ کی خیریت دریافت کرنے چلا آیا۔ شہلا بیگم کو دیکھتے ہی فوراً سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اذہان نے وضاحت کے ساتھ جواب دیا۔“

”عمامہ!“ کیسی طبعیت ہے اب تمھاری! کچھ کھایا،“ تم میں رضیہ! کو کہہ کر گئی تھی، تمھیں کچھ کھانے کے لیے بنا کر دے۔ عمامہ کو باہر دیکھ کر متفکر انداز سے استفسار کیا تو اذہان کچھ متعجب ہوا۔

کیا مطلب؟۔ اذہان پریشان ہوا تھا۔“

”بیٹا اس دن کے وقعے کی وجہ سے ڈر گئی ہے یا“ پھر اس بات کو اپنے دماغ پر سوار کر لیا ہے کچھ سمجھ نہیں آرہی نہ کچھ کھا“!...

”امی جی! میں نے جو کہا وہ لائی ہیں؟۔ عمامہ نے فوراً سے ٹوکتے ہوئے بات بدلی۔ تو وہ متعجب نظروں سے اسے دیکھا جیسے کہنا چاہ رہی ہوں کیا؟

”آئی! آپ کچھ کہہ رہی تھی، کیا ہوا اس وقعے کے بعد۔ اذہان کو تشویش ہوئی۔ تو عمامہ نے آنکھوں کے اشارے سے کچھ بھی بتانے سے روکا تھا جو اذہان کی نظروں سے چھپ نہ سکا۔“

”آپ لوگ بیٹھو!“ میں رضیہ کو دیکھتی ہوں، کہاں رہ گئی۔ شہلا بیگم فوراً سے بہانہ بنا کر نکلی تھی عمامہ! کی بات اسے سمجھ نہیں آئی تھی پر اس کی اتنے دنوں کی حالت کے پیشے نظر کچھ نہ بولی۔“

”بھائی! آپ فکر نہیں کریں؟ جب محبت ہوتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے، آپ کے ساتھ بھی تو ہوتا ہوگا، راتوں کی نیند دن کا قرار سب کھو گیا ہوگا۔“ نہ بھوک لگتی ہوگی نہ پیاس!۔ عمامہ سے نظر بچا کر عنایہ نے جھک کر آہستہ آواز میں بتا کر کرید اتواذہان! نے مشکوک نظروں سے دیکھا تھا۔“

”دونوں کو کھسر پھسر کرتا دیکھ کر عمامہ! نے نظریں گھمائی تھی۔“

”آپ بیٹھیں! میں یہ بیگ رکھ کر آتی ہوں۔ عنایہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“

میں بھی چلتا ہوں تو بس عمامہ کی خیریت جاننے آیا تھا، پر یہاں آکر بہت کچھ جاننے کو مل گیا۔“ اذہان نے گاڑی کی چابی اور فون اٹھاتے ہوئے عمامہ کو شکوا کن نظروں سے دیکھا۔ اور بنا کسی کی سنے باہر کی جانب تیزی سے بڑھا۔ اذہان کی نظروں کا مطلب سمجھ کر عمامہ کے دل میں ٹیس اٹھی تھی۔“

”بھائی! بات سنیں!! ءشاپنگ بیگ وہی رکھ کر اذہان کے پیچھے آئی۔“

”بھائی!“ بات تو سنیں!!“ اس پہلے اذہان گاڑی میں بیٹھتا عنایہ نے ایک مرتبہ پھر آواز دی تو اس کی آواز پر رک کر پلٹا۔“

”بھائی!!“ کیا آپ ناراض ہو کر جارہے ہیں۔ اذہان کے پلٹنے پر عنایہ نے سوال اٹھایا۔“

”ناراضگی کا اظہار وہاں کیا جاتا ہے، جہاں کوئی منانے والا ہو! پر...!! دانستہ طور پر بات ادھوری چھوڑی تھی۔ عمامہ کا شہلا بیگم کو بات کرنے سے روکنا اذہان کو اچھا نہیں لگا تھا۔ اذہان کے ایسے رویے پر عنایہ کو حیرانگی ہوئی۔“

”خیر تم کہوں! کیوں روکا مجھے۔ اذہان نے بات بدلی۔“

”آپی کا ڈر! ان کی بے رخی! بلاجہ نہیں ہے، محبت کے نام پر ایک بار پہلے ڈسی جا چکی ہیں، آپی! اس لیے اگر آپ کی محبت سچی ہے، آپ ثابت قدم رہ سکے گیں! تو میں آپ کا ساتھ دوں گی آپی کو منانے میں، لیکن اگر آپ صرف دل لگی کر رہیں ہیں، یا“ پھر وقت کے ساتھ آپ پیچھے ہٹ

جائیں گیں، تو بہتر ہے یہی رک جائیں کیونکہ کے میں ایک بار پھر آپنی کو ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے
نہیں دیکھ سکتی۔ دو سٹیپ اتر کر اس کے سامنے آتے ہوئے وضاحت دیتے ہوئے صاف گوئی
سے کام لیا تھا۔ اس کی بات سن کر ششدر رہ گیا تھا۔

جاری۔۔۔۔۔

ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم: طیبہ

Episode 25

”جینا ہو گا مرنا ہو گا“

”دھرنا ہو گا دھرنا ہو گا“

”امتیازی سلوک“

”نا، منظور نا، منظور“

”اور کیا تھا...؟

عباس! لان میں بیٹھ کر احتجاج کرتے ہوئے اوٹ پٹانگ نعرے بازی کر رہا تھا۔ اس کی آواز پر اس کی ماں باہر نکلی تھی۔“

”کیا ہو گیا ہے! دودن بعد تمہاری شادی ہے، حرکتیں دیکھو اپنی!!۔ ثمنینہ بیگم اپنے بیٹے کی حرکت پر خاصی برہم ہوئی تھی“

”دیکھو گاؤں والوں! یہ ہے وہ ظالم ماں جو اپنے ہی بیٹے پر ظلم ڈھا رہی ہے، اتنے ظلم تو کوئی ظالم ساس اپنی بہوں پر بھی نہیں کرتی، دودن میں میری شادی ہیں اور کام کروا کر واکر شادی سے پہلے میری جان لے لے گی یہ ظالم ماں۔ نہ نظر آنے والے گاؤں والوں کو مخاطب کرتے ڈرامائی انداز دہائیوں دیتے اپنے مصنوعی آنسو صاف کیے، تو ثمنینہ بیگم کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوا۔“

”عباس...!!“ یہ ناہوشادی سے پہلے تم میرے ہاتھوں پٹ جاؤ اس کا کان مروڑتے چیخی۔

”بس کرو مہانوں نے آنا ہے، اتنے سارے کام پڑیں ہیں! کرنے کے!“ تمہارے ڈرامے ہیں کے ختم ہی نہیں ہو رہیں، یہ ساری نوٹنکی اب تم اپنی بیوی کو دیکھانا۔ ثمنینہ بیگم نے اس کے سر پر چت لگتے ہوئے ڈپٹہ تو اپنی جگہ سے فوراً سے اٹھا تھا۔“

”ماں!!“ تجھ یہ سب ناٹک لگ رہا ہے، مجھ مظلوم پر تجھے ترس نہیں آتا،“ اور کتنے کام لونگی مجھ معصوم سے، کل میری شادی ہے، اور میری شکل دیکھ کام کر، کر کہ کیسی بگڑ گئی ہے۔ ثمنینہ بیگم کے کندھے کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے اس انداز میں دہائیوں دی تھی جس پر ثمنینہ بیگم تپ گئی تھی اور کچھ کہنے کے لیے لب واکبے تھے کہ میں گیٹ پر گاڑی کے ہارن کی آواز پر دونوں اس جانب مبذول ہوئے۔“

”تمہیں! میں بعد میں دیکھتی ہوں!!۔ تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پورچ کی طرف بڑھی اتنی دیر میں گاڑی بھی پورچ آ کر رکی تھی۔“

”گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے دروازے پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں پر سن گلاسز لگائے بلو جینز اور بلیک ٹی شرٹ میں بال جِل سے نفاست کے ساتھ سیٹ کیے کلین شیو خوبرونو جوان نکلا جسے دیکھ کر ثمنینہ بیگم ساکت رہ گئیں۔“

”آپ نے سوچا بھی کیسے! میں اس اپاہج سے شادی کرو گا،“ کم از کم یہ سب کرنے سے پہلے ایک بار مجھ سے پوچھ تو لیتی!!“ ماضی کا ایک لمحہ ثمنینہ بیگم کے سامنے لہرایا۔



”چلو جلدی کرو پھر کہوں گی.....!!“ سفید کڑتا کے ساتھ پیلے رنگ کی چنری گلے میں ڈالے عجلت میں کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا تو سامنے کا منظر دیکھ کر باقی کے الفاظ منہ میں رہ گئے تھے۔“

”پیلے رنگ کے پیرو کو چھوتے گہر دار مکسی میں لائٹ میک اپ کے ساتھ بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے، چہرے پر کچھ آوار لٹے جھول رہی تھی، ڈوپٹہ سے بے نیاز تمام تر رعنائیوں کے سنگ

ڈریسنگ کے سامنے کھڑی علیزہ! اپنی ڈوریوں سے الجھ رہی تھی کے ساحل کی آواز پر فوراً سے پلٹی۔ جسے دیکھ کر وہ وہی ٹھہر گیا تھا۔“

”آپ۔۔۔!! ساحل کو دیکھ کر علیزہ چونکی۔

”ہاں میں۔۔۔!!“ اس پر نظریں جمائے مخمور انداز میں کہتے آگے بڑھا تو اس کے انداز پر علیزہ کی دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔“

”سا۔۔۔حل۔۔۔!!“ اس کی نظروں سے پزل ہوتے علیزہ کی زبان لڑکھڑائی۔

”جی جان ساحل۔۔۔!!“ آگے بڑھ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے قریب کرتے اس کے چہرے پر آئی لٹ کو چھڑا۔ اس کی کلون کی خوشبو اور جذبوں کی شدت علیزہ کو گھبرانے پر مجبور کر دیتی تھی۔“

”ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ اور یہ ڈوری بندھ نہیں رہی۔ اس اپنا آپ چھڑاتے نظریں جھکائے
علیزہ دھیان دلاتے اپنی مسئلہ بیان کی۔ تو ساحل کے چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ آئی
تھی۔“

”ہمم...!!“ یہ تو بہت بڑی مشکل ہے، اب کیا ہوگا۔ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے ایسے
پوچھا جیسے کوئی بہت بڑا مسئلہ ہو۔“

”آپ باندھ دیں پلیز!!“ پلکوں کی جھلراٹھائے معصومیت سے ریکوسٹ کی تھی۔ جس پر اس
شرارت سو جھی۔“

”اگر!“ میں تمہاری اس مشکل کو حل کر دو تو مجھے کیا ملے گا۔ مصنوعی انداز میں کہتے زرا سا آگے
کو جھک کر گھمبیر انداز میں سرگوشی نما سوال کیا۔ اس کی سانسوں کی تپش محسوس کر کے اس کے
وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔“

”کیا چاہیے آپ کو!۔ نظریں جھکائے مدہم لہجے میں استفسار کیا تو پر سوچ انداز میں سوچتے اس کا رخ پلٹ کر اس کے کندھے پر ٹھوری رکھی۔“

تم...!!“ آئینے میں اس کا شرم سے لال ہوتا چہرہ دیکھ کر پر شوخ انداز میں یک لفظی جواب دیا تو علیزہ نے پلکوں کی جھالراٹھائی۔“

”میں تو پہلے ہی آپ کی...!!“ دھمے لہجے میں کہتے آخر میں دانستہ طور پر بات ادھوری چھوڑی۔ ساحل کو اس کی اسی ادھر پیار آیا تھا۔“

”تو پھر ایک کس...!!“ اس کا ہاتھ اپنے گال پر رکھتے ہوئے بولا۔ تو ساحل کی بے باکی پر علیزہ کی آنکھیں پھیلی تھیں۔“

”سوچ لو تمہیں پہلے ہی دیر ہو رہی ہے، بعد میں مجھے ناکہنا۔“ سرسری انداز میں کندھے اچکاتے دو قدم پیچھے لیے۔“

”ساحل!“ آپ بہت برے ہیں نروٹھے پن سے بولی۔“

”کوئی زبردستی نہیں! تمہاری مرضی میں تو تیار ہوں۔ پراطمینان انداز میں کہتے بیڈ پر جا بیٹھا۔ تو علیزہ نے ایک بار پھر کوشش کی تھی پر گلا گہرا ہونے کی وجہ سے ڈوری بندھ نہیں رہی تھی۔“

”ساحل!!“ ہمیں دیر ہو رہی پلینز! ہیلپ کر دیں!!“ عنایہ مجھے بہت باتیں سنائیں گی۔ ہلکی سی خفا ہوئی۔ تو ساحل کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔“

”میری او فرائی بھی دیکھو، اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے کان کی لو کو لبوں سے چھوتے سرگوشی کی اس لمس محسوس کرتے لرز کر رہ گئی۔“

”ٹھیک ہے! پہلے آپ ڈوری باندھیں پھر میں آپ کی شرط پوری کر دوں گی۔ کوئی راہ نہ ملنے پر کچھ سوچ کر ہمت جما کرتے بولی۔ تو اس چالاکی سمجھتے ساحل نے مسکراہٹ ابھری۔“

”خبردار!!“ جانم۔ چالاکی کرنے کا سوچنا بھی مت!۔ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز رکھتے ڈوری باندھتے ہوئے گھمبیرتا سے وارن کیا اس کی انگلیوں کا لمس محسوس کرتے علیزہ کے وجود میں سنسناہٹ سی ہوئی تھی۔“

”اب چلیں...!!“ ہم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں، آج تو عنایہ مجھے نہیں چھوڑے گی۔ ڈوری بندھتے ہی ڈوپٹہ اٹھا کر اوڑتے ہوئے باہر جانب بڑھی، تو اس کی تیزی پر ساحل حیران رہ گیا، اس پہلے کے وہ باہر نکلتی کلائی سے پکڑ کھینچا تو اس اچانک افتاد پر وہ کٹی ڈال کی طرح وہ اس کے سینے سے آگئی۔ ساحل فوراً اسے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔

”ساحل!!“ ہم پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئے ہیں، پلیز جانے دیں نا۔ اس کے سینے میں منہ چھپائے معصومیت سے بولی تو ساحل کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔“

”جانم!!“ شرط پوری کرنی پڑے گی ایسے تو جانے نہیں دوں گا۔ ایک ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے نظریں اس کے لبوں پر ٹکائے خمار آلود لہجے میں بولا تو اس کے جذبوں کی حرارت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے روح فنا ہوئی تھی۔“

”اچھا!!“ ٹھیک ہے پہلے آپ اپنی آنکھیں بند کریں۔ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے الگ ہونے کی کوشش کرتے روہانسی ہوئی۔“

”نہ! نہ! میری جانم تم اپنا اعتبار کھو چکی ہو اس لیے اب پہلے کس۔۔۔!!“ اپنا گال آگ کیا تو شرم سے لال ہوتی علیزہ نے کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔“



”حکے گلابی رنگ کی سادھے کڑتے کے ساتھ ار گنزا ڈوپٹہ لیے، ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی اپنے بال سٹیرٹ کرتے عمامہ! خیالوں کے بھوار میں کہیں کھو گئی۔“

”کافی عرصے بعد وہ اس طرح سے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر رہی تھی، ایک وقت تھا جب سچنا“ سنورنا“ اس کے پسندیدہ مشاغل ہوا کرتا تھا، شہلا بیگم کے لاکھ منا کرنے پر بھی وہ ہر وقت، نک سک تیار رہتی، اپنا خیال رکھتی تھی، یہ سب وہ کسی اور کی خاطر نہیں بس اپنے لیے کرتی تھی، پر کب کوئی اس کی اس تیاری کو غلط مطلب دے بیٹھا اس سمجھ ہی نہیں آئی تھی۔“

”میں نے تم سے ہنس کر بات کیا کر لی!!“ تم تو میرے گلے ہی پڑ گئی، تم کیا سمجھتی ہو تم! اس طرح اپنی خوبصورتی کے جلوے دیکھا کر مجھے امپریس کر لو گی، تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ کسی کے زہر خوند لہجے میں کہے الفاظ یاد آنے پر عمامہ کی آنکھ سے ایک موتی ٹوٹ کر گال پر پھسلا۔“

”تم میرے لیے کبھی اہم نہیں رہے! کبھی نہیں! خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیتے اپنے ہاتھ کی پشت رگڑ گئی۔“

”کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی، اور حقیقت یہی ہے کہ تم بھی چاہنے لگی ہو! تمہارا دل بھی دھڑکنے لگا ہے میرے لیے۔“ ایک دم ہی اذہان کے کہے الفاظ یاد آئیں تھیں۔“

”مجھے کسی کے ساتھ چاہ نہیں!“ یا پھر یہ کہنا بہتر ہو گا کہ اب زندگی کی چاہ نہیں رہی، ڈریسنگ پر رکھے کیلنڈر پر ایک اور تاریخ پر ریڈ مارک سے مارک کیا۔

”پوچھ کر کرویا“ بغیر پوچھے، لیکن کچھ بھی کرنے سے پہلے اتنا یاد رکھنا“ اگر تم نے اپنی جان لی تو اس دن ایک نہیں دو جنازے اٹھیں گیں! اس لیے کچھ بھی کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لینا۔

”کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا“ یہ صرف کہنے کی باتیں۔ اذہان کے کہے الفاظ یاد کرتے فوراً ہی خود کو یقین دلایا۔“

آپی....!!“ میں اندر آ جاؤں۔ دروازہ کھول کر تھوڑا سا سر اندر کرتے اجازت مانگی تو علیزہ کی آواز پر بیزاری سے آنکھیں منجی گئی۔“

”آ جاؤ...!!“ چہرے پر مسکراہٹ سجا کر اجازت دی۔ تو وہ فوراً سے کمرے میں داخل تیزی سے آ کر عمامہ کے گلے لگی تھی۔“

”آئی مس یو! سوچ!!“ آپی!!“ اور یہ کیا آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ اس کے گال پر پیار کرتے محبت بھرے انداز میں کہتے ہوئے آخر میں سوال کیا۔“

”میں تیار ہوں! بس باہر ہی آنے ہی لگی تھی۔ پھیکے سا جواب دینے پر علیزہ ٹھٹکی پر پھر اپنا وہم جان کر جانے دیا۔“

ل ”یکن آپ ہی ہم تو...!!“ علیزہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے کہ عمامہ سخت نظروں سے اسے دیکھا۔“

”آپی...!!“ مجھے سے کوئی غلطی ہو گئی یا“ پھر میری کوئی بات بری لگی آپ کو!۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے اس کے سامنے بیٹھے کر متانت سے استفسار کیا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پیار دیکھ کر عمامہ کو اپنے رویے پر پشیمان ہوئی، کسی اور کا غصہ وہ کسی اور پر نکال گئی تھی۔“

”ایسا کچھ نہیں! بس کسی اور کا غصہ تم نکال گئی سوری...!! اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عمامہ! نے صاف کوئی سے کام لیا۔ تو علیزہ کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔“

”پورے گھر کو برقی قمتوں اور ڈھولکی کی نسبت گیندے کے پھولوں سے خوبصورتی سے سجایا گیا تھا“ مہمانوں کی گہما گہمی عروج پر تھی بچوں کی کھلکھاریاں ماحول کی خوشی میں چارچاند لگا رہی تھی، لاونچ میں ایک طرف خاندان کی خواتین خوش گپیوں میں مصروف تھی، عنایہ کے لیے جھولے کو گیندے کے پھولوں سے خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔“

”کزنوں کے ہمراہ عنایہ! پیلے جوڑے میں سچی ہم رنگ کا گوٹے دار ڈوپٹہ لیے، بالوں کی چٹیا کو موتیے کے پھولوں سے آراستہ کیے بنا کسی میک اپ کے سہج سہج کر چلتی ہوئی جھولے تک آئی تھی، جہاں زمین پر کچھ لڑکیاں ڈھولکی کے ساتھ ساتھ شادی کے گیت گارہی تھی۔“

”اپنے اندر کے درد کو چھپائے عمامہ اپنی بہن کی خوشیوں میں تھے دل سے شامل تھی۔“

”تم زرا اپنی اس وہیل چیئر کو لے کر سائیڈ میں ہو جاؤ ایک عورت اس کے کی وہیل چیئر کو پرے دھکیل کر بیزاری سے بولی۔ تو عمامہ ایک سائیڈ میں ہو گئی جہاں خاندان کی خواتین بیٹھی تھی۔“

”کیسی ہو بیٹا“ دور کی رشتہ دار آنٹی عمامہ کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔“

”جی ٹھیک!!“ عمامہ نے مسکراہٹ کو قائم رکھتے ہوئے جواب دیا۔“

”عنایہ! چھوٹی ہے نا تم سے؟۔ اگلا سوال کیا تھا۔

جی!! ایک لفظی جواب دیا۔“

”چچ! چچ! چچ! تم بھی ٹھیک ہوتی تو آج بھائی صاحب تمہارے فرض سے سبکدوش ہو جاتے۔

ترس بھرے انداز میں اسے دیکھ کر بولی تو عمامہ نے صرف مسکرا نے پر اتفاق کیا۔“

”بیٹھ! بیٹھ! کر تھک نہیں جاتی۔ انداز چھبتا ہوا جس کا جواب اس کے پاس کبھی نہیں ہوتا تھا۔

ہم“!!!

”حسن اللہ نے اتنا دیا“ ٹانگوں میں جان بھی ڈال دیتا خدا!“ اپر کی جانب دیکھتی خدا پر شکوہ کر

رہی تھی جو وہ خود بھی کبھی نہیں کرتی۔“

”تیرے ”ماں باپ“ کا صبر ہے، جو تجھے سنبھال رہے ہیں، آج کے دور میں کوئی کسی کا نہیں، اللہ انھیں لمبی زندگی دے، انھ کے بعد پتا نہیں کیا ہو گا تمھارا۔ اس عورت کے ہمدردی بھرے الفاظ عمامہ کے دل کو چھلنی کر رہیں تھیں۔“

”عنایہ! کارشتہ وہی ہوا ہے جس کا بھائی سب کے سامنے تمھیں دھتکار کر گیا تھا۔ آنٹی کو اس کے زخم کریدنے میں شاید مزہ آرہا تھا۔ جس پر ضبط کرتے ہوئے عمامہ نے مٹھیاں بھیجنی لگی تھی۔“

”ہاں وہی تو ہے! صرف وہ رشتے سے انکار کرتانا،“ اتنا دکھنا،“ ہوتا، لیکن جس طرح بھری محفل میں اس نے اس بیچاری کو ذلیل کیا۔ توبہ توبہ ایک اور عورت نے باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کانو کو ہاتھ لگائے تو عمامہ کا صبر جواب دینے لگا پر اس صبر کا دامن تھامے رکھا۔“

”میں نے تو خود کتنی دفع اسے عمامہ! کے ساتھ بے تکلف ہوتے دیکھا“ ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ وہ اسے پسند کرتا ہوگا“ پھر پتا نہیں ایسا کیا ہوا جو اینڈ منگنی کے وقت اس نے بچاری کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ پہلی عورت کی باتیں سن کر ششدر رہ گئی تھی۔

”لڑکی کی عزت اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے، ضرور اس نے ہی موقع دیا ہوگا“ وہ تو لڑکا تھا پر اسے تو سمجھنا چاہیے تھا“ کوئی بھی ایک اپاہج کے ساتھ دل لگی یا ٹائم پاس تو کر سکتا ہے، پر اپاہج کا بوجھ ساری زندگی تو نہیں اٹھا سکتا۔ ان کی باتیں عمامہ! کو اپنے سینے میں کسی خنجر کی طرح پیوست ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ سونے پے سہاگے کا کام سامنے سے آتے اذہان کو دیکھ کر ہوا، جوان عورتوں میں گھری عمامہ کو دیکھ اور ان کی باتیں سن چکا تھا۔ آگے بڑھ کر انھیں جواب دینا چاہتا تھا پر اس وقت اس کا جواب عمامہ کو اور مشکل میں ڈالنے کا سبب بن سکتا اس لیے بنا کچھ کہے لمبے لمبے ڈاگ بھرتا باہر نکل گیا۔“

”میں نے یہ بھی سنا ہے، اس نے شادی بھی کر لی اور بیوی کو لیکر باہر شفٹ ہو گیا تھا، اب اپنے بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے آیا ہوا ہے، دوسری عورت اپنے طور پر بہت بڑا انکشاف کیا تھا۔ پر عمامہ کی نظریں گھر سے باہر جاتے اذہان کا تعاقب کر رہی تھی۔“

”یہ لو! یہ رکھ لو!!“ وہ جو اپنے کچھ اور سوچ رہی تھی ایک عورت نے اس کی ہتھیلی پر کچھ پیسے رکھ کر اس کی مٹھی بند کر کے اس کی گود میں رکھ تو متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔“

”بس میری بہوں کے لیے دعا کرنا اللہ پاک اس کی جھولی بھر دے۔ اس عورت نے اس کی مٹھی کو دباتے ہوئے ایسے بولی جیسے وہ کوئی ضرورت مند ہو۔“

”آئی اس کی ضرورت نہیں، میں ویسے ہی دعا کر دوں گی۔ عمامہ نے ایک بار پھر پیسے واپس کرنے چاہے تھے پر وہ وہاں سے اٹھ گئی تو عمامہ نے اپنی بند مٹھی کھولی تو اس میں کچھ گلے سڑے مڑے ہوئیں ٹوٹ دیکھ کر عمامہ کو اپنا آپ کسی سگنل پر کھڑے بھکاری سے کم نہ لگا۔“

”اللہ پاک تیرے ماں باپ کو ہمت دیں تیار ابو جھ اٹھانے کی۔ وہ عورت اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر جاتے جاتے بھی تلخ جملا کہہ گئی۔“

”آپی....!!“ عنایہ کی آواز پر عمامہ نے اپنے آنسوؤں اپنے حلق میں اتارتے ہوئے اس کی جانب مسکرا کر دیکھا۔ اس طرف آگئی۔“

”آپی پلیز!!“ یہ ڈیزائن دیکھیں! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ عنایہ جو کب سے مہندی والی سے بہس کرنے میں مصروف تھی اب مدد طلب نظروں سے عمامہ سے مخاطب ہوئی تھی۔“

”لاؤ دیکھاؤ مجھے؟۔“

عمامہ نے اس کے ہاتھ سے مہندی کے ڈیزائن بک لیتے ہوئے خود کو کمپوز کر گئی تھی۔“

”ویسے آپی!“ آپ کی بہن کے خنجرے بہت ہیں۔ علیزہ ایک بک لے کر دوسری جانب بیٹھی تھی۔

”تمہیں مسئلہ ہے!!“ عنایہ تڑخ کر بولی تو عمامہ نے اس گھور کر دیکھا۔“

”دلہنیں! اتنا نہیں بولتی! اور تم شاید بھول رہی ہو کہ تم دلہن ہو!۔ علیزہ بھی کہا پیچھے رہنے والی تھی۔“

”یہ دیکھو! یہ کیسا ہے۔ عمامہ نے ایک ڈیزائن دیکھاتے ہوئے پوچھا۔ تو عنایہ کے چہرہ پر چمک اٹھا تھا۔“

”اوو وواؤ!!“ آپی مجھے تو یہ ڈیزائن نظر ہی نہیں آیا۔ خوشی سے چمک کر عمامہ کے ہاتھ سے بک لے کر بولی تو اس کی آنکھوں میں خوشی دیکھ کر عمامہ کو اپنا دکھ کم ہوتا محسوس ہوا۔“

”آپی! آپ ہی مجھے لگا۔!!...“

عنایہ کی بات پوری ہونے سے پہلے عمامہ! نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا تو باقی کی بات اس کے منہ میں رہ گئی تھی۔“

”آپی! آج تو آپ مہندی لگوائے گی نا“ علیزہ! عنایہ کے سامنے رکھی مہندی کے تھال سے ایک کون اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔“

”وہ نہیں لگوائے گی۔ کرن جو ابھی باہر سے آئی تھی عمامہ کے جواب دینے سے پہلے سولی۔

اس کے ہمراہ آئی کزنوں نے پر تجسس انداز میں عمامہ کی جانب دیکھا۔“

”میں بھی دیکھتی ہوں! آج آپ کیسے نہیں لگاواتی میں خود لگاؤ گی اپنے ہاتھوں سے، وہ بھی اپنے

بھائی کے نام کی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے طرف کرتے ضدی لہجے میں کہتی آخر میں دھیرے سے

شرارت سے بولی تو عمامہ چونکہ کر علیزہ کو دیکھا تو وہ مسکرا کر یہاں وہاں دیکھنے لگی۔“

”علیزہ پلیز!!“ مجھے اس کی خوشبو نہیں پسند! عمامہ نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔“

”جھوٹ کیوں کہہ رہی ہوں، سچ بتاؤ کہ تم کسی کاروگ دل سے لگائے بیٹھی ہوں۔ کرن طنزیہ

انداز میں بولی تو عنایہ نے اسے گھور کر دیکھا جیسے اس باز رکھنے کی کوشش کی ہو۔ عمامہ نے مٹھی

بند کر لی تھی۔ وہ جتنا خود پر جبر کر رہی تھی لوگوں کی باتیں اتنا ہی اس کا صبر آزار ہی تھی۔“

”کیا مطلب!!“ علیزہ نے نا سمجھی سے پوچھا۔“

”کچھ نہیں! کچھ لوگوں کو عادت ہوتی ہے۔ عنایہ نے بات بدلی تھی۔“

”آپی پلیز! تھوڑی سی لگاوالیں۔ علیزہ نے ریکوسٹ کی تو عمامہ نے بامشکل اپنی بند مٹھی کھولی تھی۔“

”ہاں! ہاں! لگوالو! اور کوئی نہیں تو عالی! ہی کو دیکھا دینا تمھاری محبت کا جواب نا، سہی، تمھاری مہندی کی تعریف کر ہی دیگا۔ استخزیہ انداز پر فوراً سے اپنا ہاتھ کھینچتے عمامہ نے اپنی آنکھیں میچ لی تھیں۔“



”میں نے نہیں جانتا تم نے کہا تھا“ آگر! میں اپنے قول کا سچ ہوا تو تم میری مدد کرو گی۔ سپاٹ انداز میں یاد دلایا گیا تھا۔“

”بھائی! آپ صحیح کہہ رہے ہیں، پر اس وقت میں اپنے کمرے میں ہوں، میں کیسے آپ کی مدد کرو گھر مہمانوں سے بھر ہوا ہے۔ دوسری طرف سے عنایہ نے اپنی مجبوریاں گنوائی تھی۔“

”میں کچھ نہیں جانتا“ میرے بے سکون دل کو اسے دیکھے بغیر چین نہیں آئے گا“ تم کچھ بھی کر کے اس کے کمرے تک پہنچا دو!!۔ اذہان کی پیچین بڑھتی جا رہی تھی جب سے اس نے وہ سب سنا تھا اسے عجیب سی گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔“

بھائی!“ آج آپ کا موڈ صحیح نہیں، میں ابھی انھی کے کمرے سے آرہی ہوں۔ اسے ٹالنے کی کوشش کی تھی۔“

”ٹھیک ہے، تمہیں میری مدد نہیں کرنی نا“ کرو میں خود ہی کچھ کر لوں گا۔ سرد تاثرات سے کہتے کال کاٹ گیا تھا۔“

”ہاں وہی تو ہے! صرف وہ رشتے سے انکار کرتا نا“ اتنا دکھ نا“ ہوتا، لیکن جس طرح بھری محفل میں اس نے اس بیچاری کو ذلیل کیا۔ عورت کی آواز گونجی اور عمامہ کے بے بس چہرہ لہرایا تھا۔“

”آپ نے مجھے کیوں بچایا“ وہ بس مجھے مارنے ہی والا تھا! آج اگر میری یہ چلتی ہوئی سانسیں بند ہو جاتی تو میری ساری اذیتیں ختم ہو جاتی، مجھے حرام موت جیسا گناہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اذہان کو آج عمامہ کے کہے الفاظ کا مطلب صحیح معنوں میں سمجھ آیا تھا۔“

”تم لوگوں کی باتوں سے گھبرا کر خود کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، میں تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ سوچتے ہوئے اذہان گھر میں داخل ہوا تھا۔“



”مہندی لگی ہتھیلیوں کو نہارتے ان کی خوشبو کو اپنے اندر اتار رہی تھی، گہرے نیلے رنگ کی کڑتی کے ساتھ ہم رنگ ڈوپٹے میں اس کا دودھیا رنگت اور نکھر گیا کالے سلکی بالو کو آگے کیے وہ آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی، اپنی مہندی کا گہرا رنگ دیکھ کر شرم سے خود میں سمٹ رہی تھی، چہرے پر جھلوتی کچھ آوار لٹے اس پھول کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں کو چھونے کی گستاخی کر رہی تھی۔ جنہیں بار بار کان کے پیچھے اڑستے ہوئے باز رکھنے کی کوشش کرتی، بھوری آنکھوں میں اداسی بھری تھی پر وہ اپنی اداسی کو پرے دھکیل کر ان چھوٹی چھوٹی بے جان چیزوں میں اپنی

خوشی تلاش رہی تھی، اپنے سامنے رکھی چوڑیاں اٹھا کر اپنی کلائی میں پہنتی اس کھنکا کران کی آواز پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تو سامنے رکھے جھمکوں پر نظر جاتے ہی اسے اٹھا کر کان پہن کر اپنی انگشت سے اسے چھیڑا ہلکورے، نے پر خود کے سب سے سنورے روپ کو آئینے میں دیکھتے شرم سے اپنے ہاتھوں سے چہرہ اچھپا گئی۔ خود کے لیے سب سے سنورے ناہنسا روپ اپنے ہی خیالوں کی دنیا میں رہنا اپنے کمرے میں ہی اس اپنی خیالی دنیا بسائی ہوئی تھی۔“

”کیا فائدہ تمہاری اتنی خوبصورتی کا عمامہ جب تمہارے پیرو میں جان ہی نہیں! اور نہ اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکتی ہو! خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے افسردگی سے بولتے اپنے کان میں پہنا جھمکا بے دردی سے اتارنے لگی تھی۔“

”بھوووو!!“ اس کے کان کے پاس جھکتے زور سے چیخا تھا، ”اچانک افتاد پر عمامہ بھونچ کر رہ گئی اور اسے اس طرح دیکھ کر عالی بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔“

”عالی! یہ طریقہ ہے ابھی میرا دل بند ہو جاتا۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھے عمامہ نے ڈپٹا۔“

”تمہیں!!“ لگتا ہے کہ میں ایسا ہونے دیتا۔ اس کا عکس آئینے میں دیکھتے ہوئے عالی معنی خیز لہجے بولا۔

”ہاں! ہاں! تم بہت بڑے سرجن ہونا“ اسے پرے دھکیل کر عمامہ تپ کر بولی تھی، جس پر اس کے چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ ابھری تھی۔“

”جس کی کزن اتنی حسین ہوں! وہ تو پیدائشی سرجن ہوتا ہے۔ اس کے چہرے پر نگاہیں ٹکائے بولا تو اس کی بات کا مطلب سمجھتے کلس کر رہ گئی۔“

”عالی! کتنی بار کہا ہے اپنا یہ ٹھکر پن جا، کرا نہیں دیکھایا کرو! جو تم سے امپریس ہوتی ہیں، مجھے نہیں۔ سنجیدہ لہجے میں بنا کوئی لگی لپٹی کے بولی تھی۔“

”پتا نہیں کیوں تمہیں لگتا ہے، کہ میں تم سے ٹھکر پن کر رہا ہوں! کبھی میرے اپنے لیے جزبات کو محسوس کر کے تو دیکھو!۔ اس کے سامنے آتے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مستحکم انداز

میں نظریں اس کے چہرے پر ٹکائے بولا۔ اس کی بات سنتے کر نٹ کھا کر اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

”اپنے جذبات کی سمت درست کرو عالی؟ آئندہ مجھ سے ایسی کوئی بات مذاق میں بھی مت کرنا، ہم کزنز ہیں، اور اچھے دوست بھی، لیکن اس زیادہ کچھ نہیں سنجیدہ مگر نرم انداز میں عمامہ نے انکار کیا تھا۔“

”عمامہ! میں تو تمہارے دل کی بات کہہ رہا تھا“ مجھے لگا، شاید تم مجھے پسند کرتی ہو پر کہنے سے ڈرتی ہو! اس لیے سوچا تمہاری مشکل آسان کر دو۔ سرسری انداز میں عالی نے بات بدلنے کی کوشش کی۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے، اور تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں! عمامہ دو ٹوک انداز میں ختمی طور پر بات ختم کی۔“

”یک دم نظارہ پلٹ گیا تھا۔“

”لیکن تائی جان! آج تو عنایہ اور عباس کی منگنی ہے، پھر یہ ڈوپٹہ مجھے کیوں اوڑا رہی ہے۔ سیٹج پر عنایہ کے بائے جانب بیٹھی عمامہ نے اپنی حیرت کو الفاظ دیے تھے۔

”ابھی بتاتی ہوں! اس کے ماتھے پر لب رکھتے ثمنینہ بیگم پیار بھرے انداز میں بول کر پلٹی تھی، تو عمامہ نے نا سمجھی سے اپنی ماں کی طرف دیکھا تو شہلا بیگم نے آنکھوں کے اشارے سے اسے پر سکون رہنے کا کہا۔“

”لیڈر اینڈ جنٹل مین! ہیو یو اٹین شین پلیز!!“ ثمنینہ بیگم نے سب کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔“

”جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں! کہ آج ہم یہاں اپنے بچوں کی خوشی کے لیے جما ہوئیں ہیں تو کیوں نہ اس خوشی ڈبل کیا جائے۔ ثمنینہ بیگم تجسس پھیلا یا تو سارے خاندان والے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔“

آج ہمارے ایک بیٹے کی نہیں، دونوں بیٹوں کی منگنی ہے۔ تجسس کو قائم رکھتے ہوئے پاس کھڑے عالی کی طرف اشارہ کیا تو اس آنکھوں میں خوشی کے ساتھ حیرت بھی آسمانی تھی۔“

”ماما!“ آپ مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتی ہیں، میں کسی انجان لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا۔ عالی دھمی آواز میں احتجاج کیا تھا۔“

”بے فکر رہو کسی انجان سے نہیں، تمہاری محبت سے تمہارا رشتہ جوڑ رہیں ہیں، تم کیا سمجھتے ہو تم بتاؤ گے نہیں تو ہمیں پتا نہیں چلے گا۔ ارسلان صاحب عالی کے کندھے کے گرد بازو حائل کرتے پر جوش انداز میں پیش گوئی کرتے اس کے سر پر چت لگائی عالی! ان بات پر شکا کڈ رہ گیا تھا۔“

”جی تو میں کہہ رہی تھی، آج ہمارے دونوں بیٹوں کی منگنی، ہماری بھتیجیوں، یعنی کے ”عالی عمامہ“ ”عنایہ عباس“ شمینہ بیگم علان پر جتنا خاندان والے حیران ہوئے اس کہیں زیادہ

عمائمہ! اور عالی! ششدر رہ گئے تھے۔ اپنے ساتھ عمائمہ کا نام سنتے تیش کے عالم میں پلٹا جہاں عمائمہ لال رنگ کا ڈوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھی۔ متعجب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔“

”ضرور! یہ تمہارا ہی مشورہ ہوگا۔ اس کے سر ڈوپٹہ کھینچ کر اتارتے ہوئے سرد ترین لہجے میں دھاڑا جوا بھی تک ثمنینہ بیگم کے بات پر شکا کڈ تھی، عالی کا یہ روپ اسے اور حیرت میں ڈال گیا تھا۔“

”تمہیں! لگا ہوگا اور تو کوئی تم جیسی اپاہج سے تو شادی کرے گا نہیں! تو کیوں نہ اپنی تائی کو بہلا پھسلا اپنی چکنی چپڑی باتوں میں پھانسے لوں! پر نہیں عمائمہ صاحبہ میں تمہارا بھوجہ نہیں اٹھانے والا۔ سرد ترین لہجے میں زہرا گلاتھا۔ عالی کی باتوں پر پوری محفل میں سکتا چھا گیا۔“

”محبت اور تم سے ابھی میرا سٹینڈر اتنا بھی نہیں گرا! کہ میں تم سے محبت کرو! وہ بھی تم جیسی اپاہج سے!!“ دنیا میں کیا لڑکیاں ختم ہو گئی ہیں۔ چبا چبا کر کہتے عالی کی آواز بلند ہوئی تھی۔“

”عالی!!“ تم غلط سمجھ رہے ہو میں نے ایسا کچھ.....!!

”بس!!“ خبردار جو ایک بھی آنسو گرا تمہاری آنکھوں سے!“ تم سمجھتی کیا ہو خود کو!“ یہی آنسو! یہی معصومیت!“ دیکھا کر تم نے میری ماں کو بیوقوف بنایا ہوگا“ پر مجھے نہیں۔ عمامہ نے کچھ کہنے کی خاطر لب واکے تھے کے سختی سے اسے ٹوکتے ہوئے ڈھارا۔“

”بس کرو عالی!!“ اگر تمہیں یہ منگنی نہیں کرنی!

نہ کرو!!“ پر اسے اس طرح رسوا تو نہ کرو! ارسلان صاحب اسے بازو پکڑ کر اسے چپ کروانا چاہا پر وہ تو ہتھتے سے اکھڑ گیا تھا۔“

”تم سے میں نے ہنس کر بات کیا کر لی تم تو میرے خواب دیکھنے لگ گئی!!“ اتنے اونچے خواب دیکھنے سے پہلے خود کو بھی دیکھ لینا تھا“ مانا کہ تم خوبصورت ہو پر (لولی) بھی ہوں یہ بھول گئی تھی۔ زہرا گلے عالی یہ بھی بھول گیا کہ اوہ اس کی بسٹ فرینڈ بھی ہے۔ عالی کی باتیں سن کر چھن سے کچھ ٹوٹا عمامہ کی آنکھوں سے اشک غلطاں جاری ہوئے تھے۔“

”تم جیسی اپاہج کے ساتھ کوئی بھی دل لگی یا“ ٹائم پاس“!!...“

”چٹاخ“!!....

زنائے دار تھپڑ کی گونج کے می ساتھ عمامہ کی آنکھ کھل گئی، جس سے اشک خونیں جاری تھے۔
رونے کی زیادتی سے آنکھوں کے نیچے سرخ ڈورے پڑ گئے تھے۔ زمین پر گھٹنوں کے گرد بازو
حائل کیے ان میں سردے کر بیٹھی تھی۔“

”نہیں کرتی میں تم سے محبت! نہ ہی میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں!!“ اپنی ہاتھ کی پشت
سے بے دردی سے رگڑتے بڑبڑائی۔“

”لڑکی کی عزت اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے، ضرور اس نے ہی موقع دیا ہوگا“ وہ تو لڑکا
تھا“ پر اسے تو سمجھنا چاہیے تھا“ کوئی بھی ایک اپاہج کے ساتھ دل لگی یا، ٹائم پاس تو کر سکتا
ہے، پر اپاہج کا بوجھ ساری زندگی تو نہیں اٹھا سکتا۔ اس عورت نے اس زخم ادھیڑ کر رکھ دیے
تھیں۔“

”میں نہیں روؤں گی! کبھی نہیں روؤں گی! بس دو دن کی بات ہے، اس کے بعد مجھے ساری تکلیفوں نجات مل جائے گی۔ ہچکیوں سے روتی اپنی آنکھیں مثل کر صاف کی۔“

”ہاں! ہاں! لگوالو! اور کوئی نہیں تو عالی! ہی کو دیکھا دینا“ تمھاری محبت کا جواب نا سہی، تمھاری مہندی کی تعریف کر ہی دیگا۔ کرن طنزیہ انداز میں کہے الفاظ یاد کرتے عمامہ نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے

”جھوٹ ہے یہ سب!! جھوٹ ہے!!“ پلیز چپ ہو جاؤ!!“ میرا کوئی تعلق نہیں عالی! سے میں نہیں کرتے اسے محبت! کانوں پر ہاتھ رکھ ان چیخی تو آواز بند ہو گئی۔

”ہا ہا تم ایک اپا بچ ہو“!!!

”تم ایک بوجھ ہو!! بوجھ!!“ اپنے ماں باپ پر!!

”کسی کو تمھاری ضرورت نہیں“!!!

”تم ایک بیکار شے ہو“!!

تم جیسی اپاہج سے کوئی شادی نہیں کرے گا“!!..

تمہارے ساتھ صرف دل لگی یا ٹائم پاس کیا جاسکتا ہے۔

”لوگوں کی باتیں گونجنے لگی تھی جس نجات حاصل کرنے کا اسے صرف ایک ہی حل نظر آیا، اپنی سائیڈ ٹیبل کا ڈرار کھول کر اس میں سے سکون آور ادویات نکالی اور ایک کی جگہ دو گولیاں اپنی ہتھیلی پر نکالتے ٹیبل پر رکھے پانی کے گلاس دو گھونٹ میں گولیاں اپنے حلق میں اتارتے گلاس واپس اپنی جگہ پر رکھتے سر بیڈ کے ساتھ ٹکا کر آنکھیں موند گئی تھی۔“

”جھوٹ کیوں کہہ رہی ہوں!!“ سچ بتاؤ کہ تم کسی کا روگ دل سے لگائے بیٹھی ہوں! ایک بار کرن کہے الفاظ گونجنے تو ایک بار پھر آنکھوں سے نمکین پانی بہہ نکلا۔

”نہیں! اب نہیں! سونے کی کوشش کروں عمامہ!“ اسنے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔“

”میں نے تو خود کتنی دفع اُسے عمامہ! کے ساتھ بے تکلف ہوتے دیکھا“ ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ وہ اسے پسند کرتا ہوگا“ پھر پتا نہیں ایسا کیا ہوا جو اینڈ منگنی کے وقت اس نے بچاری کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ پھر کسی کے لفظوں کی بازگشت اسے سنائی تو اپنی آنکھیں کھول دی۔“

”کیا ملا تمہیں میرے ساتھ یہ سب کر کے عالی! میں نے تو کبھی تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا، پھر تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ ناچاہتے ہوئے بھی زبان پر شکوہ آگیا تھا۔ اور آنکھوں آنسوؤں کی لڑی جڑ گئی تھی۔ جسے ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے ہوئے، ایک بار پھر سکون آور ادویات اٹھائی اور اس بار دو کی بجائے چار گولیاں اپنے ہتھیلی پہ نکالتے پانی کا گلاس اٹھانے کے غرض سے ہاتھ آگے بڑھایا کہ جھٹکے سے کسی نے ہاتھ مار کر گلاس گرا دیا جس پر چونکتے ہوئے عمامہ بھیگی پلکیں اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اسے کے چہرے پر زخمی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔“

”ہنسہ!!“ آگے تم بس تمھاری ہی کمی تھی، باقی سب نے تو میری بے بسی کا مذاق اڑا لیا اب تم دیکھ لو میرا تماشا۔ درد و افیت سے کہتی اپنی ہتھیلی میں رکھی گولیاں اپنے منہ ڈال گئی۔ اسے اس بکھری حالت دیکھ کر اذہان کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔“

”عمائمہ...!! اذہان نے آگے بڑھ کر اسے رکنا چاہا پر عمائمہ نے اسے موقع نہ دیا۔“

”تم فکر نہیں کرو!!“ یہ چند گولیاں میری جان نہیں لیں گی، بہت ڈھیٹ ہو میں۔ اس کے اندر کا درد اس کے چہرے سے عیاں صاف عیاں تھا۔“

”کیوں کر رہی ہوں اپنے ساتھ یہ سب! کیوں!!“ اس درد کو محسوس کرتے اس کے سامنے بیٹھے کر کر ب سے بولا تو عمائمہ! کی آنکھوں میں نمکین پانی بھر آیا اور چہرے پر زخمی مسکراہٹ۔“

”تم بھی مجھے سب سامنے دھتکار دوں گے نہ؟ لیکن اس بار میں کسی کو موقع نہیں دوں گی! دو دن بس دوپھر میں سب کو دھتکار کر اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔ بھرائی ہوئی آواز میں سوال کرتے

عمائمہ نے اپنا آگے کا پلین بتایا۔ دوائیں اپنا اثر کرنے لگی تھی اسی لیے وہ سب بول گئی تھی جسے
سن کر اذہان! کے پیرو تلے زمین نکل گئی تھی۔“
جاری.....

اسلام علیکم ڈیئر ریڈرز امید ہے سب خیریت سے ہونگے کوئی بھی لیٹ اپنی کی شکایت نہ کرے
کیونکہ جیسا آپ کا رسپانس ہے اس حساب سے ابھی بھی میں نے اپنی جلدی اپلوڈ کر رہی ہوں۔
اب اگلے اپیسوڈ بھی آپ کے رسپانس پر

Ramsha Khan Seema Shahid Faryal Khan ناول:- بوند بھر

خوشی

از قلم طیبہ

Episode 27

”تم بھی مجھے سب کے سامنے دھتکار دوں گے نا؟ لیکن اس بار میں کسی کو موقع نہیں دوں گی! دو دن! بس دو!!“ پھر میں سب کو دھتکار کر اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔ بھرائی ہوئی آواز میں سوال کرتے عمامہ نے اپنے آنسو صاف کیے تو اس کی بات سن کر اذہان کے پیرو تلے زمین نکل گئی تھی۔“

”تم ہوش میں تو ہو!!“ جانتی بھی ہو کیا کہہ رہی ہو!! اسے کندھوں سے پکڑ کر غصے میں پھنکار تو وہ جو اسے اپنا وہم گمان کر رہی تھی، اس کی انگلیاں اس اپنے کندھوں میں دھنستی ہوئی محسوس ہوئی اسے اپنے سامنے دیکھ کر عمامہ کی آنکھوں میں حیرت آسمانی۔“

”تم ہوتے کون ہو! مجھ سے یہ سوال کرنے والے!!“ کس ناطے سے تم نے مجھے چھونے کی کوشش کی! میں اپنی مرضی کی مالک ہوں! کسی کو جواب دے نہیں! خاص کر تمہیں تو بالکل نہیں! اس لیے بہتر یہ ہو گا کہ تم اپنی لمٹ میں رہو!۔ اس کے ہاتھ جھٹکتے اپنے ڈر کو بالائے طاق رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسی کی طرح پھنکاری تھی۔ توپل بھر میں اذہان کو اذہان کو اپنا آپ بے معنی لگا تھا“

”میں بھی انسان ہوں! مجھے بھی درد ہوتا ہے! اپاہج ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میری ٹانگوں کی طرح میرا دل بھی اپاہج ہے، جو کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اسے کالر سے پکڑ کر سوال اٹھاتے اس کے گلے میں گولا بن گیا تھا۔ جس پر اس کی آنکھوں میں درد صاف عیاں تھا۔“

”جو کہنا ہے، کہو عمامہ! پر یہ مت کہو! کہ میرا تم پر حق نہیں یا“ میں تمہارا درد محسوس نہیں کر سکتا“ میں نے کسی غلط ارادے سے تمہیں نہیں چھوا! نہ کسی غلط ارادے کے تحت آیا ہوں! اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔“

”تو پھر کیا یہ دیکھنے آئیں ہو! کہ میں کہی میں مر تو نہیں گئی، یا“ پھر میری بے بسی کا تماشا دیکھنے آئے ہو یا“ پھر تم بھی سب کی طرح مجھ پر جملے کسے“ باتیں بنانے“ آئے ہو۔ ہچکیوں سے روتے ہوئے وہ اس کے سینے سے لگ گئی۔“

”ایسا کچھ نہیں! تم ایک بار مجھ پر یقین کر کے تو دیکھو!“ مستحکم انداز میں میں بولا۔“

”نہیں کرنا مجھے تم پر یا کسی پر بھروسہ!!“ کسی کی ضرورت نہیں!!“ مجھے کسی کی نہیں! میں مرنا چاہتی ہوں! تم نے اس دن میری کہی بات کا مطلب پوچھا تھا نہ“ تو سنو مجھے نہیں چاہیے یہ زندگی“ مرنا چاہتی ہوں میں۔ یکلخت اس دور ہوتے ایک بار پھر مشتعل ہوئی تھی۔“

”مجھے اس سے محبت نہیں تھی اذہان! پھر بھی اس نے جب مجھے دھتکارا تھا نا“ تو میں پوری طرح ٹوٹ گئی تھی، لیکن تم سے تو میں محبت کرنے لگی ہوں! بے انتہا محبت؟ اگر تم نے بھی وہی کیا جو اس نے کیا تو!

”نہیں!! نہیں!!“

ہزیانی انداز ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوتے ہوئے دواؤں کے زیرے اثر وہ اپنا حالے دل بیاں کر گئی جسے وہ خود سے بھی پوشیدہ رکھے ہوئے تھی۔“

”کیا کہا!!“ تم محبت کرتی ہو مجھ سے؟ اذہان نے اس کا چہرہ ہاتھ کے پیالے میں لیتے ہوئے بے یقینی سے پوچھا جو مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے آنکھیں موندے گئی تھی۔“

”عمائمہ! ایسے نہیں جیسے پہلے کہا،“ اسی طرح کہو!۔ اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے اذہان نے ریکوسٹ کی تھی پر اب اس پر دوائیں اپنا اثر کر چکی تھی جس کی وجہ سے سوچکی تھی۔ جس پر اس نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا اور اسے اٹھا کر بیڈ پر لیٹا کر اس پر کمفرٹ دے کر اس کے سر ہانے بیٹھ گیا تھا۔“

”دو نہیں! بس ایک دن! پھر تمہیں میرا ہونا ہو گا!“ پھر چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، جان کیسے لیتے ہیں پھر میں تمہیں اچھے سے بتاؤ گا۔ اس کے سر ہانے بیٹھے اس کے ماتھے سے بال ہٹاتے ہوئے معنی خیز لہجے بولا تھا اچانک کسی خیال کے تحت اٹھ کر سائیڈ ٹیبل کے ڈرارا چیک کیے تو اذہان کو ایک ڈرارا سے ایک تیز دھار آ لے اور چھری ملی تھی جسے دیکھ کر وہ شاکڈ رہ گیا تھا۔“

تم جتنی معصوم لگتی ہو، اتنی ہو نہیں! جان! اس کی سزا تو تمہیں ضرور ملے گی۔ دونوں چیزیں ڈرار نکال کر اپنے پاس رکھتے اس پر کمفرٹ صحیح کرتے او اسے دیکھ کر بولا تھا کہ دروازے کا نوب گھومنے آواز پر ٹھٹکا تھا۔“

”عمائمہ بیٹا!“ دروازے کا نوب گھوما کر اسے دھکیلتے ہوئے آیاز صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو اندھیرے اور ویرانیوں نے آیاز صاحب کا استقبال کیا تھا، جسے دیکھ کر آیاز صاحب کی آنکھیں ڈبڈبائیں تھیں اذہان جلد بازی میں پردے کے پیچھے چھپ گیا۔“

”عمائمہ بیٹا!“ دھیرے سے پکارتے ہوئے آیاز صاحب نے لائٹ اون کی تو نظر بیڈ پر سوئی عمائمہ پر گئی جس دیکھ کر انھیں کچھ حیرت ہوئی کیونکہ ایسے موقعوں پر وہ انھیں زمین پر روتی ہوئی ہی ملتی تھی۔“

”کیسا بد قسمت باپ ہوں! ایک بیٹی کی خوشی میں، دوسری بیٹی کی خوشی فراموش کر گیا۔ اس کے پاس بیٹھ کر اس کے سو جہی آنکھوں اور مٹے مٹے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے بولے۔“

”مجھے معاف کر دوں عمامہ بیٹا!“ میں جانتا ہوں! تم اس وقت تکلیف میں ہو! اور میں چاہ کر بھی تمہاری تکلیف کم نہیں کر سکتا۔ اس کے بالوں کو سہلاتے اس کے ماتھے پر لب رکھے تھے اتنی دیر میں شہلا بیگم بھی کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔“

”سو گئی!!“ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایاز کو دیکھ کر استفسار کیا تھا۔“

”شش!!“ لگتا ہے تھوڑی دیر پہلے ہی سوئی ہے۔ ایاز صاحب نے انگلی کے اشارے سے آہستہ آواز میں بولنے کا کہہ کر خیال ظاہر کیا۔“

”میں تو کھانا لے کر آئی تھی، مہمانوں کے چکر میں اس کا خیال ہی نہیں رہا، تو اس نے بھی رضیہ سے نہیں کہا۔ کھانے کی ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے متفکر انداز میں شہلا بیگم نے بتایا تو پردے کے پیچھے کھڑے اذہان کی نظر اپنے ہاتھ میں پکڑی سکون آورد ویات پر گئی تھی جو اس نے سائیڈ ٹیبل سے اٹھائی تھی جسے وہ خالی پیٹ کھا گئی تھی۔“

”ایاز! آپ کو نہیں لگتا جب سے وہ واقع ہوا ہے یہ بہت زیادہ چپ رہنے لگی ہے، پہلے تو میرے ڈاٹنے پر فوراً رد دیتی تھی، پر اب جیسے اسکے آنسو بھی خشک ہو گئیں ہیں۔ عمامہ کو دیکھتے ہوئے شہلا بیگم رائے دی تو ایاز صاحب کی آنکھوں میں نمکین پانی بھر آیا تھا۔

”میں کہتا تھا پہلے بڑی بیٹی کی شادی کرو! لیکن تم ہی نے جلدی مچائی! عنایہ کی شادی کی، ناجانے کیا گزرتی ہو گی اس پر جب اپنی چھوٹی بہن کو دیکھ کر، یہی نہیں وہ پڑھنا چاہتی تھی اس پر بھی تم نے اعتراض اٹھائیں، پینٹنگ بناتی تھی، مہندی لگاتی تھی، اسکے وہ شوق اُس نے چھین لیے، اب تم اس کے نارونے پر بھی سوال اٹھا رہی ہوں کہیں تو بخش دو!۔ ایاز صاحب اپنی بیٹی کی ابتر حالت دیکھ کر برہم ہوئے تو شہلا بیگم کی آنکھیں نم ہوئی۔“

”آپ شاید بھول رہے ہیں! میں اس کی ماں ہوں دشمن نہیں! اس کی تکلیف مجھے بھی محسوس ہوتی! اس کی پڑھائی کیوں چھڑائی آپ اچھے جانتے ہیں! اور پینٹنگ اور مہندی کے لیے آپ مجھے قصور وار نہیں ٹھہرا سکتے، البتہ عنایہ! کی شادی کے لیے میں نے اصرار کیا میں مانتی ہوں، آپ ہی بتائیں کون ہے آج کے زمانے میں اتنا اعلیٰ ظرف، جو ہماری اپاہج بیٹی کو اپنائے، عالی! نے جو

کیا ہماری بیٹی کے ساتھ وہ یاد نہیں آپ کو۔ دوسری طرف سے بیڈ پر عمامہ کے پاس بیٹھتے شہلا بیگم آبدیدہ ہوئی تھی۔ تو ایاز صاحب لا جواب ہو کر رہ گئیں۔ تو کچھ دیر کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔“

”ایاز! عمامہ سانس نہیں لے رہی؟۔ وہ جو عمامہ کو نم آنکھوں سے نہا رہی تھی ایک دم سے محسوس کیا۔“

”کیا...!“ ایاز صاحب ٹھٹھکے اور فوراً اسے اسے کے نتھنوں کے پاس دو انگلیاں کرتے چیک کیا تھا اور پھر اس کی کلائی پکڑ کر اس کی نبض چیک کی جو بہت آہستہ چل رہی تھی۔“

”عمامہ...!!“ عمامہ بیٹا...!!“

”عمامہ بیٹا...!!“ آنکھیں کھولو اس کا چہرہ اٹھتے پاتے ایاز صاحب نے اسے اٹھانا چاہا پر وہ تو شاید گہری نیند میں جا چکی تھی۔ شہلا کی بات سن کر اذہان کے ہاتھ سے کانچ کی شیشی گر کر ٹوٹی جس کی آواز پر دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔“



”جو بھی ہے، لیکن اب اس سب کا کوئی فائدہ نہیں، آپ جو کچھ اس کے ساتھ کر چکے ہیں، اس کے بعد کوئی نہیں مانے گا۔ بالکنی میں رینگ پر ہاتھ رکھے لان میں بکھرے سامان پر نظریں جمائے اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔“

”میں سب کو مناں لونگا!“ بس تم میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرو! اگر تم چاہو تو سب ممکن ہے۔ عالی کے انداز پر عباس ٹھٹھکا۔“ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وقفے وقفے سے دونوں کو چھو کر گزر رہے تھے۔

”نہیں بھائی! آپ جو چاہتے ہیں میں وہ ہر گز نہیں کروں گا“ عنایہ میری محبت ہے میں اسے کسی کے غرض کی خاطر استعمال نہیں ہونے دوں گا! آپ شاید بھول رہے ہیں، آپ شادی شدہ ہیں، اگر چچا جان! نے آپ کو معاف کر بھی دیا تو پھر بھی وہ آپ پر اب کبھی بھروسہ نہیں کریں گیں۔ اس کی ارادے سمجھتے ہوئے عباس نے صاف انکار کر کے آئینہ دیکھایا۔“

اگر میں شادی شدہ ہوں تو وہ بھی اپاہ.....!!“۔ روانی میں بولتے ہوئے یک دم سچ اس کی زبان پر آتے آتے رک گیا۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا“ بھائی عباس کو تشویش ہوئی۔

”تم غلط سمجھ رہے ہو! وہ تو بس غلطی سے بول گیا۔ عالی نے فوراً وضاحت پیش کی۔ جو عباس کو خاص مطمئن نہ کر سکی۔“

”عانیہ بھابھی! نے آپ کو دوسری شادی کی اجازت دیدی یا“ پھر آپ انھیں چھوڑ دیں گئیں؟ عباس نے خدشے کے پیشے نظر سوال اٹھائے۔“

”ارے نہیں! وہ وہی رہے گی اسے بتانے کی ضرورت نہیں، عمامہ! کو یہاں رکھوں گا“ آتا جاتا رہو گا اور تم فکر نہیں کرو اس کا سارا خرچہ میں ہی اٹھاؤ گا“ چار شادیوں کی اجازت دی ہے ہمیں ہمارے دین نے۔ آگے کا سارا منصوبہ ترتیب دیتے آخر میں انگلیوں کے اشارے عالی نے گویا یاد دلایا تھا۔“

”بھائی! شادی کے علاوہ بھی ہمارا دین ہمیں بہت کچھ سیکھاتا ہے، لیکن ہم صرف اپنے مطلب کی بات ڈھونڈ کر اس پر ہی عمل کرتے ہیں، آپ شاید بھول رہے ہیں ہمارا دین ہمیں کسی کا دل توڑنے سے بھی مना کرتا ہے، کسی کے جذبات سے کھیلنے کی اجازت بھی نہیں دیتا، آپ اس مظلوم پر ایک بار ظلم ڈھا کر تھکے نہیں، جو ایک بار پھر اس کے جذبات سے کھیلنے کا سوچ رہے ہیں، وہ بیچاری تو پہلے ہی ابھی تک خود کو سنبھال نہیں پائی، اور آپ اسے ایک اور دکھ دینے کا سوچے بیٹھیں ہیں۔ عباس کو اپنے بھائی کی سوچ جان کر افسوس ہوا تھا۔“

”نہیں یار! تم میری بات کا غلط مطلب لے رہے ہو! میں واقعی اپنے کیے پر شرمندہ ہوں! عانیہ ماں بننے والی ہے۔ اور ایک ماں کو اس کے بچے سے الگ کرنا بھی تو ظلم ہے نا“ میں جانتا ہوں وہ مانے گی نہیں اسی لیے میں اسے یہاں لے کر نہیں آؤں گا“ عمامہ! یہاں آرام سے رہے گی میری بیوی بن کر! سال دو سال بعد میرا پاکستان کا چکر لگتا رہے گا۔ عباس کو بگڑتے ہوئے دیکھ کر عالی نے سنجیدگی سے اپنی بات سنبھالی۔“

”جو بھی ہے مجھے یہ سب صحیح نہیں لگ رہا“ اور ویسے بھی آخری فیصلہ عمامہ! کا ہو گا اس بار میں آپ کا نہیں اس کا بھائی بن کر فیصلے کا حق اُسے دوں گا“ اس کے ساتھ کسی کو کوئی زور زبردستی کرنے کی اجازت میں کسی کو نہیں دوں گا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر عباس نے صاف گوئی سے کام لیا۔ جس پر وہ خاموش ہو گیا۔“



”آئی سی یو کے باہر تین نفوس اضطراب کی سی کیفیت میں مبتلا تھے۔ شہلا بیگم! آنسو بہاتی اپنی بیٹی کی زندگی کے لیے دعا گو تھی، ایاز صاحب شہلا کو تسلی دینے کے ساتھ اپنی بیٹی کے لیے بھی فکر مند تھے جبکہ اذہان تردد کے عالم میں یہاں سے واہ ٹہلتے وقفے وقفے سے شیشے میں اپنی متاع جاں کو دیکھ رہا تھا جس کی پریشانی ایاز صاحب نظروں سے اوجھل نہیں تھی۔“

”آئی سی یو کی لائٹ بند ہوتے ہی ڈاکٹر باہر نکلی تو ایاز صاحب سے پہلے اذہان آگے بڑھا تھا۔

”عمامہ! کیسی ہے؟ بلا توقف اذہان کے پوچھنے پر ایاز صاحب نے حیرت سے اس کی جانب

دیکھا۔

”جی پیشنٹ کے کیا لگتے ہیں؟ ڈاکٹر نے پرفیشنل انداز میں جواب دینے کے بجائے سوال کیا تھا۔

”میری بیٹی ہے! آپ مجھے بتائیں! ایاز فوراً سے بولے۔“

”جی پریشانی کی کوئی بات نہیں! اصل میں انھوں نے خالی پیٹ کوئی دوا لی شاید ضرورت سے زیادہ لے لی! جس کے باعث دل کی دھڑکن اور نبض کم ہو گئی تھی، ہم نے ان کا سٹمک واش کر دیا ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں تھوڑی دیر میں آپ انھیں گھر لے جاسکتے ہیں ڈاکٹر نے پرفیشنل انداز میں تفصیل بتائی تھی۔“

”آگے سے دھیان رکھیے گا“ اس بار تو وقت رہتے پتا چل گیا اگر تھوڑی دیر ہو جاتی تو ان کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا“ ڈاکٹر نے مزید بتایا تو ایاز صاحب کی آنکھیں نم ہوئی آخر وہ اس قدر اپنی بیٹی سے غافل ہو گئے تھے۔“

”ہم مل سکتے ہیں؟ ایک بار پھر اذہان بولا تو ڈاکٹر نے اثبات میں جواب دیا جس پر وہ فوراً سے پیشتر اندر کی طرف گیا ایاز اور شہلا بھی اسے کے پیچھے گئے تھے۔“

”اندر داخل ہوتے ہی عمامہ! کو دیکھ کر اذہان تڑپ کر رہ گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں جاری ہوئے اور قدم وہی ساکت ہو گئیں تھے۔ ایاز شہلا تیزی سے اندر ہو گئے تھے۔

”نہیں چاہیے یہ زندگی مرنا چاہتی ہوں میں! عمامہ کے کہے الفاظ گونجے تھے۔“

”عمامہ بیٹا!“ شہلا بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے دھیرے سے پکارا دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔ اپنی ماں کی آواز پر عمامہ نے مندھی مندھی آنکھیں کھولی تھیں۔“

”امی جی...!“ بولنے کی کوشش کی۔

عمامہ بیٹا یہ کیا حرکت تھی اگر ہم وقت پرنا“ پہنچتے تو جانتی کیا ہوتا“ ایاز صاحب زندگی میں پہلی مرتبہ عمامہ سے خفا ہوئے تھے۔“

”ایاز! بچی ہے! اسنے کون سا جان کر کیا یہ سب کیا۔ شہلا بیگم نے اس کی ہمایت کی۔“

”شہلا آج تم نہیں بولو گی تم جانتی ہو یہ وقت میں نے کتنی اذیت میں گزارا ہے، کیا کیا خیال آرہے تھے میرے زہن میں، مجھ لگ رہا تھا یہ سب میری وجہ سے ہوا، ضرور میری محبت میں

کہیں کمی رہ گئی جو میری بیٹی کو اتنا بڑا قدم اٹھانا پڑا۔ ایاز صاحب برہم ہوتے ہوئے اپنے آنسوؤں صاف کیے۔“

”نہیں باباجان!“ آپ کی محبت میں کہیں کوئی کمی نہیں! میرے سر میں درد تھا بس اسی کے لیے دوا لی تھی، میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا۔ اپنے باپ کی حالت دیکھ کر پشیمان ہوئی تھی۔“

”جی انکل! یہ اسنے جان کر نہیں کیا! کیونکہ خود کشی کرنے کا ارادہ تو میڈم صاحبہ! کا عنایہ! کے ولیمے کی تقریب کے بعد کا ہے، یہ تو صرف ٹریلر تھا،“ فلم تو ابھی باقی ہے ان کی! کیوں عمامہ! صحیح کہہ رہا ہوں نا؟۔ اس کے چہرے پر ٹگائے سرد ترین لہجے میں طنز کرتے ہوئے ایاز صاحب سے مخاطب تھا۔ اذہان کی بات سن کر بھونچکا کر رہ گئیں تھے۔ جبکہ عمامہ تو اس کی موجودگی پر ہی حیرت زدہ تھی۔“

”کیا مطلب ہے!! تمہاری اس بات کا ایاز صاحب کو تشویش ہوئی“

”باباجان! ان کی بات سننے کی ضرورت نہیں آپ میری بات سنیں! میں سچ کہہ رہی ہوں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ عمامہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے وضاحت پیش کی تھی۔“

”جی آنکل! آپ ان کی بات سنیں! کیونکہ یہ میرے سامنے تو بول سکتی ہیں! میری محبت کو جھٹلا سکتی ہیں! لیکن جب لوگ ان سے ہمدردی جتاتے ہیں! طنز کرتے ہیں! تو ان کو جواب دینے کے بجائے یہ اپنے کو قصور وار ٹھہرا کر خود کی زندگی ختم کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں! ان سے یہ بھی پوچھیں کہ کیا یہ بھی اتفاق ہے کہ انھوں نے اس اغواء کار کو اس قدر تیش دلایا کہ وہ اس کی جان لینے کے درپر آگیا“ جب کے اس کا مقصد صرف مجھے بلیک میل کرنا، علیزہ کو نقصان پہنچانا تھا“ اور میرا وقت پر پہنچنا بھی انھیں ناگوار گزرا کیوں میں جھوٹ کہہ رہا ہوں عمامہ! سرد نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولتے آخر میں عمامہ کو مخاطب کیا تو وہ گڑبڑا کر رہ گئی ایاز صاحب اذہان کی باتیں سن کر متعجب نظروں سے کبھی اذہان کو تو کبھی عمامہ کو دیکھ رہے تھے شہلا بیگم تو ساکت رہ گئی تھی۔“

”بابا...!“ عمامہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ ایاز صاحب کی سخت گیر نظروں نے خاموش کروادیا۔ تو اس کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوئے تھے۔“

”آنکل میں عمامہ! کو پسند کرتا ہوں! اور چاہتا ہوں کہ کل آپ اپنی ایک نہیں دونوں بیٹیوں کو رخصت کریں میں تو آپ سے پہلے ہی بات کرنا چاہتا تھا“ عمامہ! نے مجھے روکے رکھا، لیکن اب اس کی اس حرکت کے بعد میں اور انتظار نہیں کر سکتا، ایاز اور شہلا ابھی پہلے جھٹکے سے نکلے نہیں تھے کہ اذہان کی اگلی بات پر شاکڈ رہ گئیں۔“

”نہیں باباجان! آپ مجھے جو سزا دینا چاہے دیں دیں! لیکن ان کی بات نہ مانے پلیز باباجان! عمامہ روہانسی ہوئی تھی۔“

”بیٹا“ یہ جگہ ان سب باتوں کے لیے نہیں! کل گھر آنا آرام سے بات کریں گیں! ایاز صاحب نے اس کے کندھے پر رکھ کر خود کو کمپوز کرتے ہوئے رسان سے کہا۔“

”جی ضرور کل میں آؤگا“ ساتھ مولوی صاحب کو لے کر آؤگا“ آپ بس اپنی بیٹی کو سمجھا دیجئے گا“ کیونکہ زبردستی کرنا مجھے بالکل پسند نہیں۔ متانت سے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا اور ایک بھر پور نظر عمامہ پر ڈالتے ہوئے تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔“

جاری.....

نیٹ ورک پر و بلم کی وجہ سے اپنی لیٹ اپلوڈ کی بے آپ کار سپانس دیکھ کر سر پرانز بھی مل سکتا ہے

Ramsha Khan Seema Shahid Faryal Khan Tehreem

Ramzan ناول:- بوند بھر خوشی

از قلم: طیبہ

Episode 28

”ایک نئی صبح کا آغاز ہوا تھا گھر میں ہر طرف گہما گہمی عروج پر ہر کوئی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھا۔

”عباس پھول والے کال کردی تھی اس کہنا تھا تازے پھولوں سے سجاوٹ کرے عنایہ کو آرٹیفیشل پھول پسند نہیں عباس کو دیکھتے ہی شمینہ بیگم کو یاد آیا تھا۔

”اما“ میں دلہا ہوں، ایک دن تو آرام کرنے دیں۔ عباس کو بھی اپنی ماں کو دیکھتے ہی اپنے دکھ یاد آئیں تھے۔

”ہاں! ہاں! اپنے یہ رونے اپنی بیوی کو سنانا“ ابھی وہ بتاؤ جو میں پوچھ رہی ہوں۔ وہ بھی اسی کی ماں تھی۔“

”جی کردی ہے کال؟ آپکی بہوں کے لیے تازے پھولوں کی سجاوٹ ہو جائے گی، تقریب ان کے گھرتیا ریاں مجھے کرنی پڑ رہی ہیں۔ چڑ کر بولا تھا۔“

”ہاں! تو تم ہی کہہ کر آئے تھے چچا جان! میں آپ کا داماد نہیں بیٹا ہوں! جو بھی کام ہو مجھے کہہ دیجئے گا“ اور اب صرف مہندی کی سجاوٹ کا کہا ہے تو تم باتیں بنا رہے ہو۔ اس کی کہی بات یاد دلائی تھی۔

”عباس! ذرا میرے ساتھ چلو مجھے کچھ کام ہے۔ سیڑھیوں سے اترتے عالی نے عجلت میں کہا۔ جسے دیکھ کر ثمنینہ بیگ کے چہرے پر سنجیدگی در آئی تھی۔“

”گھر میں بہت کام ہیں، تمھاری طرح فارغ نہیں، اپنے کام خود کرو، پہلے کون سا تم ہم سے پوچھ کر کچھ کرتے ہو۔ اس کی طرف دیکھے بغیر ہی سپاٹ انداز میں بولی تھی۔“

”ماما! پلیز معاف کر دیں! بھائی! کو وہ اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہیں۔ مدافعانہ انداز میں بولا۔“

”اما“ آپ جو کہے گی میں وہ کرنے کو تیار ہوں پر ایک بار معاف کر دیں۔ عالی تائید کی۔

”میں کون ہوتی ہوں معاف کرنے والی، معاف کرنے والی ذات تو وہ ہے، لیکن تم نے جو اس بچی کے ساتھ کیا ہے نا، وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی، اگر عباس کی شادی نہ ہوتی اور مجھے

مہمانوں کا خیال نہ ہوتا، تو میں تمہیں کبھی اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہ دیتی۔
سنجیدگی سے انگلی اٹھا کر کہتے آخر میں سرد نگاہ عالی پر ڈالی تھی۔“

”ماما!“ میں چچا جان! سے معافی مانگنے جا رہا ہوں! کہتے ہیں جسا کا دل دکھایا ہوا گروہ معاف کر دے، تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے، آپ بس دعا کرنا آج مجھے معافی مل جائے نہیں تو یہ احساس سے جرم مجھے مار دے گا۔ عالی نے بڑی چالاکی سے الفاظ کے جال میں اپنی ماں کو پھانساں اور مصنوعی آنسو صاف کرتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گیا۔“

”ماما! بھائی! اپنے کیے پر سچ پشیمان ہیں، اس کے جانے کے بعد اپنے بھائی کی ارادوں سے بے خبر ایک بار پھر اپنے بھائی کی حمایت کی تھی۔“

”اگر عمامہ! معاف کر دیتی ہے، تو پھر میں بھی سوچوں گی۔ ثمنینہ بیگم نے نیم رضا مند ظاہر کی جس پر وہ فوراً سے اپنی ماں کے گلے لگا۔“

”اائی لویو! ماما! بس میرے معاملے میں تھوڑی ظالم ہو۔ اس کے گال چومتے ہوئے آخر میں شرارت سے بولا۔“

”چل ہٹ بد معاش۔۔۔!“ اس کے کندھے پر چت لگتے بولی تھی۔“

اچھا میں ذرا بھائی! کے ساتھ جاتا ہوں! بھائی کے بہانے مجھے اس چھپکلی کی ٹانگ کھینچنے کا موقع مل جائے گا۔ عالی کے پیچھے جاتے عباس اپنا خیال ظاہر کیا۔“

”خبردار! جو تم نے میری بیٹی کو تنگ کیا، خیر آج تو تم اس سے نہیں مل ہی نہیں سکتے، اب تمہیں کل ہی ملے گی نکاح کے بعد۔ اسے خبردار کرتے ثمنینہ بیگم نے جیسے اسے یاد دلایا تو وہ ایک آہنہ بھر کر رہ گیا جس پر ثمنینہ بیگم نے نفی میں سر ہلایا۔“



”تھوڑی دیر بعد ہی عمامہ! گھر آگئی تھی پردواؤں کے زیرے اثر وہ دیر تک سوئی رہی۔ اذہان صبح سے کئی مرتبہ کال کر کے اس کی خیریت ایاز صاحب! سے معلوم کر چکا تھا“ آج ہی نکاح

کرنے پر بہ ضد تھا پہلے تو ایاز صاحب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی پھر اس کی جذبوں کی سچائی، دیکھ کر عمامہ کو منانے کا وعدہ کر لیا تھا۔“

”عمامہ! کی آنکھ دیر سے ہی کھلی تھی پر سر ابھی بھی بھاری ہو رہا تھا شہلا بیگم! مہمانوں کی مصروفیات باوجود نہ صرف اس کے کمرے میں آکر اس کی طبیعت کا پوچھ چکی تھی، بلکہ آج ناشتہ بھی خود ہی کروا کر گئی تھی پر بات نہ کی۔ رات اذہان کے جانے کے بعد کسی نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا، نہ اس کی اس حرکت کی وجہ جانی چاہی جس پر وہ اپنے آپ کو گلی محسوس کر رہی تھی، اور ”رہ رہ“ کر اسے اذہان پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے کیوں اس کے ماں باپ کے سامنے اسے جھوٹا ثابت کیا، اتنا ہی نہیں یہ تک کہہ دیا کہ وہ اسے پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔“

”عمامہ! اپنی سوچوں میں غلطیاں تھی، کہ دروازے پر ہوتی دستک نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو اس نے اجازت دی

اجازت ملتی ہی دروازے کو دھکیلتے ہوئے ایاز صاحب کمرے میں داخل ہوئے جنہیں دیکھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔“

”باباجان آپ؟ نظریں جھکائے مدہم لہجے میں منمنائی۔

کیوں میں نہیں آسکتا نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کیے ایاز ہلکی سی حٹکی سے بولے تو عمامہ! کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔

”نہیں باباجان! ایسی کوئی بات نہیں! آپ جب چاہے آسکتے ہیں میں تو بس۔ عمامہ نے جلدی سے وضاحت پیش کی۔

”طبعیت کیسی ہیں اب۔ اس کی بات کو نظر انداز کرتے سائیڈ پر رکھی دوا کی شیشی اٹھا کر دیکھتے ہوئے سرد سپاٹ انداز میں استفسار کیا۔“

”جی ٹھیک!!“ انگلیاں مروڑتے ہوئے جواب دیا۔“

”ہمم...!!“ سر سری انداز میں جا نچتی نظروں یہاں وہاں دیکھتے ہوئے بولے تھے ان کے انداز سے ان ناراضگی واضح تھی۔“

”باباجان! آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ ڈرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بامشکل سوال کیا۔ جس پر ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی۔“

”میری ناراضگی سے تمہیں فرق پڑتا ہے“ چھپتے ہوئے اندر پر عمامہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔“

”باباجان! عمامہ کی آنکھوں سے دومتی ٹوٹ کر گال پر پھسل گئیں تھیں۔ وہ کہا عادی تھی اپنے باپ کے اس رویے کی۔“

”نہیں، رونا نہیں! تم جانتی ہو! میں تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتا لیکن تم نے جو حرکت کی اور جو تم کرنے کا سوچ کر بیٹھی تھی، وہ سب جان کر مجھے بہت تکلیف ہوئی، میں نہیں جانتا تھا کہ میری بیٹی اس قدر کمزور ہے، کہ اپنی جان لینے کی کوشش کر سکتی، ائی ڈونٹ بلیواٹ!!۔ اس

کے آنسوں دیکھ کر ایاز صاحب کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اس کے پاس بیٹھ کر آنسو صاف کرتے خفگی سے شکو کیا تھا۔“

”باباجان! لوگوں کی باتیں ان کے رویوں نے اب مجھے سے جینے کا حوصلہ چھین لیا ہے، آپ کی بیٹی بہت کمزور ہو گئی ہے، ایسا لگتا ہے جیسے بوجھ بن گئی ہوں میں آپ“....!!!

”پاگل کس نے کہا تم بوجھ ہو! اگر بوجھ تم جیسا ہوتا ہے تو میں باخوشی یہ بوجھ ساری زندگی اٹھانے کے لیے تیار ہوں، تم تو میری جان ہو! تمہیں دیکھ کر تمہارا باپ جیتا ہے، رہی بات تمہاری ماں! کی تو تم جانتی ہی ہو جتنا غصہ کرتی ہے اتنی ہی محبت کرتی ہیں تم سے۔ اس کی بات پوری ہونے سے قبل اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پیار سے پچکارا۔“

”اور بیٹا یہ دنیا کسی سے خوش نہیں ہو سکتی، نہ کسی کھاتے ہوئے کو دے سکتی ہیں، نہ کسی روتے ہوئے کو چپ کر و سکتی، نہ کسی کو ہنستا ہوا دیکھ سکتی، اور تم اس دنیا کی باتوں سے تنگ آ کر اپنے

رب کو ناراض کرنے چلی تھی پاگل لڑکی۔ خود سے الگ کرتے نرمی سے سمجھاتے ہوئے آخر میں اس ڈپٹہ تھا۔

”باباجان! نروٹھے پن سے کہتے ہوئے دوبارہ ان کے سینے سے لگی تھی۔“

”بیٹا یہ زندگی دارالامتحان ہے جہاں ہم نے دو پیپر دینے ہیں ایک صبر کا دوسرا شکر۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں لوگوں کو آٹھ طرح کے حالات میں آزماتے ہیں، عزت، ذلت، بیماری، صحت، نفع، نقصان، خوشی، غمی۔

ہر بندہ ہر وقت ان میں سے کسی ایک حال میں ہوتا ہے، ان آٹھ کو اگر تقسیم کریں تو دو دو حالات میں تقسیم ہوں گے یا، تو اچھے حالات ہوں گے یا، برے یعنی یا تو بندہ عزت میں ہوگا، یا ذلت میں، یا صحت ہوگی یا بیماری، تو اللہ دو حالات میں آزماتے ہیں یا تو اچھے یا برے کہ یہ بندہ اچھے حالات میں شکر کرتا ہے یا نہیں، اور برے حالات میں صبر کرتا ہے یا نہیں، تو دو پیپر بنے ایک شکر کا پیپر اور دوسرا صبر کا پیپر، اب اگر بندے نے اچھے حالات میں شکر کیا تو اس نے پیپر کو

پاس کیا اور اگر ناشکری کی تو اس پیپر کو فیل کیا اور اگر صبر کے پیپر میں صبر کیا تو پاس ہوا اور بے صبری کی تو فیل ہو گیا، اس کو دیکھتے ہوئے رسان سے بات مثال دے کر سمجھایا تھا۔“

”تو باباجان! کیا میں فیل ہو گئی؟۔ کسی بچی کی طرح عمامہ! نے ایاز صاحب کو دیکھ کر سوال کیا۔“

”نہیں اللہ پاک نے تمہیں ایک موقع دیا ہے تاکہ تم اپنے کیے کی معافی مانگ سکو، کیوں کہ وہ تو اپنی مخلوق سے سہت محبت کرتا ہے، ہم ہی نہیں سمجھتے، بیٹا یہ دنیا ہمارے لیے دارا قامت ہے، ہمارا اصلی وطن جنت ہے، دنیا میں رہ کر دنیا کو اپنا اصلی وطن سمجھ لینا اور ساری محنتیں اور ساری امیدیں دنیا سے لگا دینا بے وقوفی کی بات ہے، انسان کے لیے دنیا میں سب سے بڑی بلندی عبدیت ہے اسی لیے انسان ذکر کرتا ہے تاکہ اللہ کی محبت اس کے دل میں آجائے، اب صرف محبت کا آجانا مقصود نہیں ہے، جب محبت آجائے تو پھر محب ہمیشہ محبوب کو راضی کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور رضا کیا ہے؟ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا، جیسے اللہ پاک نے تمہیں اگر کوئی کمی دی تو اس پر راضی رہنا کہ کسی کی بات سن کر خود کو کمتر سمجھ لینا اللہ نے اگر ایک طرف سے

کچھ کم دیا تو دوسری طرف کمپیوٹر جیسا دماغ دیا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے، تم عنایہ کے مقابلے میں کسی بھی بات کو جلدی سمجھ جاتی ہو، کسی چیز کو دیکھ تم فوراً سیکھ لیتی ہو تم نے زیادہ پڑھی نہیں پھر بھی تم عنایہ کی اس پڑھائی میں مدد کرتی اور بھول گئی جو تم پینٹنگ بناتی تھی اور مہندی لگانا تم نے کس سے سیکھی سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے سوال کیے تو وہ لا جواب ہو گئی۔

اصل چیز تو آخرت ہے۔ بیٹا دنیا نہیں!

دنیا میں نہ ہو کامیابی، لیکن آخرت پر کمپر و مائز نہیں ہو سکتا ہے اور تم اپنی آخرت برباد کرنے چلی تھی وہ بھی لوگوں کی باتوں کی وجہ سے آپ کیوں امید کرتے ہیں لوگوں کو راضی کریں؟ آپ کیوں ایسے اعمال نہیں کرتے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو،

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (5)

اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ مزید بات جاری رکھتے آخر میں سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر (5) پڑھ سنائی تو اس کے سچے دل کو جیسے قرار آ گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔“

باباجان!!“ اب میں کبھی لوگوں کی باتوں کو سیریس نہیں لوں گی، اور نہ ایسی کوئی حرکت کروں گی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو! اور میری آخرت خراب ہو۔ پر عزم انداز میں کہتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔“

”میری سمجھ دار پر تھوڑی پاگل بیٹی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے بولیں۔

”باباجان!!“

لاڈ سے بولتی ایاز صاحب کے سینے سے لگی تھی۔“

”عمائمہ بیٹا! ایک بات پوچھوں تو کیا تم مجھے اس کا سچا سچ جواب دو گی۔ ایاز صاحب نے سوال

کیا

جی یک لفظی جواب دیا۔

”رات جواذہان! نے کہا کیا وہ سچ ہے؟ سنجیدگی سے کریدا۔

”مطلب...!!“ عمامہ انجان بنی۔

”یہی کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے، تم سے شادی کرنا چاہتا پر تمہارے کہنے پر اس نے اب تک

بات نہیں کی۔ صاف گوئی سے کام لیا

”باباجان! نہ تو مجھے اذہان! میں انٹرس ہے نہ ان کی پسند میں، جہاں تک بات ہے شادی کی تو

اس بارے میں ہم پہلے ہی بات کر چکے ہیں۔ عمامہ نے گول مول جواب دیا۔“

”اگر میں تمہارے لیے کوئی فیصلہ کروں تو کیا تم مانو گی۔ ایاز صاحب نے جاننا چاہا۔“

”باباجان! میں جانتی ہوں آپ جو کہنا چاہتے ہیں، لیکن میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں، میں ایسے کسی جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہتی اس لیے آپ بھی مجھے فورس مت کیجیے گا دے دے الفاظ میں انکار کیا تھا۔“

”اذہان! اچھا انسان ہے اگر میں کہوں کہ یہ میری بھی خواہش ہے تو۔“ ایک بار پھر اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی

”دنیا بھری پڑی ہے اچھے انسانوں سے باباجان! اگر میں آپ کی خواہش کا احترام کر لوں تو پھر یہ اس اچھے انسان کے ساتھ ظلم ہو گا کیونکہ میں یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی۔ عمامہ اپنی بات پر قائم رہی۔“

”محبت کرتا ہے تم سے، اور تمہاری بھی ساری ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے بہ خوشی تیار ہے۔ ایک اور وجہ دی تھی۔“

”باباجان! ہر محبت کا انجام شادی ہی ہو ضروری نہیں! اس لیے آپ اسے صاف انکار کر دیں وہ زور زبردستی“!!.....

اس سے قبل کہ وہ اپنی بات پوری ہوتی دروازے پر ہوتی دستک نے دونوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔“

”آجائیں...!!“ ایاز صاحب نے اجازت دی تو دروازے کو دھکیلتے ہوئے ہوئے رضیہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

”باہر اذہان صاحب آئیں ہیں؟ بڑی بی بی آپ کو بلا رہی ہیں؟ رضیہ کے اطلاع دینے پر عمامہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔“

”اچھا تم چلو میں آتا ہوں۔ ایاز صاحب اٹھتے ہوئے بولے تو عمامہ نے فوراً سے اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ نم آنکھوں سے التجاء کی تھی جس پر وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ اسے تسلی کراتے کمرے سے نکل گئے تھے۔“

جی ضرور کل میں آؤگا“ ساتھ مولوی صاحب کو لے کر آؤگا“ آپ بس اپنی بیٹی کو سمجھا دیجئے گا“ کیونکہ زبردستی کرنا مجھے بالکل پسند نہیں۔

”ایاز صاحب عمامہ! سے بات کرنے کے بعد دہری کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے ایک طرف بیٹی تھی تو دوسری طرف اسی بیٹی کی خوشیاں جو انھیں اذہان کی روپ میں نظر آئی تھی، اسی تگ و دو میں وہ ڈرائینگ روم تک پہنچے تھے اور سامنے کا منظر دیکھ دنگ رہ گئے جہاں ملازم سرخ رنگ کے کپڑے سے سجے تھال ٹیبل پر رکھ رہے تھے، علیزہ! کی خوشی قابلے دید تھی جو ساحل! کے ہمراہ صوفے پر بیٹھی متلاشی نظروں سے اسی جانب دیکھ رہی تھی جہاں سے ایاز صاحب! داخل ہوئے اذہان! کے اندر کا خلفشار بڑھتا جا رہا تھا جو کہ عمامہ! کے جواب جاننے کے لیے تھا ایاز صاحب کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے برجستگی اٹھا کر آگے بڑھا تھا۔“

”اسلام علیکم“ آنکل! بہت ٹائم لگا دیا آنے میں۔ پر جوش انداز میں بلگیر ہوتے ہلکے پھلکے انداز میں شکوہ کیا جس پر زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجا کر سلام کا جواب دیا تھا۔

”بلا جہ اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سسکی مٹانے کو نظریں ملائے بغیر گویا ہوئے۔“

”یہ تو کچھ نہیں میرا بس چلے جہاں بھر کی خوشیاں لا کر اس کی جھولی میں ڈال دوں! لیکن آپ یہ

سب چھوڑیں یہ بتائیں عمامہ مان گئی ہے نا۔ پر مسرت انداز میں کہتے آخر میں آس پوچھا جس پر

اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر کچھ دیر تک سوچ میں پڑ گئے۔“

”بیٹا،“ تمہیں نہیں لگتا یہ بہت جلدی ہو جائے گا لوگ کیا سوچیں گیں۔ اس کی بات کو قطع نظر

کرتے ایاز صاحب نے بات کا رخ موڑا تھا جس اس کے وہ ٹھٹھکا۔

”اذہان شاہ!! نے کبھی لوگوں کی پرواہ نہیں کی، آپ بس یہ بتائیں عمامہ مان گئی! اس کے لہجے

کا سرد تاثر دیکھ کر علیزہ ساحل اپنی جگہ سے اٹھے تھیں۔“

”یار! ان کی بات سن تو لو! وہ صحیح کہہ رہے ہیں۔ ساحل بیچ میں بولنے کی کوشش کی تو اذہان نے

ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔“

”آنکل! عمامہ نے انکار کر دیا۔ دو ٹوک انداز میں جاننا چاہا۔“

”بیٹا تمہارے آنکل کہہ رہے ہیں نا، ہمیں تھوڑا وقت تو دواں طرح اچانک ہم کیسے اسے راضی کر سکتے ہیں جبکہ وہ شادی کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔ اب کی بار شہلا بیگم نے مداخلت کی تھی۔“

”مطلب! میرا خدشہ صحیح ثابت ہوا وہ نہیں مانی۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔“

”بیٹا! اس کا کہنا ہے کہ وہ شادی کی زمرے داریاں اٹھانے کے قابل نہیں۔ مبہم انداز میں ایاز صاحب گویا ہوئے تو اذہان کے چہرے پر زخمی مسکراہٹ نمودار ہوئی ضبط کا دامن تھامتے دائے ہاتھ کی مٹھی بھیجنے لگی تھی۔“

”جانتا تھا آپ کی بیٹی نہیں مانے گی، اسی لیے میں فیصلہ کر کے آیا تھا اگر آج بھی اس نے انکار کر دیا تو پھر میں اسے مجبور نہیں کروں گا کرب آلود لہجے میں کہتے اذہان کے ماتھے کی شکن گہری ہوئی تھی۔“

”بھائی میں بات کرتی ہوں آپ سے مجھے یقین ہے وہ میرے بات ضرور.....!!!“ بر جستگی اس بات قطع کی

”اب کسی کو اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں! بس آنکل ایک آخری مرتبہ میں اس ملنا چاہتا ہوں اس کے بعد میں کبھی آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ سپاٹ انداز میں علیزہ سے کہتے آخر میں ایاز صاحب سے مخاطب ہوا تھا ضبط سے رگیں تن گئی تھی جسے پر ایاز صاحب نے اثبات میں سر ہلاتے اسے اجازت دی تو وہ ڈرائینگ روم سے نکل کر آنکھوں کے کورے صاف کیے۔ کرن جو سیڑھیوں سے اتر رہی تھی اذہان پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں میں چمک اٹھی جس کی اسے کب سے تلاش تھی وہ اس کے سامنے تھا پر اگلے ہی لمحے اذہان کو عمامہ کے کمرے کی اور جاتے ہوئے دیکھ کر اس کی خوشی حیرت میں تبدیل ہوئی تھی۔“



”تم میری ہو! اور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ خود کو یوں تکلیف پہنچاؤ۔ گزر ہوئے لمحوں کی بازگشت ہر گزرتے لمحے اس کے دکھ میں اضافہ کر رہی تھی اپنی محبت کا گلا گھونٹنا آسان نہیں تھا

لاکھ خود پر ضبط کرنے کے بعد بھی آنکھ سے دو موتی ٹوٹ کر گال پر پھسل گئے، جسے بے دردی سے اپنے ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کیا تھا۔

”میں نہیں ہوں تمھاری! نہ ایسا کبھی ہوگا! اور ناہی میں ایسا ہونے دوں گی! تمھیں بھولنا ہوگا مجھے! میں کبھی نہیں، چاہوں گی کہ میری محبت تمھارے پیروں کی زنجیر بنے، اور تمھاری دنیا صرف مجھ تک محدود ہو کر رہ جائے، یہ ”قیدے تنہائی“ اکیلا پن“ کس قدر اذیت ناک ہے، یہ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے، جانتے بوجھتے میں کبھی بھی تمھیں اس اندھی کھائی میں گرنے نہیں دوں گی، میری محبت اتنی خود غرض نہیں۔ کھڑکی سے باہر آسمان کو دیکھتے ہوئے سوچوں کے گہرے سمندر میں غوطہ زن آنکھوں میں امنڈنے والے آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے۔“

”بنادستک کے کمرے کا دروازے کا نوب گھوماتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا، پورے کمرے میں چھائی ویرانی اس کے دل کا حال بتا رہی تھی۔ ”دشمن جان“ کھڑکی کے سامنے خود سے

جانے کون سی جنگ لڑ رہی تھی، اس بات سے انجان کے جس سے وہ اپنے دل کا حال چھپانے کی سعی کر رہی ہے، وہ اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی اس کے دل کا اس سے بہتر جانتا تھا۔
”عمائمہ“!!..

گھمبیر مردانہ آواز پر اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر نکلی، اور فوراً سے خود پر ایک سرد مہری کا خول چڑھا لیا۔

وہ کبھی بھی اس شخص کے سامنے اپنی کمزری آنے نہیں دینا چاہتی تھی، اس بات سے بے خبر کے وہ شخص جس سے وہ اپنا درد پوشیدہ رکھنے کی خاطر ہلکان ہو رہی تھی، وہ تو اس کا چہرہ دیکھ کر ہی سب جاننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

”آپ یہاں کیوں آئیں ہیں؟! پلٹے بغیر سوال کیا تھا بہت کوشش کے باوجود بھی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔“

”میرے یہاں آنے کی وجہ! تم مجھ سے بہتر جانتی ہو! اس لیے تمہارا یہ سوال بنتا نہیں
عمائمہ!“ آواز میں خفگی نمایاں تھی۔ وہیل چیئر کارخ اپنی طرف پھیرتے ہوئے نظریں عمائمہ
کے چہرے پر مرکوز کی تھی۔“

”پلیز!!“ دور رہ کر بات کریں...!! عمائمہ نے فوراً سے ہاتھ اٹھا کر تنبیہ کی، لہجے میں یک دم
درشتگی در آئی اپنے مقابل شخص کو دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔“

”میں نہیں جانتی آپ کے یہاں آنے کی وجہ، اور نہ ہی میں جاننا چاہتی ہو! آپ نے جو میرا تماشا
لگانا تھا، لگا لیا! اب آپ یہاں کیا دیکھنے آئے ہیں؟ عمائمہ کے انداز سے یہ جاننا مشکل تھا کہ اس
میں درد زیادہ ہے یا غصہ۔“

»تم غلط سمجھ“!!....

”اذہان کی بات پوری ہونے سے قبل ہی تیکھی نظروں سے دیکھا تھا۔ء

”جب میں نے منا کر دیا تھا! تو پھر یہ سب کرنے کی کیا تنگ بنتی تھی، کیا میری بات کی اتنی وقعت ہے، آپ کی نظر میں، آپ کی اس حرکت نے مجھے کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا، کیا سوچیں گے سب میرے بارے میں! آپ کیا سمجھتے ہیں، کے آپ مجھ اس طرح پریشاں کر کے اپنی بات منوالیں گے، تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے، میں آپ سے شادی کے لیے کبھی ”ہاں“ نہیں کہوں گی کبھی نہیں۔ ایک بار پھر تم سے آپ پر آتی عمامہ مشتعل ہوئی تھی۔“

”عمامہ کی باتیں سن کر اذہان کا چہرہ اسکی سے سرخ ہو گیا تھا اپنے غصے پر ضبط کرتے جبرے بیچ گئے تھے۔“

”عمامہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے طرف کھینچ کر جھٹکے سے اپنے سامنے کھڑا کیا اس پہلے کے وہ زمین بوس ہوتی اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سنبھال لیا تھا۔

اس اچانک افتاد پر عمامہ کی چلتی ہوئی زبان یک دم بند ہوئی تھی۔“

”یہ کیا طریقہ...!! اذہان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی تھی دینے کی جس پر وہ اسے اپنے اور قریب کر گیا۔ اذہان کی اس حرکت پر وہ آگ بگولہ ہوئی تھی۔“

”شششش!!! بہت بول چکی تم! اور بہت سن لیا میں نے، اب میں کہوں گا! اور تم سنو گی! عمامہ کی بات پوری ہونے سے پہلے اسے کے ہونٹوں پر انگلی رکھتے گھمبیر لہجے میں کہتے اس کی روح فنا کر گیا تھا۔ عمامہ کو کمر میں اس کی انگلیاں دھستی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔“

”کیا کہہ رہی تھی ذرا ایک بار پھر سے کہنا میں نے تمہارا تماشا لگا لگایا! میں نے! تمہیں لگتا ہے کے میں ایسا کر سکتا ہوں! بے یقینی کے عالم اذہان نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے گویا ہوا تو عمامہ کی آنکھوں سے آنسوؤں ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔“

”یا پھر تم نے میرا، میری محبت کا تماشا بنا دیا سب کے سامنے!!“ صرف اتنی سی خواہش تھی، جس سے محبت کی اس سے اپنا ہی تو بنانا چاہتا تھا! ایسی کون سی غلط بات کہہ دی تھی یا پھر ایسی کون

سی انوکھی خواہش کا اظہار کر دیا جو تمہارے لیے ناممکن ہو گیا۔ اذہان کے لہجے میں درد کے ساتھ غصہ بھی تھا عمامہ نے نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔“

”باقی سب کی طرح آپں بھی مجھے ہی مجروح الزام ٹھہرا دیں! لیکن پھر بھی میرا جواب وہی رہے گا نہیں کرتی میں آپ سے محبت!۔ اس سے نظریں ملائے بغیر اپنے آپ کو اس کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش میں ہلکان ہوتے بامشکل بولی تھی زبان آنکھوں کا ساتھ دینے سے انحراف کیے ہوئے تھی جس پر اس کی گرفت مزید سخت ہوئی تھی۔“

”آپ مجھے ہرٹ کر رہے ہیں! اس کی انگلیاں کمر میں پیوست ہوتی محسوس تو درد سے ترپ کر رہ گئی تھی۔

”اس تکلیف کا کیا! جو تم نے یہاں دی ہے۔ اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے کو فت واذیت سے بولا تو عمامہ کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوئے تھے۔

”میں نے کوئی تکلیف نہیں دی! میں نے پہلے ہی متنبہ کیا تھا آپ جس راہ پر چل نکلے میں اس پر آپ کا ساتھ نہیں دوں گی، آپ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا سوائے درد و تکلیف کے“ میں آپ کی کبھی نہیں ہو سکتی، کبھی نہیں! اس سے اپنا ہاتھ چھڑاتے خود پر ضبط کی طنائیں باندھتے گویا ہوئی تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جڑ گئی تھی۔

اگر میں سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہوں! اور اس راستے پر تنہا ہوں! تو یہ آنسوؤں تمھاری آنکھوں سے کیوں کر چیخ چیخ کر تمھاری تمھاری اس بات سے انحراف کر رہے ہیں۔ اس کے آنسوؤں پورے پر چنتے جاننا چاہا۔“

”ایسا کچھ نہیں وہ تو بس! عمامہ نے فوراً سے اپنے آنسوؤں صاف کیے۔“

”یہی بات اگر تم میری آنکھوں میں دیکھ کر کہہ دو تو کیا معلوم میرے اس بے چین دل کو قرار آ جائے، جو رات تمھارے اظہارے محبت کے بعد سے دیوانہ سا ہو گیا ہے، اور اپنی اوقات بھول

گیا۔ تھوڑی سے اس کا چہرہ اوپر کرتے اس کا ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھتے ایک آس سے بولا تو عمامہ کی بھیگی پلکیں اٹھی اور گہری کالی آنکھوں سے ٹکرائی جس میں دردِ اذیت صاف عیاں تھی۔ جس دیکھ عمامہ کا دل چاہا دنیا کی باتوں کو قطع نظر کرتے اس کے سینے پر سر رکھے اور اپنا حال دل کہہ دے۔“

ایک بار کہہ دو! پھر میں تمہیں کبھی پریشان نہیں کروں گا، تم سے تمہاری دنیا سے دور چلا جاؤں گا، اتنی دور کہ تم چاہو گی بلانا تو بھی واپس نہیں آؤں گا، کوفت و اذیت سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے گویا ہوئے تو اس کا دکھ محسوس کرتے عمامہ کی آنکھیں لبالب بھر آئی تھی۔“

”نہیں کرتی میں.....!!!“ اسے پہلے کے عمامہ اپنی بات مکمل کرتی اذہان نے گن نکال کر اپنی کینٹی پر رکھ کر آنکھیں بند کی اور دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے اس غیر متوقع حرکت پر عمامہ شذر رہ گئی باقی الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے تھے۔“

ی... یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟۔ با مشکل اپنی حیرت کو الفاظ دیے۔

”تمہارے بغیر پل پل مرنے سے بہتر ہے ایک بار میں کام تمام تم صحیح کہتی ہو لمحہ بہ لمحہ کی اذیت سہنے سے بہتر ایک ہی بار اس اذیت سے نجات حاصل کر لی جائے، اس کے بعد جو تمہارا جی چاہے کرنا تمہیں روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ سرد سپاٹ انداز میں بولتے عمامہ کو ساکت کر گیا۔“

”یہ کیا پاگل پن ہے اذہان!!“ دور کریں اسے چل جائے گی۔ عمامہ اس کے ہاتھ سے گن چھیننے کی سعی کرتے چلائی تو تمخسرانہ تبسم ہونٹوں پر ابھری۔ اور ٹریگر پر دباؤ بڑھایا۔“

”ہاں ہو گیا ہوں! پاگل، دیوانہ، جو چاہے کہہ سکتی ہو پر مجھے روکنے کا حق نہیں رکھتی، کیونکہ میں تو تم سے محبت کرتا ہوں! اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہوں پر تمہیں ایسی کوئی مجبو“!!!!.....

”اذہان.....!!!! یہ چل جائے گی۔ اذہان کو کھودینے کے خیال سے وہ پوری طرح لرز کر رہ گئی تھی۔

”آپ تو کہتے تھے کہ آپ زور زبردستی کرنے والوں میں سے نہیں، تو پھر کیوں کر رہے ہیں یہ سب، میں آپ کو کوئی خوشی نہیں دے سکتی، کیوں نہیں سمجھتے آپ، میں نہیں ہوں آپ کے لائق۔ بے بسی کی انتہا پر پہنچ گئی تھی۔“

”میں کوئی زبردستی نہیں کر رہا میں چاہتا تو تمہاری طرح کسی کو کچھ کہہ بغیر گولیاں کھا لیتا اور میٹھی نیند سو جاتا، لیکن پھر سوچا موت کی آغوش“!!.....

”برجستگی سے ہاتھ اس کے منہ پر رکھتی نفی میں سر ہلاتی اس کے سینے سے لگ گئی تھی ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئی تھی، اذہان کی بات سن کر اسے لگا جیسے اس کے جسم سے جان نکل گئی ہو عمامہ کے سینے سے لگتے ہی اذہان کا ہاتھ ڈھلک گیا اور ہاتھ سے گن چھوٹ کر فرش پر گر گئی۔ مقناطیسی انداز میں بازو اس کے گرد حائل کرتے ہوئے اسے خود میں بھنچ گیا تھا۔“

”میں آپ کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں، آپ جو چاہتے ہیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ کچھ دیر اس کے سینے سے لگ کر آنسوؤں بہانے کے بعد اس الگ ہو کر آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو اذہان کی آنکھوں میں حیرت آسائی۔“

”میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں بس آپ“!!!.....

”پہلے یہ آپ آپ کہنا تو بند کرو! تم کہہ کر بلاتی ہو تو اپنا سا لگتا ہے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اس کی بات قطع کرتے ہوئے گویا ہوا تو اس کے انداز پر ایک بیٹ مس کیا تھا حیا سے چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔“

”شادی کرو گی؟ پر تجسس انداز میں سوال کیا۔“

”ہمم...!“ نظریں جھکائے بس اتنا ہی کہہ پائی تو اذہان کے چہرے پر دل فریب مسکراہٹ ابھری دل کو جیسے قرار آ گیا ہو۔“

”میری دلہن بنو گی؟“

آگے کو جھک کر کان کے پاس شوخ لہجے میں سرگوشی نما سوال کیا تو اس کی اس بات پر عمامہ کے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی تھی۔ حلقے سے سر کو جنبش دی تو اذہان نے جھک کر اسے گود میں اٹھا کر خوشی گھوم گیا تھا

”اذہان یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ اچانک افتاد پر عمامہ چیخنی تھی۔“

”پھر آپ...!“ یک دم رک کر اذہان نے ٹوکا تھا خفت مٹانے کے غرض سے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔“

”اب اور کوئی سوال جواب نہیں! اس سے قبل کہ تم اپنا ارادہ بدل دو ہم نکاح کریں گیں۔“ اذہان کے قدم باہر کی جانب بڑھے تھے۔“

”پہلے آپ.. نہیں تم! مجھے نیچے تو اتارو۔ اسے کمرے سے نکلتے دیکھ گڑ بڑائی تھی۔“

”آج میں تمہاری ایک نہیں سننے والا۔ پر شوخ انداز میں کہتے اذہان اسے گود میں اٹھائے کمرے سے نکلا تو عمامہ کا دل جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا کوفت و سسکی کے مارے آنکھیں بند کر لی تھی، اور

اس کی اس حرکت پر اذہان کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ باہر جو سب اذہان کے انتظار کر رہے تھے اس غیر متوقع انٹری پر سب شا کڈ رہ گئے تھے۔ وہی کرن جو اذہان کو عمامہ کے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھ ششدر رہ گئی تھی۔ اب عمامہ کو اذہان کی بانہوں میں دیکھ کر خون کھول اٹھا۔ گو کہ ایاز صاحب پہلے ہی سب مہمانوں کو بتا چکے تھے حیران تو ہوئے پر بولنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔“

”ساحل! مولوی صاحب کو بلاؤ اس پہلے کے تمھاری بھابی اپنا ارادہ بدلیں، پھر انکار کر دے۔ بنا کسی کی پرواہ کیے ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے عجلت میں حکم صادر کیا تو وہ فوراً سے باہر کی جانب بڑھا۔“

”آنکل! آپ کو اب تو کوئی اعتراض نہیں ہے، عمامہ! باخوشی یہ شادی کی زمرے داری اٹھانے کو تیار کیوں صحیح کہہ رہا ہوں نا۔ عمامہ کو صوفے پر بیٹھتے شروع میں ایاز صاحب کہتے آخر پر شوخ انداز میں عمامہ سے مخاطب ہوا تو اس کی جھکی نظریں مزید جھک گئی تھی۔“

”نہیں بیٹا“ ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے ہم تمھاری خوشی میں خوش ہیں۔ محبت بھرے انداز آگے بڑھ کر عمامہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ تو شہلا بیگم نے بھی دعا دی۔“

”آئی سو ہیمنی فور یو آپی! عنایہ نے کس کر ہگ کرتے ہوئے کہا تو علیزہ نے اسے بازوؤں سے پکڑ دور کیا۔“

”اب یہ تمھاری آپی! نہیں میری بھابھی! ہیں۔ علیزہ تڑخ کر بولی تھی جس پر عنایہ کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔“

”علیزہ تم ذرا سائیڈ میں ہونا“ اب یہ صرف میری ہے۔ اس کو سائیڈ میں کرتے اذہان خود عمامہ کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ جس پر عنایہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی، تھوڑی دیر پہلے ماحول میں جہاں عجیب سی گھٹن تھی وہی اب سب خوشی سے پھیل گئی تھی۔“

”ماریہ نے عمران صاحب کے ہمراہ شام میں آنا تھا کرن جلدی آگئی تھی پر اب اسے اپنا آپ بے معنی سالگ رہا تھا، عباس کے بعد اب اذہان کھونے پر اس کا جی چاہ رہا تھا عمامہ کو اس گھر کو آگ

لگا دے، لیکن یہ سب وہ کس کے لیے کرتی اذہان کو اسے کوئی سروکار نہ تھا اس نے تو اسے دیکھا بھی نہیں یا پھر دیکھ کر بھی اندیکھا کر دیا تھا۔“

”آنکل! اجازت ہے۔ مولوی صاحب کے آتے ہی اذہان! نے ایاز صاحب سے اجازت طلب کی تھی عمامہ خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھی تھی دل میں عجیب سی اتھل پتھل ہو رہی تھی۔“

”شروع کرو! ایاز صاحب نے اجازت دی تھی۔

”ایک منٹ یہ نکاح نہیں ہو سکتا۔“

”آنکل! اجازت ہے۔ مولوی صاحب کے آتے ہی اذہان! نے ایاز صاحب سے اجازت طلب کی تھی۔ عمامہ! خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھی تھی دل میں عجیب سی اتھل پتھل ہو رہی تھی۔“

”شروع کرو! ایاز صاحب نے اجازت دی تھی۔

”ایک منٹ یہ نکاح نہیں ہو سکتا!!“۔ علیزہ کی آواز پر سب نے متعجب نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔“

”اووہووو“ کوئی آپنی کوڈوپٹہ تو اڑا دے کم از کم۔ سب کی نظروں سے گھبراتے ہوئے علیزہ نے فوراً سے وضاحت پیش کرتے عمامہ کو سرخ رنگ کا ڈوپٹہ اڑا کر آگے کو گھونگٹ دیا جس کے چاروں طرف گوٹے کا کام ہوا تھا اور سنہرے حروف میں اذہان شاہ کی دلہن درج تھا جسے دیکھ کر کرن پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی، اور باقی سب کی رکی سانس بحال ہوئی تھی۔ اذہان کے نام کا ڈوپٹہ پہنتے ہی عمامہ! کا دل الگ ہی ترنگ میں دھڑکا تھا۔“

”تو تم یہ ایسے بھی کہہ سکتی تھی! یہ ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ عنایہ نے اس کے کندھے پر تھپڑ جڑا تھا۔“

”تم سب کا ہو گیا ہو! تو نکاح شروع کریں! اذہان! بے تابی سے بولا۔ عمامہ نے اپنی انگلیوں کو مروڑی تھی تھی۔“

”مولوی صاحب ”بسمہ اللہ“ کریں۔ اذہان کی بے تابی دیکھ کر ایاز صاحب گویا ہوئے تھے۔“

”ریلکس! ابھی صرف نکاح ہو رہا ہے۔ ذرا جھک کر پر شوخ انداز میں سرگوشی کی تو اس دھڑکن منتشر ہوئی تھی۔“

”عمائمہ! ولد ایاز سکندر! آپ کا نکاح ازہان شاہ! ولد احمد شاہ! سے 25 لاکھ حق مہر کے اوز کیا جا رہا ہے کیا آپ کو قبول ہے۔ مولوی صاحب! کی آواز پر عمائمہ کی نظریں بے ساختہ ازہان کی جانب اٹھی اس کی آنکھوں میں اپنے لیے اسے صرف محبت ہی محبت نظر آئی تھی۔“

”عمائمہ! ولد ایاز سکندر! آپ کا نکاح ازہان شاہ! ولد احمد شاہ! سے 25 لاکھ حق مہر کے اوز کیا جا رہا ہے کیا آپ کو قبول ہے۔ مولوی صاحب! نے اپنی بات دہرائی تو عمائمہ! کے کانوں میں ماضی کی تلخ جملوں کی بازگشت سنائی دی تھی۔

”لڑکی کی عزت اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے، ضرور اس نے ہی موقع دیا ہوگا“ وہ تو لڑکا تھا، پر اسے تو سمجھنا چاہیے تھا، کوئی بھی ایک اپاہج کے ساتھ دل لگی یا، ٹائم پاس تو کر سکتا ہے، پر اپاہج کا بوجھ ساری زندگی تو نہیں اٹھا سکتا۔

”تم جیسی اپاہج کے ساتھ کوئی بھی دل لگی یا“ ٹائم پاس“!!...“

جس پر عمامہ کی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر اس کی ہتھیلیوں پر گرے تھے جبکہ اس خاموشی پر پورے ڈرائینگ روم میں سکتا چھا گیا تھا۔

”عمامہ بیٹا!“ مولوی صاحب کچھ پوچھ رہے ہیں۔ شہلا بیگم اس کے پہلو میں بیٹھ کر دھیرے سے بولی تھی۔“

”عمامہ! ولد ایاز سکندر! آپ کا نکاح اذہان شاہ! ولد احمد شاہ! سے 25 لاکھ حق مہر کے اوز کیا جا رہا ہے کیا آپ کو قبول ہے۔“

تیسری بار پوچھنے پر اذہان کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

”میں کوئی زبردستی نہیں کر رہا میں چاہتا تو تمہاری طرح کسی کو کچھ کہہ بغیر گولیاں کھا لیتا اور میٹھی نیند سو جاتا، لیکن پھر سوچا موت کی آغوش“!!.....“

قبول ہے۔ اذہان کے کہے الفاظ یاد کرتے عمامہ! دھیمے سے بولی تو سب کی تھی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھی جبکہ اس کی آواز پر ڈرائیگ روم میں قدم رکھتے عالی! کے قدم منجمند ہوئے تھے، اس کے ساتھ آئے عباس کو خوشگوار حیرت جھٹکا لگا تھا۔ نظریں بے ساختہ اپنے بھائی پر گئی تھی جس کی چہرے پر ناگواری در آئی تھی اور آنکھیں قہر آلود ہوئی تھی۔“

! اذہان شاہ! ولد احمد شاہ! آپ کا نکاح عمامہ! ولد ایاز سکندر! سے 25 لاکھ حق مہر کے اوز کیا جا رہا ہے کیا آپ نے قبول کیا مولوی صاحب نے اذہان کی جانب متوجہ ہوئے تو اس نے فوراً سے پیشتر قبول کیا۔

”قبول ہے!...“

”قبول ہے!...“

”قبول ہے!...“

عمامہ! پر نظریں مرکوز کئے مسمّر انداز میں ایک ہی سانس میں بول گیا اس کی اس جلد بازی پر جہاں سب کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیر گئی تھی وہی کسی کے مذموم عزائم خاک میں ملے تھے۔“

”ایجاب و قبول کے بعد سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں تھے

”بہت بہت مبارک ہو مسمّر اذہان شاہ! سب کی نظروں سے بچتے ہوئے اذہان نے جھک کر سرگوشی کی تو عمامہ کو لگا جیسے اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔ کسی کی نظروں میں یہ نظارہ دیکھ کر لگا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں میں لال مرچیں بھر دی ہو۔ ضبط سے مٹھیاں بھینچتے لمبے لمبے ڈاگ بھرتا ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا عباس محض دیکھ کر رہ گیا تھا۔“

”بہت بہت مبارک اللہ پاک تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے دنیا کی ہر خوشیاں ملے۔ ایاز صاحب بلگیر ہوتے اذہان! کو مبارکباد دیتے عمامہ سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی۔

”اللہ پاک تمھاری جوڑی کو سلامت رکھے اور بری نظر سے بچائے۔ شہلا بیگم اذہان کے سر پر پیار دیتے عمامہ کا ماتھا چومتے اس کو محبت بھرے انداز میں دعا دیتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگائی تھی۔ جس پر عمامہ کو لگا جیسے وہ تپتے صحرا سے ٹھنڈی چھاؤں تلے آگئی ہو ماں کی محبت ہوتی ہی ایسی چیز ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتی بس اظہار نہیں کرتی تھی، اور عالی والے واقعے کے بعد تو شہلا بیگم کارویا عمامہ کے لیے بہت سرد ہو گیا تھا کیوں کہ وہ بھی کہیں نہ کہیں عمامہ! کو ہی اس سب کا زمے دار سمجھتی تھی۔“

”امی جی! میں بھی آپ کی ہی بیٹی ہو عنایہ! فوراً سے آکر دوسری جانب سے اپنی ماں کے سینے سے لگی تھی۔ جس پر علیزہ کو شدت سے ماں کی کمی محسوس ہوئی تھی جو بچپن سے ہی ماں کے پیار کے لیے ترسی تھی جو اذہان کی آنکھوں سے مخفی نہ رہ سکی تو فوراً سے اس کے لیے بازو کھول دیا تو وہ فوراً سے آکر اپنے بھائی کے سینے سے لگی کیوں کہ وہی اس کی ماں باپ دونوں تھا۔“

”بہت بہت مبارک علیزہ اب تو کوئی شکوہ نہیں تمھیں اپنے بھائی سے۔ اس سینے سے لگائے محبت پاش لہجے میں استفسار کیا تو نفی میں سر ہلاتی اپنی آنکھوں کے کورے صاف کر گئی تھی۔“

”کوئی مجھے بھی موقعہ دے گا اپنے یار کو مبارکباد دینے کا یا پھر تم ہی اپنے بھائی! سے لاڈاٹھواتی رہو گی۔ علیزہ کو اس الگ کرتے بر ملا ناراضگی کا اظہار کیا تو علیزہ حیرت سے اس کا منہ تکتی رہ گئی۔“

”ساحل! آپ نے گھر میرے ساتھ ہی جانا ہے۔ علیزہ یاد دھانی کروائی تھی۔ جس پر اذہان کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔“



”نکاح کے بعد سب مہندی کی تقریب میں مصروف ہو گئیں تھے عنایہ کے ساتھ عمامہ! کی بھی رسم حنا کی گئی رشتے دار اس اچانک ہونے والی تبدیلی پر جہاں حیرت زدہ تھے وہی عمامہ کی قسمت پر رشک بھی کر رہے تھے، دبے دبے الفاظ میں چہ میگوئیاں کرنے سے بھی باز نہ آئیں، کے اس اپاہج کو اتنا اچھا لڑکا کیسے مل گیا، ضرور اس نے اپنے معصوم صورت کے جال میں پھانسا ہوگا، اپنی محرومی کا رونا رویا ہوگا، یا، پھر لڑکے میں کوئی عیب ہوگا، پھر ابھی تو ترس ہمدردی میں اس شادی تو کر رہا ہے، لیکن بہت جلد اس سے بیزار ہو کر واپس یہی پھینک جائے گا، جس پر

اذہان! کی خاص تاکید پر علیزہ نے عمامہ! کو ان سب باتوں دور رکھنے کی پوری کوشش کی تھی جس میں کسی حد تک کامیاب بھی رہی تھی۔“

”مہندی کی رسم کے فوراً بعد ہی عمامہ اپنے کمرے میں آگئی تھی پر لان میں ابھی بھی گہما گہمی عروج پر تھی سب کزنوں نے مل کر خوب رونق لگائی ہوئی تھی، جس میں عمامہ کو کوئی دلچسپی نہ پہلے کبھی تھی نہ ہی اب، آج تو وہ اپنی زندگی میں ہونے والی تغیرات کے بارے میں سوچ رہی تھی کہا اس نے اذہان کو خود سے دور رکھنے اس کی محبت سے انحراف تھا وہی ایک ہی دن میں وہ اس سے شادی کے لیے راضی بھی ہو گئی یہاں تک اس کی منکوحہ بھی بن گئی اور چند گھنٹوں بعد یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہونے والا تھا اور وہ چاہ کر بھی اس سے خود سے دور نہیں رکھ سکی، آنے والے وقت کا سوچ سوچ کر اس کی دھڑکن بے ترتیب ہو رہی تھی۔“

”بہت بہت مبارک ہو مسسز اذہان شاہ! اذہان کہے الفاظ یاد کرتے عمامہ کی دل بھونچکا کر رہ گیا ایسا لگا جیسے وہ سچ مچ اس کے پاس ہو۔“

”عمائمہ! وہ یہاں نہیں تم خوا مخواہ میں گھبرار ہی ہو۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھتے عمائمہ نے خود کو تسلی دی۔“

”ریکس ابھی صرف نکاح ہو رہا ہے۔ اذہان کے ایک اور کہے جملے پر عمائمہ! کی جان پر بن گئی تھی۔“

”پتا نہیں کب مجھے ان گولیوں کے بغیر سکون کی نیند میسر ہو گئی اس کی باتوں سے تنگ آکر عمائمہ نے اپنی سائیڈ ٹیبل کے ڈرار اکھولنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ دروازے پر ہوتی دستک نے سے اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔“

”ک.. کون ناچاہتے ہوئے بھی زبان لڑکھرائی۔“

”میں اندر آسکتی ہوں۔ کرن کی آواز پر وہ متعجب بھی ہوئی پر اس شخص کے ناہونے پر دل پر سکون بھی ہوا تھا۔“

”ہاں آجاؤ!!“ عمامہ نے اپنا دوپٹہ صحیح کرتے اجازت دی جو کمرے میں واپس آکر اس اتار کر سائیڈ پر رکھا تھا۔“

”اجازت ملتے ہی کرن دروازے کو دھکیلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے عمامہ اسی گہرے سبز رنگ کے گہر دار مکسی کے ساتھ نیٹ کا ڈوپٹہ اوڑے بیٹھی تھی، جو اذہان لے کر آیا مہندی کی تقریب کے مناسبت سے لے کر آیا تھا۔“

”آؤ کرن! وہاں کیوں کھڑی ہو۔ عمامہ نے سیدھی ہو کر بیٹھتے پر تکلف انداز میں کہا۔“

”وہ مہندی والی آئی ہے تمہیں مہندی لگانے، میں نے کہا بھی تم نہیں لگواتی پر وہ باضد ہے کہ اذہان شاہ! کا حکم تمہیں مہندی لگائے بغیر نہیں جائے گی۔ کرن نے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وضاحت دی تو عمامہ سوچ میں پڑ گئی۔“

”علیزہ کہا ہے؟“ پر سوچ انداز میں سوال کیا۔

”وہ تو چلی گئی!!“ سر سری انداز میں جواب دیا۔“

”امی جی کہا ہیں؟“ اپنی اپنے ہونٹ کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے پوچھا،

”وہ مصروف ہیں! اب تم خود ہی کہہ دو اسے کہ تم نے نہیں لگوانی مہندی!۔ بیزار سے بولی تو عمامہ! کا حلق خشک ہوا تھا۔

”میم! سر کے سخت انٹرکشنس ہیں کہ بے شک تھوڑی سی لگاوائے! پر لگاوائے ضرور!۔ لڑکی موادب انداز ریکوسٹ کی۔ اس کے اس انداز پر کرن کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔“

”اچھا ٹھیک ہے آجاؤ! عمامہ نے رضامندی ظاہر کی تو وہ لڑکی اپنا بیگ لیے کمرے میں داخل ہوئی اور چار و ناچار کرن کو وہاں سے جانا پڑا تھا۔“

”سر..!“ نے یہ ڈیزائن پسند کیے ہیں، سر! نے کہا آپ ایک نظر دیکھ لیں..! اگر یہ نہیں پسند تو اپنی پسند کے مطابق بتادیں۔ لڑکی نے کچھ ڈیزائن دیکھاتے ہوئے بولی تو عمامہ! سلگ کر رہ گئی۔

”جب سب تمہارے سر! کی مرضی پر ہو رہا ہے تو ان ڈیزائن پر میں کیا اپنی مرضی کرو گی!۔
چبا چبا کر کہتے عمامہ نے ناچاہتے ہوئے اپنے ہاتھ آگے کیے تھے۔“

”اب روتی کیوں یہ تو ہونا ہی تھا“ تو کیا سمجھتی تھی کہ یہ مہندی لگا کے خود کو سجا سنوار کر اس کے سامنے پیش کر گی تو وہ تیری اتنی بڑی خامی نظر انداز کر دے گا۔ ہتھیلی پر پر لگتی مہندی کے ساتھ اس کے زہن میں کچھ تلخ یادیں بھی تازا ہوئی تھی۔“

”میں نے کبھی کسی کو دیکھانے کے لیے مہندی نہیں لگائی پھوپھو!!“ نہ کبھی کسی کو دیکھنا کے غرض سے سچی! سچی کیا میں تو بس خود کو مصروف رکھنے کے لیے بس اپنا تھوڑا خیال رکھتی ہوں یہ سب تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں، آپ جس کی چاہے قسم لے لیں۔ اپنا ہی عکس نظروں کے سامنے لہرایا تھا۔“

”ہاں! ہاں! اب تو یہی کہوں گی اُسے دیکھانے کے لیے نہیں تو اور کس یار! کو دیکھانے کے واسطے ہر وقت نئی نوپلی دِلہن کی طرح تیار رہتی ہو! تم کبھی نہیں بن سکتی کسی کی دِلہن! مان

کیوں نہیں لیتی کے تم کبھی کسی کی دلہن نہیں بن سکتی! اس لیے یہ خواب دیکھنے چھوڑ دو تم جیسی اپاہج کسی کی دلہن نہیں بس دل لگی یا ٹائم پاس کا سامان بن سکتی ہے! اور کچھ نہیں۔ اس قدر تلخ جملوں کی بازگشت پر ضبط کا بندھ ٹوٹ گیا اور دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے جسے وہ اپنے دوسرے ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے صاف کر گئی۔“

”جو بھی ہو! دل لگی یا پھر ٹائم پاس! لیکن آج میں کسی کی دلہن بھی بن گئی؟ اور کسی کے نام کی مہندی بھی لگ گئی! اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس یار کو دیکھانے کے لیے لگائی ہے۔ دکھ سے سوچتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔“

”کچھ کہا آپ نے۔ لڑکی نے اس کی آواز پر اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا تو نفی میں سر ہلا گئی۔“

”مامی! نے یہ کچھ سنیک بھجوائے ہیں۔ کرن ہاتھ میں ٹرے پکڑے کمرے میں داخل ہوئی تو عمامہ نے اپنی آنکھیں مثل کر صاف کر دی۔“

”دیکھاؤں! اپنی مہندی۔ ٹرے ٹیبل پر رکھتے کرن! عمامہ کی جانب متوجہ ہوئی اس کے ہاتھ میں لگی مہندی پر آج الگ ہی روپ آیا تھا۔“

”ہمم! بس ٹھیک ہی ہے، بس یا“ اور لگانی ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ناگواری سے بولی تو عمامہ کا دل بوجھ سا گیا۔“

”سر..! نے بس یہی ڈیزائن پسند کئے تھیں اور میم! کو بھی وہی پسند آگئیں۔ سفید مومی ہاتھوں پر نازک اور اسٹائلش ڈیزائن اس کے ہاتھوں کی خوبصورتی میں اضافے کر رہے تھے اس لڑکی کا عمامہ کو میم کہنا بالکل پسند نہیں آ رہا تھا۔“

”ہاں تمہارے سر! کی پسند نظر آ رہی ہے، جیسی تمہاری میم! پسند کی، اسی حساب سے مہندی ڈیزائن بھی۔ عمامہ پر چوٹ کرتے مہندی کو دیکھ کر بولی۔“

”او کے میم! اب چلتی ہو! لڑکی نے اپنا سامان اٹھاتے ہوئے اجازت چاہی۔“

”یہ کیا چھپورے پن ہے!“ اذہان شاہ کی دلہن ”عمائمہ کی ہتھیلی پر اذہان کا نام لکھا دیکھ کر کرن جل کر خاستر ہوئی تھی کرن کے کہنے پر عمائمہ نے غور کیا تو اس پتا چلا تھا۔“

”یہ بھی سر۔! نے کہا تھا۔ لڑکی فوراً سے وضاحت پیش کرتی کمرے سے نکل گئی تھی۔“

”ہنسہ! سر نے کہا تھا“ اور تمہیں بھی زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں! مجھے تو یہ کوئی دو نمبر لوگ لگتے ہیں، نہیں تو کیا اتنا امیر! اتنا ہنڈسم شخص! اور محبت تم سے کر بیٹھا! تم جیسی اپاہج سے! دنیا میں کیا لڑکیاں ختم ہو گئی تھی، اس کے جاتے ہی کرن نے زہر خوند لہجے میں اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی تو اس کی مہندی خراب ہوتی ہوتی بچی تھی۔ جس پر ضبط کرتے ہوئے عمائمہ با مشکل مسکرائی تھی۔

”جو بھی ہے اب یہی میری قسمت ہے۔ کمرے سے نکل گئی تھی اور وہ مخض ضبط کیے ہوئے تھی۔“



”ایک نیا دن اپنے ساتھ نئی خوشیاں نئی امیدیں لیے طلوع ہوا ہر سو گہما گہمی عروج پر پہنچ ہوئی ہر کوئی اس وقت اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھا عمامہ اور عنایہ کو تیار کرنے کے لیے بیوٹیشن نے گھر ہی آنا تھا اس لیے عنایہ بھی عمامہ کے کمرے میں آگئی تھی، پر عمامہ اپنا برائڈل ڈریس دیکھ کر پریشان ہو گئی کے اتنا بھاری ڈریس وہ کیسے پہنے گی۔

”عنایہ! تمہیں مجھے پہلے ہی یہ ڈریس دیکھا دینا چاہیے تھا“ تم جانتی ہو میں اتنا ہیوی ڈریس نہیں کیری کر سکتی۔ عمامہ فکر مند ہوئی تھی۔“

”آپی؟ اس میں میرا کیا قصور ہے یہ تو اذہان بھائی! اپنی پسند سے لے کر آئیں ہیں نہ تو مجھ سے پوچھ کر لائے ہیں۔ بیچاری گی سے معصوم صورت بنا کر وضاحت پیش کی۔“

”بے شک تم لے کر نہیں آئی! لیکن تم نے دیکھا تو تھا تم مجھے دیکھا دیتی تو کچھ نہ کچھ ہو جاتا“

اب لاسٹ مومنٹ پر کیا ہو سکتا ہے۔ سرخ اناری رنگ کے کام دار جوڑے کو دیکھتے ہوئے بے بسی کے انداز میں گویا ہوئی۔“

”ویسے نخرے ہی ہے نا“ کہ ایک طرف تو کوئی تمہیں منہ لگانے کو تیار نہیں تھا، اور اب جب کسی نے تم پر ترس کھا ہی لیا ہے تو میڈم نخرے سا توے آسمان پر پہنچ گئے ہیں، تمہاری جگہ میں ہوتی تو۔۔۔۔۔“!!

”ہو تو نہیں نا“ اور جب نخرے اٹھانے والے کو کوئی پریشانی تو تم جل کر رہی ہوں“ اور آپ نے آپ یہ سب اپنے شوہر سے کہے، ان کی شدید خواہش ہے کہ آپ یہ ڈریس پہنے لیکن اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو ان سے بات کر سکتی ہیں، ہو سکتا ہے وہ کوئی حل نکال لیں۔ کرن کی بات پوری ہونے سے قبل عنایہ نے اسے اسی کے انداز جواب دیتے آخر میں عمامہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔“

”تم رہنے دو میں خود ہی کچھ سوچتی ہوں!“ ڈریس کو دیکھتے ہوئے روہانسی ہوئی کرن کی بات سن کر عمامہ کا دل کٹ کر رہ گیا ایسا لگا جیسے کسی نے اسے اس کی حیثیت دو کوڑی کی کردی ہو۔“

”آگر آپ ایسے ہی سوچتی رہی تو بات آجائیں گی! اور آپ بس سوچتی رہ جائے گی، ابھی بھی وقت ہے بھائی سے کہہ دیں ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی اور آپشن موجود ہو۔ مبہم انداز میں کہتے ہوئے کندھے اچکائے۔“

”نہیں ٹھیک ہے میں یہی پہن لوں گی بے۔ ڈوپٹے کا بھاری پلو ہاتھ میں اٹھا کر ستائشی نظروں سے دیکھتے بے دلی سے کہتی صوفے کی پشت پر سر ٹیکا گئی کرن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس یہ سب چھین لے یا پھر آگ لگا دے اس سب کو۔“

”آپ رکے میں خود ہی بھائی کو کال کرتی ہوں!“ عمامہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے نمبر ڈائل کیا

”میں نے کہا رہنے دو! اس کے ہاتھ سے موبائل چھیننے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ اس کے ارادے بھانپ کر فوراً سے اپنے ہاتھ دوسری جانب کر گئی بیل جا رہی تھی۔“

”عنایہ! وہ صحیح کہہ رہی ہے اب کچھ نہیں ہو سکتا، جو بھی ہو اب یہی پہنے یا پھر میرے پاس بہت سی پارٹی ویرز رکھے ہیں، ان میں میں کچھ دیکھ لے۔ کرن نے ایک مرتبہ پھر سے اپنی کند ذہنیت کا اظہار کیا تو اس قبل کہ عنایہ اسے کوئی جواب دیتی دوسری جانب سے کال ریسیو ہو گئی تو عنایہ انگلی کے اشارے سے اسے خاموش کروا گئی تھی۔“

”اسلام علیکم“ بھائی کیسے ہیں آپ۔ مسکرا کر سلام کرتی حال احوال دریافت کیا۔“

”وعلیکم السلام“ تم: سناؤ کیسے یاد کیا، اور مسسز اذہان شاہ!!“ کاسناؤ۔ سلام کا جواب دینے کے پر شوخ انداز میں عمامہ کا پوچھا تھا۔“

”اپنی مسسز کا تو مت ہی پوچھیں؟ بس کچھ دیر میں رو دینے والی ہیں۔ پر تجسس انداز میں عمامہ کو دیکھ کر بولی تو عمامہ نے اسے گھوری سے نوازا تھا جبکہ دوسری جانب اذہان کو فکر لاحق ہوئی تھی۔“

”کیوں کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا۔“ اذہان کے فکر مند ہونے پر کرن کا خون کھول اٹھا تھا۔“

”جی جی سب خیریت ہے، بس آپ نے جو برائڈل ڈریس بھیجا ہے وہ پسند نہیں آیا آپ کی مسسز کو ان کا کہنا ہے کہ وہ اتنا ہیوی ڈریس کیری نہیں کر سکتی اور اب لاسٹ مومنٹ پر کچھ ہو بھی نہیں سکتا، تو اب وہ اس بات کو لے کر بہت پریشان ہیں۔ سنجیدگی سے ساری بات تفصیل سے آگاہ کر گئی تھی۔“

”اوو ہوووو! یہ تو بہت بڑی مشکل ہو گئی اب کیا ہوگا“ پر سوچ انداز میں گویا ہوا تھا۔“

”اس سے کہوں اتنی اتنی باتوں کی فکر کرنا چھوڑ کر! صرف اپنے شوہر کی فکر کرے، اس کے بارے میں سوچے اور“!!.....

”بھائی فون اسپیکر پر ہیں! اس کی بے باکی پر عنایہ فوراً سے پیشتر یاد دھیانی کروائی تھی۔“

”میں نے ایسا کچھ غلط نہیں کہا بس اتنا ہی۔۔۔“!!

”جی ٹھیک ہم نے سن لیا مجھے اس ڈریس سے کوئی پروہلم نہیں، اوکے۔ عنایہ کے ہاتھ سے فون لے کر اسپیکر بند کرتے عجلت میں کہتی کال کاٹنے لگی تھی کہ عمامہ کی آواز پر اذہان کے دل میں سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔“

”بات تو سنو جان! اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ اس قبل کے کال ڈیسکنیکٹ ہوتی اذہان کی گھمبیر آواز ابھری تھی۔ اس کے اس طرح مخاطب کرنے پر اس کی دھڑکن منتشر ہوئی تھی اور آواز جیسے حلق میں اٹک گئی تھی چاہ کر بھی کال کٹ نہ کر سکی۔“

”ہمم!!“ بامشکل بس اتنا ہی بول پائی۔“

”سچ میں ڈریس پسند نہیں تمہیں؟“ اسی انداز میں استفسار کیا تو بے ساختہ عمامہ کی نظریں اپنے سامنے رکھے ڈریس پر گئی جو اپنی مثال آپ تھا۔“

”نن.. نہیں میرا مطلب“!!.....

”آدھے گھنٹے میں تمہارے پاس نیوڈریس پہنچ جائے گا” آئیندا اگر تمہیں کچھ پسند نہ آئے تو کسی اور سے کہنے کے بجائے ڈائریکٹ مجھ سے کہوں گی تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔ برجستگی سے اس کی بات قطع کرتے اپنی بات کہتے اسی کی سنے بغیر ہی کال ڈیسکنیکٹ کر گیا اس کے انداز پر عمامہ دل دھڑکن بے ترتیب ہوئی جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی تھی۔“

”کیا ہوا آپ! کیا کہا بھائی نے۔ عمامہ کو ٹرانس کی کیفیت میں موبائل کو گھورتے دیکھ کر عنایہ پوچھا تھا۔“

”آدھے گھنٹے میں نیوڈریس پہنچ جائے گا اسی کیفیت میں موبائل کو گھورتے ہوئے بولی تھی۔ جس پر کرن ششدر رہ گئی تھی کے بھلا اس اپاہج کے پیچھے کوئی اس قدر بھی دیوانہ ہو سکتا ہے۔“



”دونوں بارائیں آگئی تھی اور دلہے سٹیج پر اپنی اپنی دلہنوں کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے، کالی شیروانی کے ساتھ سیم رنگ کا کلاہ پہنے ہلکی بڑھی بیرڈ کے ساتھ آج وہ کس سلطنت کا

شہزادہ لگ رہا تھا اذہان کی خوشی اور بے تابی قابلے دید تھی عباس بھی اس کچھ کم نہ تھا نظریں بار بار داخل راستے کی اور جارہی تھی، حال میں گہما گہمی عروج پر تھی سب ہی خوش تھے اور دل سے دونوں جوڑیوں کے لیے دعا گو بھی اس کے برعکس کچھ لوگ اپنی عادت سے مجبور چہ میگوئیاں کرنے میں مصروف تھے جنہ میں سرے فہرست کرن! اور اس کی ماں ماریہ! جلی پر تیل کا کام کر رہی تھی، دوسری جانب کوئی اپنے مذموم مقاصد ناکام ہونے پر دل گرفتہ موقع کی تلاش میں تھا کہ کب موقع ملے اور کب وہ عمامہ کی خوشیوں پر ضرب لگائے۔“

”عباس! اور عنایہ؟ کے نکاح کے بعد عنایہ! سرخ اروس جوڑے میں سچی سہج سہج کر چلتی ایاز صاحب اور شہلا بیگم کے ہمراہ سیٹج تک آئی تو عباس! نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما جھکی جھکی پلکیں اور شرم سے سرخ ہوتی اس کے پہلو میں بیٹھی سیدھی اس کے دل میں اتر رہی رہی تھی، دوسری طرف عمامہ! کے نہ آنے پر اذہان کا دل بوجھ سا گیا تھا ”اور سوالیہ نظروں سے علیزہ کو دیکھا“ جیسے عمامہ کے نہ آنے کی وجہ جانی چاہی ہو! آنکھوں سے اسے پر سکون رہنے کا کہہ کر وہ شہلا بیگم کی طرف بڑھی تھی۔“

”آئی بھابی کو لے آئیں اب!“ علیزہ نے آگے بڑھ کر پوچھا تو شہلا بیگم پر پریشانی کے سائے لہرائے۔“

”بیٹا تمہیں! پتا ہے وہ کس قدر لوگوں کی نظروں سے گھبراتی ہے، ابھی بھی پہلے اسے ہی آنا چاہیے تھا“ پر سیٹیج پر آنے کے نام سے ہی گھبرا گئی ہے تمہارے آنکل نے بھی سمجھایا پر وہ کہہ رہی ہیں کہ شادی ہو گئی وہ دلہن بھی بن گئی پر اب اسے سیٹیج پر آنے کے لیے فورس نہ کریں۔ شہلا بیگم نے سنجیدگی سے ساری بات بتائی جسے سن کر علیزہ کی نظریں یکایک اپنے بھائی کی طرف گئی جو بے چینی سے عمامہ کا منتظر تھا۔“



”ریڈ کلر کی شیفون کی بالکل سادہ گہر دار پیرو کو چھوتی مکسی جس کے بازوؤں پر نفیس کام ہوا تھا ہوا تھا اسی کا ہم رنگ ڈوپٹہ جس کے چاروں اطراف نفیس کام اور چھن ڈلاتا تھا سر پر اوڑھے ہلکے میک اپ کے ساتھ ڈیپ ریڈ کلر کی لپسٹک میں نازک سی جو لری پہنے میسی ہیئر اسٹائل میں کلائیوں میں چوڑیوں کی جگہ گجرے پہنے وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی چہرے پر جھولتی ہوئی لٹیں

اس کے حسن اضافے کا باعث بن رہی تھی، جسی وقتاً فوقتاً وہ پیچھے دھکیلتی ان سے الجھ رہی تھی
آج بھی ان بھوری آنکھوں میں وہی ویرانیاں ہلکور رہی تھی۔“

”شیشے کے سامنے بیٹھی وہ آنے والے وقت کا سوچ کر جہاں اس کی دل دھڑکن تیز ہو رہی تھی،
اذہان کی اپنے لیے محبت دیکھ کر کبھی خود کو خوش قسمت تصور کرتے کرتی، تو کبھی اپنی کمی کو دیکھ
کر اذہان کے لیے دکھی ہوتی، کبھی اس کی محبت کے سامنے اپنی کمی بے معنی لگتی، تو کبھی اسی کمی
کے باعث لوگوں کی باتیں سچ گردانتی۔ انھیں سوچوں کی بھنور میں غوطہ زن تھی کہ کسی کی
نظروں کی تپش محسوس کرتی پلٹی تو اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ ششدر رہ گئی۔

تت... تم یہاں کیا کر رہے ہو“!!!!.....

”شیشے کے سامنے بیٹھی وہ آنے والے وقت کا سوچ کر جہاں اس کی دل دھڑکن تیز ہو رہی تھی،
اذہان کی اپنے لیے محبت دیکھ کر کبھی خود کو خوش قسمت تصور کرتی، تو کبھی اپنی کمی کو دیکھ کر
اذہان کے لیے دکھی ہوتی، کبھی اس کی محبت کے سامنے اپنی کمی بے معنی لگتی، تو کبھی اسی کمی کے

باعث لوگوں کی باتیں سچ گردانتی۔ انھیں سوچوں کی بھنور میں غوطہ زن تھی کہ کسی کی نظروں کی تپش محسوس کرتی پلٹی تو اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ شذر رہ گئی۔“

”تت... تم یہاں کیا کر رہے ہو“!!!!.....

دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بے باک نظروں سے دیکھتے عالی پر نظر پڑتے ہی اس زبان بے ساختہ لڑکھرائی ذہن میں ماضی کی کچھ تلخ یادیں لہرائی تو اس کی آنکھوں میں لبالب نم اُمڈ آئی جسے وہ خود پر ضبط کی طنابیں باندھتے پیچھے دھکیل گئی۔“

”آج بھی وہی سوال جس کا جواب تم ہمیشہ سے جانتی ہو یا“ پھر جان بوجھ کر پوچھتی ہو؟۔ سبک روی سے اس کی جانب قدم بڑھاتے سنجیدہ انداز سوال کیا۔ تو اس شخص کو دیکھ وہ دم سادھنا سمجھی سے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

”میری چھوٹی سی غلطی کی اتنی بڑی سز.....؟؟“

”نہ میں کوئی جواب جانتی ہوں نہ ہی تمہیں اس لیے پلیز چلے جاؤ یہاں سے اس پہلے کہ میں شور مچا دوں۔ سخت گیر نظروں سے دیکھتی غرائی۔“

”اور کون سی غلطی اور کس سزا کی بات کر رہے کیوں کہ ساری غلطیاں اور ساری سزائیں تو صرف میرے حصے میں آئی ہیں۔ مزید اسی انداز میں گویا ہوئی تھی بغور اسے دیکھ گیا۔

”وہی خطا جس کی سزا مجھے دینے کے غرض سے تم خود کو اذیت پہنچا رہی ہو کسی اور کو میری جگہ دے کر جبکہ محبت تم آج بھی مجھ ”!!.....“

”بس اس سے آگے ایک اور لفظ نہیں مجھے کس سے محبت ہے کس سے، نہیں اس کی جواب دے میں تمہیں نہیں! تم نے جو میرے ساتھ کرنا تھا کر چکے، اس لیے میری فکر کرنا چھوڑ دو۔ یہاں سے چلے جاؤ اس سے پہلے تمہیں کوئی یہاں دیکھ کر پھر مجھے ہی مجروح الزام ٹھہرایا جائے گا، تم تو پھر بری الزمہ ہو جاؤ گے۔ برجستگی سے اس کی بات قطع کرتے ہوئے سلگتے ہوئے دبی دبی آواز میں پھنکاری تھی۔

عالی کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ ابھری تھی وہی عمامہ کا دل کسی انہونی کے ڈر سے رک گیا تھا اور چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ عمامہ کی حالت دیکھ اذہان کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔“

”وو... وہ!!“ مجھے عمامہ!!“ نے بلایا تھا میں نے اس کہا بھی یہ غلط ہے پر....!!! آہنہ...!!! اس کی بات پوری ہونے سے قبل اذہان نے مکا جڑ دیا جس کی تاب نہ لاتے زمین بوس ہوا اور جبرے سے خون رسنے لگا جبکہ اس کی بات پر بے یقینی سے عمامہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”یہ جھوٹ.....!!!“ عمامہ نے کچھ کہنے کے لیے لب و کیے تھے کہ اذہان نے اسے ایسی قہر آلود نظروں سے دیکھا کہ باقی الفاظ اس کے منہ میں ہی دم توڑ گئیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جڑ گئی تھی۔“

مجھے میری بیوی کا کریکٹر سرٹیفکیٹ تم سے نہیں چاہئے!!“ اس لیے کچھ بھی کہنے سے پہلے سوچ سمجھ کر بولو!! کالر سے دبوچتے اس سے کھینچ کر اپنے سامنے کرتے ہوئے حُلکی آواز میں غیظ و غضب سے پھنکارا تو عمامہ کے گلے میں گھٹلی سی ابھری کر مدھم ہوئی۔“

”مم... میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے عمامہ.....!!“ ٹھڈا پر گرا کر اس کے سینے پر بیٹھتے پے در پے کئی مکے جڑ گیا۔“

اذ... ہا... ن! با مشکل پکارتا تھا جس پر جنونی ہوتا ایک قہر آلود نظر اس پر ڈال گیا جو خوف کے مارے پوری طرح لرز رہی تھی۔“

”تمھاری بہتری اس میں ہے، کہ یہاں سے چلے جاؤ...!! اس سے قبل کہ میں خود پر کنٹرول کھودوں!! اور یہ شادی کی تقریب سوگ میں بدل جائے۔ پے در پے مکے برساتے اس کالر سے پکڑ کر کھڑا کرتے کھینچ کر روم سے باہر نکالتے کمرے کا دروازہ دھڑام سے بند کیا اس کی جانب پلٹا جس پر عمامہ کا دل دھک سے رہ گیا اور مارے خوف کے سوکھے پتے کی مانند کانپ گیا تھا۔“

”مم.. میں.....!!“ گلوگیر لہجے میں نفی میں سر ہلاتی کچھ کہنے کی کوشش کی جس میں ناکام ہوتی ہاتھوں میں چہرہ اچھپاتی پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی، جس پر برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اس نے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے ہاتھ تھام گیا تھا اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے اذہان نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔“

”تم نے ایسا کچھ نہیں کیا جو تمہیں مجھ سے منہ چھپانا پڑے۔ ادھر دیکھو میری طرف عمامہ! اس کی حالت دیکھ کر تڑپ کر رہ گیا تھا۔“

”میں بوجھ ہوں، میں نہیں ہوں آپ کے لائق، دلگی یا پھر ٹائم پاس کے لائق سہی، پر آپ مجھے اس کے کہنے پر نہ چھوڑنا چاہیے تو اپنے ہاتھوں سے میری جان لے لیں لیکن...!! وہ حواس باختہ ہوتی ہزیرانی انداز میں نہیں جانتی تھی کیا بول رہی ہے جس پر اذہان کے دل میں ٹیس اٹھی تھی۔“

”عمائمہ! ادھر دیکھو میری طرف مجھے تم پر پورا یقین ہے اس لیے تمہیں یہ سب فضولیات سوچنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا چہرہ ہاتھ کے پیالے میں لیے اذہان نے اس مستحکم انداز میں گویا اسے سمجھانے کی کوشش کی۔“

”نہیں میں جانتی ہوں، میں بوجھ ہوں، مم.. میں! اچھی لڑکی نہیں ہوں، آپ یہ تیاری دیکھ رہے ہیں، یہ مہندی، یہ گجرے یہ، بناؤں سنگھار یہ میں نے اپنے یار کو دیکھانے کے لیے کی ہے، آپ نہیں جانتے میں بری ہوں! بہت بری۔ اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے اپنی تیاری دیکھاتے سر اسیمگی سے بولتی کوئی پاگل لگ رہی تھی۔ اس کی باتیں سن کر ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔“

”سٹپ نائسنس! اینڈ لسن ٹومی عمائمہ...!!!“ تم اپنے ساتھ مجھے بھی تکلیف پہنچا رہی ہو!۔ اس کے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کرب سے بولا تو ایک پل کے لیے اس کے آنسوؤں تھمتھمتھیں تو وہ اسے خود میں بھینچ گیا۔“

آپ نہیں جانتے.....!!!!“ اس سے الگ ہوتے ایک بار نے پھر سے کچھ کہنے کے واسطے لب و کیے تو بر جستگی سے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھتے نفی میں سر ہلایا۔“

”بس عمامہ! اب تم اور کچھ نہیں بولو گی پہلے ہی بہت فضول بول چکی ہوں، مجھے کچھ نہیں جاننا، میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم میری ہو اور مجھے کسی بات سے فرق نہیں پڑتا سوائے ان آنسوؤں کے، اس لیے اب اگر تمہاری آنکھوں سے ایک بھی آنسو گرا تو میں کسی کی پرواہ کیے بغیر اسے جان سے مار دوں گا“ جو ان آنکھوں میں نمی لانے کی وجہ بنا۔ اس کے آنسوؤں نرمی سے صاف کرتے متانت سے کہتے آخر سپاٹ انداز میں گویا ہوا تو اس کے پل بھر میں بدلتے تاثرات کو دیکھتے عمامہ نے اثبات میں سر ہلایا۔“

”لوگ کیا کہتے ہیں کیا سوچتے ہیں اس فرق نہیں پڑنا چاہئے لوگوں کی وجہ سے اپنی ذات کو تکلیف پہنچانا سراسر بیوقوفی ہے، اپنو کو صفائی نہیں دینی پڑتی کیوں کہ جو اپنا ہوتا ہے وہ بنا کہے سمجھ جاتا ہے، اور جو نہ سمجھے وہ اپنا کہلانے لائق نہیں ہوتا۔ اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے رسان سے گویا ہوا تو اس کے انداز پر عمامہ کی نظریں پل بھر کے لیے اس کے چہرے پر ٹھہر گئی تھی۔“

”اگر تم مجھے اسی طرح دیکھتی رہی، تو یہ نہ ہو ہمیں اپنی شب زفاف یہی منانی پڑے۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے معنی خیز لہجے میں بہت خوبصورتی سے بات بدل گیا تھا دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ فوراً سے اپنی نظروں کا زاویہ بدل گئی۔ تو اس کی اس حرکت پر اذہان کی دل نے بیٹ مس کی۔

”ان پر اس طرح ظلم مت ڈھائے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو ہو گا۔ نرمی سے اپنے انگوٹھے سے اس کے ہونٹ کو قید سے آزاد کرو اتے گھمبیر معنی خیز لہجے میں گویا ہوا تو اس کا لمس محسوس کرتے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی پر چہرے پر کوئی تاثر نمودار نہ ہوا۔“

”میں یہاں تمہیں باہر لے جانے کے لیے آیا تھا، لیکن تم نے رورو کر اپنی حالت خراب کی ہوئی ہے، اب اگر میں تمہیں اسی طرح باہر لے کر گیا تو لوگ کیا سوچیں گیں میرے بارے میں۔ اس کا بے تاثر چہرہ دیکھ کر اذہان نے بات بدلتے ڈریسنگ ٹیبل سے ٹیشو پیپر کا ڈبہ اٹھایا اس میں سے ٹیشو پیپر نکال کر اس کا پھیلا کا جل صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا تو اس کی جھکی خم دار پلکیں اٹھی تھی اور سامنے گہری کالی آنکھوں سے ٹکرائی تھی۔“

”مجھے باہر نہیں جانادھی آواز میں منمائی۔“

”نہ جانے کی وجہ جان سکتا ہوں مسسز اذہان!“ اسے بغور دیکھتے ہوئے وجہ جانی چاہی۔ جو

روئی روئی آنکھوں سو سو کرتی سرخ ہوتی ناک میں دلہن بنی بہت ہی کیوٹ لگ رہی تھی۔“

”وجہ آپ بھی جانتے ہیں، اور میں بھی، بات میری ذات تک محدود ہوتی تو شاید مجھے اتنا فرق

نہیں پڑتا کیونکہ مجھے عادت ہو گئی ہے، لوگوں کی رویوں کی لیکن آپ کے لیے ابھی یہ سب نیا نیا

ہے، اور میں نہیں چاہتی کہ آپ کو میری وجہ سے کوئی کچھ کہے۔ نظریں اپنی ہتھیلیوں پر مرکوز

کیے دھیمے لہجے میں بولتی ہوئی اذہان کے دل میں اتر رہی تھی۔“

”تم تو مجھ سے محبت نہیں کرتی، پھر میری اتنی پرواہ کیوں؟ اس کی بات کہ برعکس اذہان کے

سوال پر اس کی جھکی پلکیں اٹھی تھی اور اس کی آنکھوں سے ٹکرائی اور اس آنکھوں میں اپنے لیے

محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جس میں عمامہ کو ایک پل کے لیے اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔“

”آپ کیا سمجھتے ہیں، کہ میں کچھ نہیں جانتی، لوگ جو کل سے باتیں بنا رہے ہیں، سب سمجھتی ہوں بچی نہیں ہوں، مجھے شوق نہیں سب کے سامنے آپ کا مذاق بنانے کا، اسی سے ڈرتی تھی، اور ابھی تو یہ صرف آغاز ہوا ہے، آگے آگے دیکھیں لوگ کیا کیا کہیں گیں۔ اب کی بار وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مستحکم اور مضبوط انداز میں اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ اپنے اندر کا ڈر بیان کر رہی تھی۔“

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں مسسز اذہان! لوگوں کی پرواہ نہ مجھے پہلے تھی، نہ اب ہے، اگر میں لوگوں کی پرواہ کرتا تو شاید آج تم میری نہ ہوتی، اس لیے مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے جب تمہیں مجھ سے محبت نہیں تو پھر میری اتنی پرواہ کیوں؟ اسی کے انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنا سوال دہرایا تو کچھ پل کے لیے وہ لا جواب سی ہو گئی۔“

”اچھا ٹھیک ہے یہ ساری بات گھر چل کر تسلی سے کریں گیں، ابھی سب ہمارا باہر انتظار کر رہے ہیں۔ اسے متزلزل ہوتے دیکھ اذہان جھک کر اسے گود میں اٹھاتے ہوئے شریر نظروں سے

اسے دیکھ کر گویا ہوا اس یکا یک کارروائی پر وہ بھونچا کر رہ گئی تھی اور غیر ارادہ طور پر خود کو سنبھالنے کی خاطر اس کی شیروانی کے کالر کو مٹھائیوں میں دبوچ گئی تھی۔”

”اذہان! پلیز مجھے نہیں جانا۔ اس کے کالر کو مٹھائیوں میں جکڑے اس کے سینے میں منہ چھپائے روہانسی ہوئی تھی تھی۔“

”اگر تم اس طرح رو کو گی تو مجبوراً مجھے باہر جانے کے بجائے گھر جانے کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔ اس کی کان لوح کو لبوں سے چھوتے خمار آلود لہجے میں سرگوشی کی تو اس کا لمس محسوس کرتے ہوئے عمامہ کے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑا اس پر اس کی پر تپش انگلیوں کا لمس اس کی روح فنا کر رہا تھا۔ اس سب کے برعکس اس کا چہرہ بالکل کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا۔“

”تو پھر گھر چلیں یا“ باہر۔ اسے خاموش پا کر اذہان نے شوخی سے استفسار کیا تو اس نے خاموشی میں عافیت جانی۔ تو وہ اس اس طرح اٹھائے روم سے نکلا اور بنا کسی کی پرواہ کیے سبک روی سے

چلتے ہوئے اپنی دلہن کو سٹیج تک لایا وہ جواذہان کے چہرے پر نظریں جمائے تھی اس پتا ہی نہ چلا
کب وہ سٹیج پر اسے بیٹھا کر اس کے پہلو میں کروفر سے بیٹھاسب کی زبانوں کو لگام ڈال گیا تھا عالی
جو اپنی حالت درست کر کے واپس آیا سے یو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا دوسری طرف کرن کا
ایک بار پھر عمامہ کو یواٹھا کر لانا جلی پر تیل کا کام کر گیا تھا۔“



”ماں باپ کی دعاؤں کے سائے تلے میں دونوں بہنیں رخصت ہو کر پیادیس سدھار گئیں
تھی۔“

جہاں عنایہ کا پر تپاک استقبال کیا گیا اور شمینہ بیگم اور ارسلان صاحب تو وارے نیارے جارہے
تھے، عباس! بھی اپنی بچپن کی محبت پائے تکمیل ہونے پر پھولے نہیں سمارہا تھا، عالی اس سب
کے بہ نسبت کھینچا کھنچا ہی تھا گھر آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔“

”کزنز اور رشتہ داروں نے خوب رونق لگائی ہوئی تھی کئی رسموں کے بعد اب عباس کی بس ہو
گئی تھی پر ایک کے بعد ایک رسمیں کرنے کے بہانے عباس کو تنگ کر رہے تھے۔“

”چلیں اب بس بہت ہو گئی رسمیں، اب سب اپنے اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں اور ہمیں بھی کرنے دیں، میرا نہ سہی میری بیچاری دلہن کا ہی خیال کر لو ظالموں.....!! اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے عباس کی بس ہوئی تھی۔“

”اووووو!!“ بھابھی کا نام کیوں لے رہے ہو“ صاف صاف کہو نہ تمہیں بھابھی کے ساتھ اکیلے وقت گزارنا ہے، بھابھی! تو ہمارے ساتھ بہت انجوائے کر رہی ہیں کیوں بھابھی!!“ اس کے ایک کزن نے اسے لتاڑتے ہوئے آخر میں عنایہ سے جاننا چاہا تو عنایہ نے اثبات میں سر ہلایا جس پر عباس کا منہ کھل گیا۔“

”اپنے ٹائم پر تو تم بھابھی کو لے اڑے تھے، اور مجھے یہاں رسموں کے نام پر زچ کیا جا رہا ہے، دس از نوٹ فیر!!“ اس پہلے کہ میں اپنی دلہن کو اٹھا کر لے جاؤں اور تم سب منہ دیکھتے رہ

جاؤں۔ شرافت سے کہہ رہا ہوں مجھے مجھے میری دلہن دے دے ٹھا کر!!“ جو ابی وار کرتے ہوئے آخر میں ڈرامائی انداز میں بولا تو اس کی اس حرکت پر عنایہ جھنپ کر رہ گئی تھی۔“

”چلو بچو!!“ واقعی بہت دیر ہو گئی عنایہ! بھی تھک گئی ہو گی، اب انہیں آرام کرنے دو، چلو بیٹا میں تمہیں تمہارے کمرے میں چھوڑ کر آتی ہوں۔ عنایہ کو اٹھاتے ثمنینہ بیگم نے مداخلت کرتے عنایہ کو لے کر کمرے کی اور بڑھی۔“

”بھابھی! تھک گئی ہے تو انہیں آرام کرنے دیتے ہیں، تم تو نہیں تھکے تم ہمارے ساتھ بیٹھو کل ہم سب چلے جائے گے بھابھی! تو یہی ہونگی۔ ثمنینہ بیگم کے عنایہ کو لے کر جاتے عباس بھی پر تو لنے لگا تھا کہ ایک اور کزن نے اس کے کندھے کے گرد بازو ڈال کر اس اپنے پاس بیٹھا لیا جس پر وہ سلگ کر رہ گیا تھا۔“

”تم پر بھی وقت آئے گا پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔ دونوں پاؤں صوفے پر رکھ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے سلگ کر بولا جس پر سب نے اپنی ہنسی ضبط کی تھی۔“



”وہ کہتے ہیں کہ انسان جتنے چاہے مرضی پلین بنالے، لیکن اصل کار ساز وہی ہے، ہم چاہے جو مرضی سوچ لے یہ کرنا ہے، وہ کرنا ہے، لیکن ہوتا وہی ہے، جو وہ چاہتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح عمامہ! نے ناجانے اپنے لیے کیا کیا سوچ رکھا تھا، اسے جینا نہیں تھا، پھر بھی وہ آج زندہ تھی، اسے اذہان کی محبت کو قبول نہیں کرنا تھا، نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اذہان! کی محبت کو قبول بھی کرنا پڑا اور شادی کے لیے بھی ماننا پڑا، اسے اذہان سے دور رہنا تھا اور آج وہ اسی کے کمرے میں اسی کی دلہن بنی بیٹھی تھی اور آنے والے وقت کا سوچ کر اس کی دل کی دھڑکن مدھم ہو رہی تھی اپنی دلی کیفیت سے انجان عجیب سے خوف میں مبتلا تھی۔“

”آپ.....!!“ اوو سوری بھابی! آئیں میں آپ کو بیڈ پر بیٹھا دو علیزہ؟ جو ابھی عمامہ کو کمرے میں لے کر آئی تھی اسے کمرے کی وال پر لگی اپنی پینٹنگ کھوئی تھی کہ علیزہ؟ کی آواز پر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔“

”نہیں میں یہی ٹھیک ہوں! تم جاؤ جا کر آرام کر لو۔ اس کی بات پر اسی کی جانب متوجہ ہوتے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجاتی نرمی سے انکار کیا تھا۔“

”لیکن بھابھی! بھائی! کوہو سکتا ہے تھوڑا ٹائم لگ جائے جب تک آپ آرام کر لیں۔ خدشہ ظاہر کرتے ہوئے پیشکش کی تھی۔ وہ جو کسی ضروری کال پر گھر سے کسی امیر جنسی کے تحت گھر سے نکلا تھا۔“

”کوئی بات نہیں مجھے بھی اتنی جلدی نیند نہیں آتی، یا، پھر یہ کہوں کہ گولیوں کے بغیر آتی ہی نہیں، تم تھک گئی ہوں گی جا کر آرام کر لو عمامہ نے سہولت سے کہا گولیوں والی بات اپنے دل میں کہی تھی۔“

”چلیں ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔ وہ بھی واقعی تھک گئی تھی اس لیے کمرے سے نکل گئی۔“

”علیٰ زہ! کے جاتے ہی عمامہ نے فوراً سے آگے بڑھ کر کسی خیال کے تحت دروازہ لوک کر کے ایک طائرانہ نگاہ کمرے میں ڈالی جو کے وسیع تروائٹ اور بلو کے کانبیشن سے سجالگٹری کمراتھا، جس کے وسط میں رکھا جہازی سائز بیڈ پر چاروں اطراف سفید نیٹ کے پردے گرے ہوئے

تھے سرخ رنگ کے گلاب کے پھولوں سے خوبصورتی سے سجایا گیا تھا، اور کینڈلز کی مدھم روشنی میں ایک الگ ہی منظر پیش کر رہا تھا جہاں ایک وال پر عمامہ کی ایک بڑی سی پینٹنگ کے اطراف میں کئی پینٹنگز لگی ہوئی تھیں جس میں وہ کہیں تتلیوں کے پیچھے بھاگ رہی تھی تو کہیں زندگی سے بھرپور اٹکیلا کرنے میں مصروف تھی جسے دیکھ کر عمامہ خاصی متعجب ہوئی تھی۔ جانے کس خیال کے تحت دروازہ لوک کر گئی۔

”اپنی وہیل چیئر کے بازو کے ریموٹ کنٹرول پر ہاتھ رکھے ڈریسنگ کے سامنے آئی تھی اور اپنا عکس شیشے میں دیکھتے جانے کتنا کچھ اس کے ذہن میں ابھرا تھا کتنی تلخ یادیں لہرائی تھیں جنہیں وہ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی انہی سوچوں کے چلتے کلائیوں میں پہنے گجرے بے دردی سے اتارے جس کی وجہ سے جانے کتنے پھول ٹوٹ اپنی بے قدری پر اس کے قدموں میں گرے تھے۔

”ابھی تو ہمدردی میں اس سے شادی کر رہا ہے لیکن ۱۰۰ مت جلد اس سے بیزار ہو کر واپس یہی پھینک کر جائیں گا۔ کسی عورت کا کسا جملا اس کے دل پر گہرا اثر چھوڑ کر گیا تھا جسے کے ذہن

گردش کرتے وہ اپنے کانوں میں پہنے ایئر رنگ بھی نوچ کر اتاری اپنی مانگ میں سجاٹھیکا بھی ہے رجمی سے اتار گئی تھی۔“

”ساحل! تم علیزہ! کا خیال رکھنا اور علیزہ! تم اپنی بھابھی کو کمرے لے جاؤں مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے، میں تھوڑی دیر تک آ جاؤ گا۔ گھر میں داخل ہوتی ہی کسی کی کال پر اسے فراموش کر گیا تھا جو اس کے دل میں کسی خنجر کی مانند پیوست ہوئی تھی۔“

”آپ کے وعدے قسمیں بھی باقی سب کی طرح صرف وقتی تھی، بس اتنی ہی محبت تھی، بس مجھے اپنے نام کے ساتھ باندھتے ہی مجھ سے تنگ ہو گئے ہیں آپ تو ساری زندگی کیسے گزاریں گیں میرے ساتھ۔ گلے میں پہنا نکلیں اس بے دردی سے کھینچا کے گردن پر خراشیں چھوڑ گیا تھا۔“

”نہیں تو کیا اتنا میر! اتنا ہنڈ سم شخص! اور محبت تم سے کر بیٹھا! تم جیسی اپاہج سے! دنیا میں کیا لڑکیاں ختم ہو گئی تھی کرن کے لفظوں کی بازگشت یاد کرتے ہی اس ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئی

اپنے ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے اپنی لپسٹک صاف کرتے پھوٹ پھوٹ کر رودی یک دم سے اسے لگا تھا جیسے کمرے میں آکسیجن کی کمی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسے سانس لینے میں دشواری کا سامنا کر رہا ہوں۔

کتنی دیر یو نہی خود کا عکس شیشے میں دیکھ کر روتے ہوئے وہ پوری لرز رہی تھی۔ “
”بس اب اور نہیں میری قسمت میں جب یہی لکھا ہے تو پھر یہی سہی، اپنے آنسو صاف کرتی بیڈ پر ایک نظر ڈالتے کاوچ کی طرف آئی با مشکل خود کو سنبھال کر اپنی وہیل چیئر سے اس کاؤچ پر بیٹھی تھی اپنے پاؤں اوپر کرتے سمٹ کر اپنے گھٹنوں کے گرد بازو حائل کرتے اس میں سر دے کر بیٹھی تھی نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس لیے وہ بس خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی اس سے بے خبر کے وہ اسے دھوکا دے کر نہیں گیا۔“

”بڑے سے ہوٹل کی پارکنگ میں کالے رنگ کی پنجار و تیزی سے دھواں اڑاتی داخل ہوئی تھی جس کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے اذہان کھڑکی پر کہنی جمائے ہاتھوں کی مٹھی بنائے اپنے ضبط کی طنابیں

کھینچے آنکھوں میں چھائی وحشت اور چہرے کے سرد ترین تاثرات کسی اس کی دلی کیفیت بیان کر رہے تھے، گاڑی کے رکتے ہی اذہان! ایک نظر ساتھ بیٹھیں اکرم ڈالی جس کے خبر دینے پر وہ اپنی دلہن کو چھوڑ اس کے ساتھ آنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

”ایک بار پھر سوچ لو! اگر تمہاری خبر غلط نکلی! اور وہ عورت یہاں نہ ہوئی تو تم جانتے ہو نہ میرے تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔ بے تاثر لہجے میں اس کی جانب دیکھ کر استفہامیاں انداز میں گویا ہوا۔

”خبر ایک دم پکی ہے، ملک آج رات اُس سے اسی ہوٹل میں ملاقات کے بعد ملک چھوڑ کر سے باہر چلا جائے گا ہمیشہ کے لی، ملک چھوڑنے سے پہلے آخری بار یہی ملنے والے ہے دونو۔ سنجیدگی سے تفصیلی بتائی اس کی بات مکمل ہوتے ہی اثبات میں سر ہلاتے لمحے کی تاخیر کیے بنا اذہان! گاڑی سے اتر کر کڑتے کے کف فولڈ کرتے برق رفتاری سے ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا جس کی پیروی میں اکرم! شمسو قاقا؟ سمیت اس کے گارڈز اس کی معیت میں ہوٹل میں داخل ہوئے۔“

”اس عورت کا سامنا کرنے کا خیال آتے ہی اس کے باپ کا خون سے لت پت وجود آنکھوں کے سامنے لہرایا، اپنی معصوم بہن کی ٹوٹی بھکری حالت، عمامہ! نجانے کتنے ہی زحم تازا ہوئے، جس پر غیض و غضب سے آنکھیں لہو چھلکانے لگی تھی، کیا کچھ نہیں چھینا تھا، اس عورت نے اس سے اسکا بچپن، اسکے ”ماں باپ“ اور سب سے بڑھ کر اس کی معصوم بہن کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کرنے کے ساتھ اسکا معصوم بچپن، اس سب بھی دل نہ بھراتو اس کی محبت کو اسے دور کرنا چاہا مگر اب وقت آگیا تھا، حساب برابر کرنے کا۔ سوچوں کے بھنور میں کب ہوٹل کی لوبی سے وہ لفٹ تک پہنچا اسے خبر ہی نہ ہوئی۔“

”تم...! سمجھتی کیا ہو خود کو، اپنا بچ ہونے کے باوجود اتنا غرور! ملک کہے الفاظ یاد آتے ہی اس کی آنکھوں میں وحشت اتر آئی تھی۔ لفٹ میں کھڑا سوچوں کے بھنور میں غوطہ زن کہیں دور جا نکلا تھا۔“

”ملک تجھے بھی آج تیرے کیے کی سزا مل کر رہے گی اذہان شاہ! کی محبت پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت کی تھی نہ تو نے آج تجھے تیرے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔ سپاٹ لہجے میں خود کلامی کرتے عمامہ کا بے سود وجود اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا۔“

”آپ نے مجھے کیوں بچایا“ وہ بس مجھے مارنے ہی والا تھا! آج اگر میری یہ چلتی ہوئی سانسیں بند ہو جاتی تو میری ساری اذیتیں ختم ہو جاتی، مجھے حرام موت جیسا گناہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ عمامہ کے کہے الفاظ یاد کرتے ہی کرب سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا لفٹ کے رکنے پر وہ اپنی خیالی دنیا سے واپس آیا اور تیزی سے لفٹ سے نکالتا آگے بڑھا جبکہ ذہن میں خلفشار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔“

”یہی ہے وہ روم!!“

اپنے مطلوبہ روم کے باہر پہنچتے اذہان سپاٹ انداز میں دریافت کیا تو اس نے فوراً سے تائید کی تو اذہان نے انگلی موڑ کر دروازے پر دستک دی۔“

”اندر سے کوئی جواب نہ آنے پر اذہان نے تیکھی نظروں سے اکرام کی اور دیکھا تو ایک پل کے لیے لرز کر رہ گیا۔“

”آپ ہٹیں..! مم.. میں! دیکھتا ہوں۔ اسے پیچھے کرتے اکرام ہڑبڑا کر آگے بڑھ دروازے پر زور سے ہاتھ مارا۔“

”آ رہا ہوں...!! آ رہا ہوں...!! چھری تلے دم تو لو...!!!۔ ہاتھ گاؤں پہنے اس کا بیلٹ باندھتے ملک نے دروازہ کھولا تو سامنے اذہان شاہ کو اپنے گارڈز کے ہمراہ دیکھ اسے اپنی موت نظر آئی تھی۔“

”تت توں یہاں! ناچاہتے ہوئے بھی ملک کی زبان لڑکھائی۔“

”ہاں میں تیری موت! اب تو یہ بتا کے وہ کہا ہے۔ اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر اسے سائیڈ میں کرتے ہوئے اذہان شاہ روم میں داخل ہوا تو اس کے گارڈز نے پورے کمرے کے تلاشی شروع کر دی تھی۔“

وہ کون؟ میں تو ادھر اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ ہنی مون منانے کے واسطے آیا تھا۔ تیرے کو میرے گرل فرینڈز سے کیا کام آج تو تیری شب زفاف نہیں، اس اپاہ..... آہنہ.....!!!! اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی ایک زوردار گھونسا جڑ دیا جس کی وجہ سے وہ گرتے گرتے بچا تھا گھونسا اس قدر شدید تھا کہ اذہان کا اپنا ہاتھ بھی زخمی ہوا، اور غیر متوقع حملے پر اس کا سر چکر اگیا تھا۔“

”جتنا پوچھا بس اتنا جواب دو! کیونکہ زیادہ بولنے والے لوگ اذہان شاہ! کو پسند نہیں! اور جو اذہان شاد کو پسند نہ ہو اس کا اس دنیا میں ہونے کا بھی کوئی کام نہیں! سرد ترین تاثرات کے ساتھ آنکھوں میں غمیض و غضب لیے اس کے گاؤن کے کالر کو دبوچ کر اپنے سامنے کیے آگ اگلے لہجے میں تنبیہی کرتا اس کا حلق خشک کر گیا تھا۔“

”سریہاں کوئی نہیں، ہم نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے۔ گارڈز نے مواد ب انداز میں بتایا تو اذہان ایک بار پھر ملک کی طرف متوجہ ہوا۔“

”کہاں ہے تیری وہ گرل فرینڈز جس کے ساتھ تو ہنی مون منانے آیا ہے اس کے گاؤن کے کالر کو مٹھائیوں میں دبوچتے تیش میں آتے ہوئے دھاڑا تو وہاں موجود سب کانپ کر رہ گئیں تھے۔“

”وہ تو چلی گئی تھوڑی دیر پہلے میں، میں بھی جانے ہی والا تھا، کہ تو آگیا اگر تو کہے تو اپن کال کر کے اسے بلا لیتا ہے۔ اس اپنا آپ چھڑاتے بمشکل ملک نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔“

”میں جس کا پوچھ رہا ہوں، تو اچھے سے جانتا ہے، اس لیے اب تیری زبان سے صرف سچ نکلنا چاہیے بہت ہو گیا، لکاچھی کا کھیل اب تو مجھے اس کا پتہ دے گا، یا پھر اس دنیا سے جائے گا۔ گن نکال کر اس کے سر پر تانتے ہوئے سپاٹ لہجے میں گویا ہوا تو اس کی آنکھوں میں وحشت دیکھ کر ملک کی روح کانپ گئی تھی۔“

”مم.. میں! سچ کہہ رہا ہوں! وہ یہاں سے چلی گئی ہے! اور میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی ہے! میں تو خود یہ ملک چھوڑ کر جا رہا ہے ہمیشہ کے واسطے۔ اس کی آنکھوں میں سفاکی دیکھ کر ملک فر فر بولنا شروع ہوا تھا جس پر اذہان کے چہرے کے تیور مزید بگڑے تھے۔

”لگتا تھے اپنی جان پیاری نہیں! ٹریگر پر دباؤ بڑھاتے پھنکارا۔“

”میری بات کا یقین کرو میں سچ کہہ رہا ہوں، میں نہیں جانتا وہ کہا ہے، بس اتنا معلوم ہے کہ وہ آج رات کی فلائٹ سے ملائیشیا جا رہی ہے۔ ملک نے فوراً سے اپنا منہ کھولا تو اذہان نے نظر گھوما کر شمسو کا سمت دیکھ کر آنکھوں سے کچھ اشارہ دیتے واپس ملک کی اور رخ کیا تو شمسو کا فوراً سے کمرے سے نکل گئے تھے۔“

”جب تو کچھ جانتا ہی نہیں! تو پھر میرے کسی کام کا نہیں اور جو چیز اذہان شاہ! کے کام کی نہ رہے اس کا دنیا میں رہنا بھی بیکار ہے۔ بے لچک لہجے میں کہتے ہوئے ٹریگر دبا گیا جس میں سے ایک شعلہ نکل کر ملک کے سر کے آر پار ہوتا اسے کے بے جان ہوتے وجود کو زمین بوس کر گیا اور

خون کے پھوار کی کچھ چھینٹے اذہان کے چہرے کو داغ دار کر گئی تھی جسے اپنے ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے اکرام کی اور پلٹا تھا۔“

”سر! سر! مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ یہاں سے نکل گئی ہے، اس سے قبل کے وہ کچھ پوچھتا اکرام نے وضاحت پیش کی تو ایک سرد نگاہ اس پر ڈالتا نفی میں سر ہلاتے روم سے نکلنے کے لیے پلٹا تھا کہ شمسو قاقا روم داخل ہوئے۔“

”چھوٹے صاحب! ملائشیا جانے والی فلائٹ کچھ دیر پہلے ہی ٹیک آف کر گئی ہے، ہم نے یہاں پہنچنے میں دیر کر دی۔ موادب نہ انداز میں اطلاع دی تو ضبط سے مٹھیاں بھینچ گیا تھا ماتھے کی شکن گہری ہوئی تھی۔“

آج اپنی بہن اور بیوی کے مجرم کو تو اس کے انجام تک پہنچا دیا، اب اپنے ماں باپ کے گناہ گار کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر ہی دم لو نگا بہت صبر سے کام لے لیا وہ میری خاموشی کو میری کمزوری سمجھ بیٹھی تھی، لیکن اب میں اسے بتاؤ گا کہ اذہان شاہ نہ تو کمزور ہے اور نہ بزدل جو پلٹ کر وار نہ

کر سکے۔ سپاٹ سنجیدہ انداز گویا تو اس کی آنکھوں سے اس کے اندر کے دکھ کا انداز لگانا مشکل تھا۔ شمسو قاقا محض دیکھ کر رہ گئیں تھے۔“

”چلو تم لوگ یہ سب سمیٹو، ایک نظر ملک کے بے جان وجود پر ڈالتا تیزی سے روم سے نکل گیا تھا۔ جس پر شمسو قاقا اور باقی سب اپنے کام میں لگے تھے۔“



”عروسی جوڑے ٹمبلوس سبھی سنواری پھولوں سے سبھی سج پر اپنا لہنگا پھیلائے بیٹھی کافی دیر تک ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی، بیٹھی، تھکنے لگی تو تھوڑا پیچھے کھسک کر بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائی، اس طرح بھی انتظار کی گھڑیاں ختم ہونی کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اگر وہ کچھ دیر اور یوں بیٹھی رہتی تو شاید سو جاتی اس لیے فوراً سے کھسک کر بیڈ سے نیچے ٹانگیں لٹکالی اپنے پیروں کو جھولتی اپنی ہتھیلیاں بیڈ کے کناروں پر رکھے گھڑی پر ٹک ٹکی باندھے مضطرب سی اٹھ گھڑی ہوئی، کافی دیر پہلے شمینہ بیگم! اسے کمرے میں چھوڑ کر گئی تھی، انتظار کرتے کرتے اب وہ جھنجھلا گئی تھی،

اوپر سے عروسی جوڑے میں ملبوس ہیوی جو لری اور میک اپ کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس کرنے لگی تھی، بل آخر اپنے تائی فیصلہ کرتی وارڈروب کی اور بڑھی۔“

”بس ں مت ہو گیا! اب اور نہیں ہوتا مجھ سے انتظار...!!“ بیٹھا رہے اپنے کزنوں کے ساتھ ہی۔ سلگتے ہوئے واڈر اب کھول کر اس میں سے اپنے لیے سمپل ساہاف وائٹ ڈھیلے ڈھالے کڑتے کے ساتھ میچنگ ٹراؤزر نکالتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔“

”لیکن ابھی تو اس نے میری تعریف بھی نہیں کی۔ واش روم کی سمت بڑھتے خود کا عکس ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں دیکھ کر دل میں خیال آیا تو پیل بھر کے لیے قدم رکے تھے۔“

”مجھے کیا پڑی ہے جب اسے ہی نہیں میری پرواہ! تو میں بھلا کیوں اس کی فکر کرو؟۔ خود ہی اپنے خیال کی نفی کرتی کندھے اچکاتی واش روم میں بند ہو گئی اور کچھ دیر بعد باہر نکلی تو پھر وہی خالی کمرہ دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی تھی۔“

”اتنا انتظار بھی کوئی کروتا ہے کوئی، اپنی نئی نویلی دلہن کو، صبح اچھے طرح تائی جان! سے اس شکایت لگاؤ گی وہی اس کے کان کھنچے گی نا، تو پھر پتا چلے گا۔ شیشے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں میں برش کرتے خود سے بات کر رہی تھی کہ کلک کی آواز سے دروازہ کھولا کر عباس کمرے میں داخل ہوا تو یکایک اس کی چلتی ہوئی زبان تالو سے لگی تھی تو خفگی سے اپنا رخ پھیر گئی تھی، جبکہ دوسری طرف وہ جو بمشکل اپنے کزنوں سے جان چھڑا کر آیا تھا، شیشے کے سامنے کھڑی اپنی دلہن کو اس سادے سے سوٹ میں ڈوپٹے سے بے نیاز بنا کسی ہار و سنگھار اس کا چہرہ ابجھ سا گیا تھا۔“

”یہ کیا چپکل.....!!!“ میرا مطلب عنایہ! تم نے میرا انتظار بھی نہیں کیے بغیر ہی چینیج بھی کر لیا، ابھی تو میں نے تمہیں صحیح سے دیکھا بھی نہیں، پالروالی کی ساری محنت ضائع کر دی۔ روانی سے بولتے بولتے دانتوں تلے زبان دباتے پر تاسف انداز بظاہر سنجیدگی میں اپنی بات مکمل کی تو اس کے انداز میں چھپا طنز باخوبی سمجھ گئی تھی۔ جی بھی فوراً سے پلٹ کر کمر پر ہاتھ رکھ کر ایک گھوری سے نوازتی آگے بڑھی۔“

”وہ کیا ہے ناجب کسی لنگور کے ہاتھ حور لگ جائے تو اس کی ایسی ہی بے قدری کی جاتی ہے جیسی آج تم نے کی! لیکن تم شاید بھول رہے ہو! مجھے اپنی قدروں قیمت یاد دلانا چھ سے آتا ہے، وہ بھی سارے لحاظ سائیڈ میں کرتے انگلی اٹھا کر دوبہ دو ہوئی تو اسے کے اس انداز پر عباس کے ہونٹوں پر دل فریب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی جسے وہ ضبط کرتا آگے بڑھتا اس کی انگلی میں اپنی انگلی الجھاتا جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا۔“

”کیا تم نے مجھے لنگور کہا؟ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفہامیاں مگر شیر انداز میں گویا تو اس کی قربت اور کمرے میں بکھری پھولوں کی خوشبو اور کینڈلز کی مدھم روشنی ماحول کو پرفسوں خیز بنا رہی تھی جس کے باعث عنایہ کی دل کی دھڑکن منتشر ہوئی تھی اس پر مقابل کی بے باک نظروں نے اسے گھبرانے پر مجبور کر دیا پر وہ اگلے ہی لمحے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا گئی تھی۔“

”نہیں خود کو حور کہا! اس کے انگلی سے اپنی انگلی چھڑواتے بمشکل مدھم لہجے میں کہتی پٹی تھی کہ عباس! نے اس کی کلائی پکڑ کر اپنی اور کھینچا تو وہ اس غیر متوقع حملے پر کسی ٹوٹی ڈال کی مانند اس کے سینے سے آگلی اس کے کھلے سلکی بال کسی گھٹا کی طرح اس پر چھا گئے تھے۔“

”میں تو سمجھا تھا کہ میری شادی ایک چڑیل سے ہوئی ہے، مگر تم تو پالروالی کی مہارت کے جہت سچ میں خود کو حور سمجھ بیٹھی ہو۔ اس کی ٹھوڑی اوپر کرتے بظاہر سنجیدگی مگر شریر و شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے گہرے لہجے بولا تو اس کی بات میں چھپا طنز محسوس کرتے خشمگیں نظروں سے دیکھتے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر خود سے پرے دھکیلنے کی سعی کی تو اس کے ارادے بھانپتے سرعت سے کمر میں ہاتھ ڈال اس کی کوشش ناکام کی تھی۔“

”تم نے مجھے چڑیل کہا؟ اگر میں چڑیل ہوں تو جاؤ پھر جا کر اپنے لیے کوئی حور ڈھونڈ لو یہاں کیا لینے آئے ہو۔ خود کو اس چھڑوانے کی تگ و دو میں خفگی سے بولی۔ تو اس حرکت پر عباس کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گئی تھی۔“

”میں ایک چڑیل! کا آسیبی ہو مجھے حور سے کیا غرض مجھے تو بس میری چڑیل! ہی چاہیے۔ ایک ہاتھ اس کی کمر پر رکھے دوسرے ہاتھ سے بال کان کے پیچھے اڑیستے ہوئے گھمبیر لہجے میں اس کے چہرے پر نظریں ٹکائے بولا تو عنایہ نے نہ سمجھی سے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی ہو کہ آیا یہ تعریف تھی یا طنز۔

”یہ بار بار تم مجھے چڑیل کس خوشی میں کہہ رہے ہو! اپنی شکل کبھی آئینے میں دیکھی ہے، بندر کہی کے نہ ہو تو اور دور رہ کر بات کرو مجھے زیادہ فری ہونے کی کوشش بھی مت کرنا، ابھی بھی آنے کی کیا ضرورت تھی صبح ہی آجاتے۔ حساب برابر کرتی خفگی سے بولتی اس کے پاؤ پر پاؤ مار کر اس سے اپنا آپ چھڑاتے اس کے سارے رومانس کا ستیاناس کر دیتا تھا۔“

”آؤنچ...!!“ جنگلی بلی کچھ تو خیال کرو اب تو میں تمہارا شوہر ہوں ”لنگڑاتے ہوئے دہائی دی تھی۔“

”تم نے میرے دلہن ہونے کا خیال کیا، جو میں تمہارے شوہر ہونے کا کرو، آئے بڑے شوہر ہونے کا دعویٰ کرنے کب سے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں، وہ بھی اتنی بھاری ڈریس اور جو لری پہنے کر، صرف صرف تمہارا ویٹ کر رہی تھی لیکن تمہیں پہلے کبھی میری”!!!.....

اس کی بات مکمل ہونے سے قبل اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر جھٹکے سے اپنے قریب کرتے جھک کر اس کی زبان پر قفل لگاتے اسکی سانسوں پر قابض ہوا، یلخت اس کی اس کا رروائی پر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے معملا سمجھنے کی کوشش کرتی اس کا کالر مٹھیوں میں جکڑ گئی کچھ ہی دیر میں اس کی سانس رکنے لگی تو عنایہ! نے اس کے سینے پر مکے برسانا شروع کیے پر یہاں اثر کسے اس کے مکے برسنے پر اس کے عمل میں شدت آئی تھی پراگلے ہی لمحے اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کی جان بخشی پر کمر کے گرد حصار بنوزے برقرار رکھا، رہائی پاتے ہی اپنی سانسیں اعتدال میں لانے کی کوشش کرتی حیا و سبکی مٹانے کی خاطر اپنا سر اس کے سینے پر رکھ گئی تھی عباس کو اسکی ادا

پر ڈھیروں پیار آیا تھا دونوں بازوؤں اس کے گرد حائل کرتا گھیرا اتنا سخت کیا تھا کہ اس اپنی پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔“

”صرف دعویٰ ہی نہیں اپنے عمل سے بھی ثابت کر کہ دکھا سکتا ہوں میں، بس تم اجازت دو۔ نا محسوس انداز میں خود سے الگ کر کے اس کے ماتھے سے ماتھاٹکاتے خمار آلود لہجے میں گویا ہوا تو عنایہ کی دل کی دھڑکن جیسے ایک پل کے لیے رک گئی ہتھیلیاں اس کی بات کا مفہوم سمجھتے نم ہوئی وہ جو ہر وقت اس لڑنے کو تیار رہتی تھی آج اس کی بولتی بند ہو گئی تھی اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی جان کر جھک کر اس گود میں اٹھایا تھا۔“

”یہ کیا کر رہے ہو! نیچے اتر مجھے۔ عباس کی بے باک نظروں کو خود پر محسوس کرتے اس کے کالر کو مٹھائیوں میں دبو چتے خفت و سبکی سے سرخ ہوتی اس کے سینے میں منہ چھپائے روہانسی ہوئی تھی۔“

” ویسے تو جہاں بھر کی خبر رکھتی ہو لیکن یہ نہیں جانتی کہ میں کیا کرنے لگا ہوں، اتنی بھی بچی نہیں۔ بیڈ پر لیٹا کر کسی گھٹا کی مانند اس پر جھکتے جذبات سے بھو جل لہجے میں کہتے اس کے ماتھے پر لب رکھے تو اس کی قربت اور لمس سے پاگل ہوتی اس کے لمس کو محسوس کرتی آنکھیں موندے گئی تھی۔

عباس.....!!!! اس کی بڑھتی ہوئی جسارتوں سے تھرانے لگی تھی جبھی اس کے سینے پر ہاتھ رکھ فاصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔ “

”ششش.....!!!! آج کچھ مت کہوں! صرف محسوس کرو۔ اس کا ہاتھ پکڑتے سے لگاتے اس کے ہونٹوں کو ہولے سے چھوتے اس دیکھ کر خمار آلود لہجے میں کہتے جا بجا اپنا لمس چھوڑنے لگا اس کا دل اس کے کانوں میں دھڑکنے لگا۔“

”ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی بڑھتی گستاخیاں اس کی روح فنا کرنے کے درپہ تھی بیتے
لمحوں کے ساتھ عباس اس کی روح تک رسائی حاصل کرتا چلا گیا اور دور کہیں چاندان کے ملن پر
رشتک آمیز تھا۔“



”رات کے آخری پہر اذہان! تھکا ہوا گھر لوٹا تھا آج ایک بار پھر وہ عورت اس کے ہاتھ آتے
آتے بچ گئی تھی، جس کے باعث اسے کامور ڈ خاصہ خراب تھا پرد شمن جاں کا خیال آتے ہی
ساری تھکن بھپ سے اوڑ گئی اور چہرے پر تبسم پھیل گئی انھیں سوچوں میں پراگندہ کمرے کی
سمت بڑھا جانتا، یا تو سو گئی ہو گی یا ”پھر اپنا پسندیدہ مشغلہ فرما رہی ہو گی۔“

”پاگل! پتا نہیں کب سمجھ دار ہو گی میری پاگل مسسز!! من ہی من مسکراتے خود سے باتیں
کرتے ہوئے دور ازے کے نوب پر ہاتھ رکھ کر گھما کر دھکیلا مگر دروازہ لوک پا کر ٹھٹھک
بر جستگی سے ایک اور کوشش مگر ناکام ٹھہری۔“

”عنائہ.....!!!“ ”عنائہ.....!!!“ دروازے پر دستک دیتے ہوئے پکارا پر کوئی جواب نا“
آیا تو اپنی پاگل بیوی کی نادانیوں کا سوچ کر اس کا دل متزلزل ہوا کوئی بعید نہیں تھی کہ پھر سے
خود کو کوئی نقصان پہنچایا ہو، یا اپنی جان لینے کی کوشش کر گزری ہو، اس خیال کے آتے ہی
اذہان کا دل لرز کر رہ گیا تھا۔“

”اب اگر تم نے اپنے ساتھ کچھ غلط کیا نا“ تو اس بار تمہیں معافی نہیں سزا ملے گی مسسز اذہان
شاہ! سپاٹ انداز میں کہتے اپنی سٹڈی روم کی جانب برق رفتاری سے بھاگنے کے انداز میں بڑھا
سٹڈی میں موجود اپنے کمرے سے منسلک دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو سامنے کا منظر
دیکھ کر شذر رہ گیا۔“

”اب اگر تم نے اپنے ساتھ کچھ غلط کیا نا“ تو اس بار تمہیں معافی نہیں سزا ملے گی مسسز اذہان
شاہ! سپاٹ انداز میں کہتے اپنی سٹڈی روم کی جانب برق رفتاری سے بھاگنے کے انداز میں بڑھا
سٹڈی میں موجود اپنے کمرے سے منسلک دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو سامنے کا منظر
دیکھ کر شذر رہ گیا۔“

”جہاں کا وچ کی بیک سے ٹیک لگائے بکھرے حلیے میں عمامہ کا سر ایک جانب ڈھلکا ہوا تھا اور ایک ہاتھ نیچے کی جانب لٹکا ہوا تھا جس دیکھ کر اذہان کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی جانے کتنے وسوسوں نے دماغ میں پنچے گاڑھے دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا قدم جیسے پتھر اگئیں تھیں۔“

”عمامہ! تم ایسا نہیں کر سکتی میرے ساتھ اگر تمہیں کچھ ہوا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کرو گا، اس جہاں میں نہ سہی اگلے جہاں میں بھی تم مجھے جواب دے ہونا پڑے گا۔ کرب سے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے بھاری قدموں سے چلتے چند قدموں کی مسافت اس کے واسطے میلوں کا سفر ٹھہرا۔“

”عمامہ...!!! اس کے قریب بیٹھتے بمشکل ہمت جما کرتے اس نتھنوں کے پاس ہاتھ لیجاتے ہوئے پکارتو اس کی چلتی ہوئی سانسوں کو محسوس کرتے اذہان کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھی جبکہ عمامہ کی ابتر حالت دیکھ اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا مٹے مٹے آنسوؤں اور میک اپ میں وہ دلہن سے زیادہ کوئی بیمار لگ رہی تھی۔“

”تم کسی دن میری جان لے کر رہو گی، میری پاگل مسسز شاہ! اس کا ڈھلکا ہوا ہاتھ پکڑ کر اوپر کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کا جسم بخار میں تپ رہا ہے سرعت اس اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کیا۔“

”عمائمہ! عمامہ! آنکھیں کھولو عمامہ! وہ جو کچھ لمحے پہلے کچھ سیکنڈ کے لیے ہی پر سکون ہوا تھا ایک بار پھر مضطرب ہوا تھا۔“

”میں نے نہیں بلایا اسے، یہ جھوٹ کہہ رہا ہے میرا یقین کریں میں نے نہیں بلایا۔ اذہان کے چہرہ اٹھتھپانے پر عمامہ غنودگی میں سرسراتی اپنی بے گناہی کا یقین دلارہی تھی اس کی کہی بات سمجھتے تڑپ کر رہا اسے خود میں بھیج لیا تھا۔“

”مجھے تم پر پورا یقین ہے میری جان! تم کیوں یہ سب سوچ کر خود کو اور مجھے اذیت پہنچا رہی ہو۔ اسے خود میں بھنچے کر بناک لہجے میں گویا ہوا دو آنسوؤں ٹوٹ کر اس کی بریڈ میں جذب ہوئے، نرمی سے خود سے الگ کرتے گود میں اٹھا کر بیڈ تک لے کر آیا آہستہ سے لیٹا کر کمفرٹ اڑاتے

ہوئے نظر اس کی گردن، کانوں کی خراشوں پر پڑی جو بے دردی سے جو لری اتارنے کہ باعث ہوئی تھے جسے دیکھ وہ دکھ سے آنکھیں میچ گیا۔“

”مسسز شاہ! خود کو پہنچائے ایک ایک زخم کی بھرپائی کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ! کیونکہ اذہان شاہ خود پر کیے ستم تو سہہ سکتا پر تمہارا خود کو جو چوٹ پہچانا برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی گردن پر پڑی خراشوں کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چھوتے ہوئے دل میں اٹھتی خواہش کی طنابیں کھینچتے اس طرح کہہ رہا تھا جیسے وہ اس کی بات سن رہی ہو اس کے چھونے پر عمامہ کی تکلیف سے کراہ نکلی جس کا درد اذہان نے دل پر محسوس کیا۔“

”اس کا بخارا کم کرنے کے غرض سے بر جستگی سے کچن سے باؤل میں پانی لا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے اپنی پاکٹ سے رومال نکال کر پانی میں بھگو تے عمامہ کے ماتھے پر رکھا تھا۔“

اذ... ہا... ن...! بہ... ت... مج... بت... کر... تی... ہو... اگ... ر آپ نے مج... ہے... چھ... وڑ دیا تو می... مر جا... وں گی، لو... گو... کی با... تیں... نہ... کی ہمت نہ... یں اب مجھ می...۔

اذہان کا یو اس کو چھوڑ کر جانے والی بات اس کے دل میں کسی کرچی کی طرح پیوست ہو گئی تھی جو ہر لمحہ اسے تکلیف پہنچا رہی تھی جس کے باعث غنودگی میں متواتر اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی سعی کر رہی تھی یہ جانے بغیر کہ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ وہ کسی مجبوری کے تحت گیا تھا نہ تو اسے چھوڑ کر گیا تھا۔“

”کس طرح تمہیں اپنی محبت کا یقین دلاؤں کس طرح بتاؤں کہ تم اذہان شاہ کے لیے کیا ہو، میرے دل کا سکون“ میرا چین“ قرار ہوا اگر میں دل ہوں تو اس دل دھڑکن ہو تم مختصر یہ کہ میرے جینے کی وجہ ہو تم! خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا وقت آئے کہ مجھے تمہیں سے یی جدا ہونا پڑے، اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو میرا تم سے وعدہ ہے کہ اذہان شاہ؟ یہ دنیا چھوڑنا تو گورا کر سکتا ہے پر تمہیں نہیں۔ اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتے وہ عمامہ کے بے ہوش وجود سے باتیں کرتا بے بسی کی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔“

”کچھ ہی دیر میں عمامہ کا بخار کم ہوا تو اذہان نے سکون کا سانس لیا، پانی کا باؤل واپس کچن میں رکھنے کے بعد اس کے سرہانے بیٹھ کر بیڈ کراؤن کے ساتھ سر ٹیکائے اس کے چہرے پر نظریں جمائے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے کب اس کی آنکھ لگی اسے خبر ہی نہ ہوئی۔“



”اک نئی صبح نے انگڑائی لی سورج کی تابناک کرنوں نے بھی کھڑکیوں پر لگے پردوں کی اوٹ سے اندر جھانکتے ہوئے نئے سویرے کی نوید سنائی جہاں دو نفوس ایک دوسرے کی پناہوں محو میٹھ نیند کے مزے لے رہے تھے۔“

”سورج کی کرنوں نے عنایہ کی نیند میں خلل ڈالنا کی کوشش کی تو اسے کسمسا کر پہلوں بدلنا چاہا پر خود پر کسی بھاری بھر کم وجود کو محسوس کرتے مندھی مندھی آنکھیں کھول کر دیکھنے کی سعی کی تو عباس کو شرٹ لس خود پر قابض دیکھ رات اس کی گئی گستاخیاں یاد کرتے عنایہ کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھرے تھے۔“

”عباس....! شرم و حیا سے سرخ پڑتی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پرے دھکیلنا چاہتا تھا اس کی کوشش ناکام بناتا اس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اس کی گردن میں میں چھپا گیا تھا۔“

”ابھی میرا اٹھنے کا کوئی موڈ نہیں، تو برائے مہربانی سوئے ہوئے شیر کو جگانے کی کوشش ہرگز مت کرو! ورنہ یہ تمہیں بہت مہنگا پڑ سکتا ہے۔ حلکا سا سر اوپر اٹھا کر گھمبیر لہجے معنی خیز دھمکی دیتے دوبار اس کی گردن میں منہ چھپا گیا جس پر اس کی بات سمجھتے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی۔“

”سوئے ہوئے شیر! شکل دیکھی ہے اپنی بندر کہیں کے، تمہیں سونا ہے آرام سے اپنا شوق پورا فرماؤ! بندر اوف شیر! لیکن تھوڑا دور ہو کر! مجھے بھی سونا ہے، ساری رات تو سونے نہیں دیا تم نے اور اب پھر میری نیند خراب کر رہے ہو۔ اس کی دھمکی کو خاطر میں لائے بغیر وہ کوفت و خفگی سے اسے پرے دھکیلتی کروٹ بدل گئی تھی اس کی اس حرکت پر عباس کی نیند بھپ سے اوڑ گئی اس کی بات سن حیرت زدہ سا اسے دیکھ کر رہ گیا پر باز آنے والوں میں سے وہ بھی نہیں تھا۔“

”ڈارلنگ! تم ایک رات میں مجھے سے تنگ ہو گئی، ابھی تو ساری زندگی مجھے جھیلنا ہے۔ اس کے قریب آتے اس کے پیٹ کے گرد بازو حائل کرتے اس کندھے پر اپنا لمس چھوڑتے خمار آلود لہجے میں گویا ہوا تو اسے پٹری سے اترتے دیکھ عنایہ نے گردن گھما کر اسے گھوری سے نوازا تھا۔“

”عباس! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہاری شکایت تائی جان! سے لگاؤں گی پھر دیتے رہنا! تائی جان! کو صفائیاں۔ حیا و سسکی سے سرخ پڑتی جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔ اس کی بات سن کر عباس کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گئی۔“

”کیا کیا بتاؤ گی ماما“ کو میرے ساتھ چل کر بتانا اگر تم کچھ بھول گئی تو میں یاد دلا دوں گا، اور شروعات ان ناخنوں کے نشانات سے کرنا جنگلی بلی۔ شوخ و شریر انداز میں تائید کرتے اپنے کندھوں پر پڑے اس کے ناخنوں کے نشانات پر دھیان دلا یا تو عنایہ شرم سے نظریں چرا گئی۔“

”عباس! پلیز مجھے سونا ہے، نہ کریں تنگ!۔ معصوم صورت بناتی روہانسی ہوئی! تو پر سوچ انداز میں ایک نظر اسے دیکھا۔“

”ابھی تو ترس کھا کر تمھاری جان بخش رہا ہوں، لیکن ہر بار ایسا نہیں ہو گا ڈارلنگ۔ بظاہر سنجیدگی سے تنبیہ کرتے جھک کر اس کے ماتھے پر لب رکھتا اٹھا گیا تھا جبکہ وہ محض اس دیکھ کر کمفرٹ منہ تک اوڑ گئی تھی۔“



”اب روتی کیوں ہو یہ تو ہونا ہی تھا“ تو کیا سمجھتی تھی کہ یہ مہندی لگا کے خود کو سجا سنوار کر اس کے سامنے پیش کر گی تو وہ تیری اتنی بڑی خامی نظر انداز کر دے گا۔“

میں نے کبھی کسی کو دیکھانے کے لیے مہندی نہیں لگائی پھوپھو!! ”نہ کبھی کسی کو دیکھنا کے غرض سے سچی! سچی تو کیا میں تو بس خود کو مصروف رکھنے کے لیے بس اپنا تھوڑا خیال رکھتی ہوں! یہ سب تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں، آپ جس کی چاہے قسم لے لیں۔“

”بہت بہت مبارک ہو مسسز اذہان شاہ! ا

”اپاہج کو اتنا اچھا لڑکا کیسے مل گیا،

ضرور اس نے اپنے معصوم صورت کے جال میں پھانسا ہوگا،

اپنی محرومی کا رونا رویا ہوگا،

یا، پھر لڑکے میں کوئی عیب ہوگا

یا، پھر ابھی تو ترس ہمدردی میں اس شادی تو کر رہا ہے لیکن بہت جلد اس سے بیزار ہو کر واپس

یہی پھینک جائے گا،

”ہنسہ! سرنے کہا تھا“ اور تمہیں بھی زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں! مجھے تو یہ کوئی دو

نمبر لوگ لگتے ہیں، نہیں تو کیا اتنا امیر! اتنا ہنڈسم شخص! اور محبت تم سے کر بیٹھا! تم جیسی اپاہج

سے! دنیا میں کیا لڑکیاں ختم ہو گئی تھی۔“

وہ... وہ!!“ مجھے عمامہ!!“ نے بلایا تھا میں نے اس کہا بھی یہ غلط ہے۔ وہ ہوش کی دنیا میں
واپس آتی پسینے سے شرابور بے چینی سے اپنا سردائے بائے کر رہی تھی پٹ سے اسکی آنکھیں
کھل گئیں گہرے گہرے سانس لیتی اٹھ بیٹھی

ڈر خوف گہرے سائے اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔

اپنے سینے پر ہاتھ رکھے اپنی سانسوں کو اعتدال میں لانے کی کوشش کرتی نظریں ارد گرد گھمائی تو
خود کوں بیڈ پر دیکھ اسے یاد آیا کہ وہ تورات کو کاوچ پر بیٹھی اذہان کا انتظار کر رہی تھی یک دم ہی
اس ستم گر کا خیال آتے نظروں نے کمرے میں اسے تلاشنا چاہا پر نظریں خالی درود یوار سے ٹکرا
کر واپس لوٹی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔ خود کو بیڈ پر دیکھ جو حلقی سی خوشی محسوس ہوئی وہ خالی
کمرادیکھ وہ خوشی دل میں ایک خلش میں بدل گئی تھی جس کی چبھن کی تکلیف اٹھی تھی۔“

”بس یہی تھی آپ کی محبت دیوانگی جس کی خاطر آپ اپنی جان دینے تک تیار تھے، یا پھر میری
قسمت میں ہی قیدے تنہائی لکھی ہے عمر بھر کی، صرف پنجرہ بدلہ ہے،

رہائی میری نصیب میں لگتا ہے صرف موت کی صورت ہی میسر ہوگی۔ خوبصورتی سے سبے
کمرے کو حسرت بھری نگاہوں سے تکتے رنجیدگی سے سوچوں کے دھاروں میں غوطہ زن
نظریں اپنے پوٹریٹ پر آکر رکی پوٹریٹ میں چمکتی ہوئی بھوری آنکھوں میں زندگی کی چاہ دیکھ
عمائمہ کے دل میں جینے کی تمنا جاگی تھی، جس پر وہ اپنی آنکھیں موند گئی تھی کہ کلک کی آواز سے
دروازہ کھلنے پر جھٹ سے آنکھیں کھولی تھی۔“

اٹھی گئی! مجھے لگا تم تھوڑی دیر اور سوگی تو، سوچا تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے آؤں، رات کو
بھی معلوم نہیں تم نے کچھ کھایا یا نہیں۔۔۔۔؟۔ بلیک کلر کے ٹراؤز شرٹ میں ملبوس سادہ سے
حلیے میں ہاتھوں میں ٹرے پکڑے جس دو بھاپ اڑاتے کپ رکھے تھے ایک جانب ایک سرخ
گلاب کا پھول رکھا تھا کمرے میں داخل ہوتے عام سے انداز میں بولتے ہوئے ٹرے سائیڈ ٹیبل
پر رکھ کر اس کے پاس بیٹھا جو متعجب نظروں سے ڈوپٹے سے بے نیاز اسے دیکھ رہی تھی۔

”آپ اندر کیسے آئے.....؟ اس یاد تھارات سونے سے قبل اسنے دروازہ لوک کیا تھا جھبی تعجب زدہ اسے تکتی محوت سے بولی وہ جو اسے بے وفا ہر جائی سمجھ کر دکھی تھی اس طرح اس دیکھ حیران رہ گئی تھی۔“

”طبعیت کیسی ہے اب تمہاری۔ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کے ماتھے کو چھوتے نرمی سے استفسار کیا۔ اس کے یو قریب آنے پر دل میں ہلچل پیدا ہوئی تھی۔“

”مجھے کیا ہونا ہے۔ اس کا ہاتھ نامحسوس طریقے سے ہٹاتی زر سا پیچھے کھسکتی روکھائی سے کہتی نظریں چراگئی تھی۔“

”مطلب کے ہماری مسسز ہم سے ناراض ہے، اور ہونا بھی چاہیے تمہارا حق بنتا ہے ناراض ہونے کا آخر اتنی پیاری مسسز کو اتنا انتظار جو کروایا ہے۔ اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کیے ر سان سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر قریب ہوا تو عمامہ نے تھوک نگلا تھا۔“

”مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں، نہ ہی آپ مجھے ایسے کوئی خواب دیکھائے جس کی تعبیر ممکنات میں نہ ہو۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری لہجے میں کہتی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑاتی منہ موڑ گئی تھی وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا تھا۔“

”ادھر دیکھو میری طرف عمامہ! اور مجھے بتاؤ کہ میں تمہیں کس طرح اپنی محبت کا یقین دلاؤں، ایسا کیا کروں کے تمہیں میری محبت پر اعتبار آجائے میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ اس رشتے کی شروعات بے اعتباری اور دل میں شکوے شکایت لے کر کی جائے عمامہ! اگر تمہارے دل میں کچھ ہے جو تمہیں تکلیف پہنچا رہا ہے، تو تم بلا جھجک پوچھ سکتی ہو۔ اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ لے کر جذبات سے چور لہجے میں کہتے اس کے اس کے ماتھے سے ماتھاٹکا گیا عمامہ کی آنکھوں سے نمکین پانی بہہ نکلا تھا۔

”تم تو صرف بے ہوشی میں اقرار کرتی ہونا،“ لیکن میں تمہیں دیوانگی کی حد تک چاہتا ہوں، تمہاری خوشی کی خاطر میں ہر حد پار کرنے کو تیار ہوں، پر تمہیں نہ تو مجھ پر یقین ہے نہ ہی میری محبت پر! یہ سب اگر میں تمہاری خوشی کی خاطر برداشت کر بھی لوں تو جب تم خود کو یو تکلیف

پہنچاتی ہو تو مجھے لگتا میری محبت میں کہیں کمی رہ گئی۔ اس کے بہتے آنسوؤں کو لبوں سے چنتے آہستہ سے اس کی گردن پر پڑی خراشوں کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چھوتے گھمبیر لہجے کہتے اپنے دل میں اٹھتی خواہش پر ان زخموں پر مرہم رکھ گیا، اذہان کے ہونٹوں کا لمس محسوس کرتے عمامہ! کے وجود میں بجلی سے دوڑ گئی۔ اور دل سوکھے پتے کی مانند لرز نے لگا پر چہرہ ہر قسم کے جزبات سے عاری تھا۔“

”اذہ. ان....!“ گردن سے سرکتے لمس کان کی لوتک پہنچا تو دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فاصلہ بڑھانے کی سعی کرتی بولی۔ تو نظر سائیڈ ٹیبیل پر رکھی ٹرے پر گئی تھی۔

آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ وہ جو جزبات کے دھاروں میں میں بہکنے لگا تھا اٹھل پھل ہوتی دھڑکن کے ساتھ جزبات سے عاری چہرے لیے اس خود سے دور کرتے چائے کی طرف دھیان دلایا۔ اس الگ ٹرے کی جانب دیکھ کر دوبارہ عمامہ کی اور متوجہ ہوا خالی خالی نظروں سے

سے یہاں وہاں دیکھتی اس نظریں ملنے سے گریز برتی بر جستگی سے ایک کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی تھی۔

وہ تمہارے....! اس پہلے کے اذہان اسے روکتا اس کے منہ میں کڑواہٹ گھل گئی جس پر وہ حیرت سے براسا منہ اس کی اور دیکھا جو دوسرا کپ اٹھا کر اس دینے کی خاطر آگے بڑھانے لگا تھا۔

”آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ وہ جو جزبات کے دھاروں میں میں بہکنے لگا تھا، اتھل پھل ہوتی دھڑکن کے ساتھ جزبات سے عاری چہرے لیے اس خود سے دور کرتی چائے کی طرف دھیان دلا یا۔ اس الگ ہوتے ہی اپنے منہ زور جزبات کی طنابیں کھینچتے ٹرے کی جانب دیکھ کر دوبارہ عمامہ کی اور متوجہ ہوا جو خالی خالی نظروں سے یہاں وہاں دیکھتی اس نظریں ملنے سے گریز برتی بر جستگی سے ایک کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی تھی۔“

”وہ تمھارے....! اس پہلے کے اذہان اسے روکتا اس کے منہ میں کڑواہٹ گھل گئی جس پر وہ حیرت سے براسا منہ بنا کر منہ پر ہاتھ رکھتے بمشکل حلق سے نیچے اتارتے اس کی اور شاکی نظروں سے دیکھا جو دوسرا کپ اٹھا کر اس دینے کی خاطر آگے بڑھانے لگا تھا۔“

”یہ کیا.....!!! حلق تک کڑواہٹ گھل گئی جس پر منہ بگاڑ کر کچھ کہنے کی خاطر لب کھولے ہی تھے عمامہ کہ منہ کے بدلتے زاویوں کو دیکھ بے ساختہ اس کا قہقہہ چھوٹ گیا تھا اس یو پہلی بار ہنستے ہوئے دیکھ عمامہ کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر سی گئی بنا پلکیں جھپکائے دیکھتی جہاں ہنسی کی وجہ سے گال پر نمودار ہوتے ڈمپل میں جیسے کھوسی گئی جو اس کے دل کش چہرے کو مزید بڑھا گئی اس طرح نظر بھر کر وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی اذہان کی آنکھوں میں اس سے اپنے لیے محبت ہی محبت نظر آئی کسی بھی قسم کے کھوٹ سے پاک صرف سچی محبت تھی۔“

خنجر سے کرو بات نہ تلوار سے پوچھو

میں قتل ہوا کیسے میرے یار سے پوچھو

”ہیلو۔!“ مسسز کہاں۔!“ وہ جو اس کی ہنسی میں کھوسی گئی تھی اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ ہلا کر چوٹکی بجانے پر وہ خیال کی دنیا سے باہر نکلی تو اذہان کی نظریں خود پر محسوس کرتے گڑبڑا کر نفی میں سر ہلا گئی تھی۔“

”یہ بہت کڑوی ہے۔ عمامہ نے فوراً سے کپ آگے کرتے ہوئے بات بدلی تو مسکرا اس کے ہاتھ سے کپ تھام گیا تھا۔“

”جانتا ہوں۔! یہ تمھاری تھی بھی نہیں، مگر تم نے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ زرا سا آگے کو جھک گھمبیر لہجے گویا ہوتے اس کے ہاتھ سے کپ تھام کر اپنے لبوں سے لگا گیا۔ تو اس دیکھ کر رہ گئی تھی۔“

”لیکن۔! آج تو یہ بہت میٹھی ہے۔ بلیک کافی کا سپ لیتے نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کیے معنی خیز لہجے بولا تو وہ نظریں چرا گئی عمامہ کے چہرے سے انداز لگانا مشکل تھا کے اس وقت اس کے دل میں کیا چل رہا ہے۔“

”یہ تمہارے لیے!“۔ کافی کاکپ ٹرے میں رکھ کر اس کی سائیڈ میں رکھا سرخ گلاب اٹھا کر عمامہ کے سامنے کیا تو عمامہ نے بے یقینی سے اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہو۔

”کس خوشی میں روکھائی سے کہتی ہوئی جیسے ہی گلاب کا پھول تھامنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو عمامہ کی نظر اس کے دوسرے بینڈ تاج لگے ہاتھ پر گئی۔“

”خوشی نہیں خوشیاں۔۔۔!!“

”یہ کیا ہوا!“ اس کی بات سنے بغیر گلاب کے پھول کو چھوڑ اس کے دوسرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے متفکر نہ انداز سوال کیا۔“

”وہ کچھ نہیں! بس معمولی سے چوٹ ہے۔ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے سر سری انداز میں گویا ہوا تو وہ فوراً سے منطبو طی سے تھام گئی۔“

”اذہان! سچ بتائیں کیا ہوا ہے یہ چوٹ کیسے لگی!۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے تذبذب کا شکار ہوئی تھی۔“

”جان! جان! کچھ نہیں ہوا میں کہہ رہا ہوں نہ معمولی سی چوٹ ہے، کہوں تو بینڈیج کھول کر دیکھا دوں!۔ اس کا چہرہ اپنے ہاتھ میں لیتے پیار سے اپنی بات دہرائی تھی اسے یوں اپنے لیے فکر مند ہوتا اذہان کو انجانی خوشی محسوس ہوئی تھی۔“

”آپ سچ کہہ رہے نا“ درد تو نہیں ہو رہی آپ کو۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے متفکرانہ انداز میں استفسار کیا تو اذہان کی آنکھوں میں شرارت چمکی تھی۔“

”درد ہو رہا ہے تھوڑا سا تم مرہم لگا دو گی تو آرام آ جائیگا۔ آنکھوں میں شرارت لیے بظاہر سنجیدگی سے بولا تو عمامہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔“

”کہا رکھا ہے مرہم مجھ لادیں میں لگ دیتی ہوں! پلکوں کی جھالر گرا کر اٹھاتے دھیمے لہجے گویا ہوئی تو اذہان کو اس کی معصومیت پر بے ساختہ پیار آیا تھا۔“

”میں اُس مرہم کی بات کر رہا ہوں۔! جو تھوڑی دیر قبل میں نے تمہارے ان زخموں پر رکھا تھا۔ اس گردن پر موجود خراشوں کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چھوتے ہوئے گھمبیر لہجے میں کہتے اس کی روح فنا کر کر گیا جبکہ وہ اس کی بات کا مطلب سمجھتے اس کے چہرے فق پڑ گیا دل کی دھڑکن یک دم سے دیبھی ہو گئی تھی، اس کا تھا ماہاتھ لرز نے لگا تھا اور ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی ایک پل میں عمامہ کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔“

”ریلیکس عمامہ۔! میں مذاق کر رہا ہوں۔ اس کے کندھے پر ہاتھ اس کی حالت کے پیشے نظر اذہان نے فوراً سے بات بدلی تو عمامہ نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی اپنے حلق میں اتاری تھی وہ چاہ کر بھی اپنی زندگی میں آئی خوشیوں کو کھلے دل سے قبول نہیں کر پار ہی تھی ایک انجانہ سا خوف اس کے دل میں گھر کر گیا تھا۔“



”ہلکے گلابی رنگ کے پیر و کو چھوتی گھیر دار فراک میں ہم رنگ ڈوپٹہ شانوپر ڈالے جس کے کناروں پر گولڈن کلر کی خوبصورت سی لیس لگی تھی لمبے سیاہ سلکی بال کمر پر کھلے چھوڑے لائٹ

سے میک اپ میں کانوں میں چھوٹے چھوٹے سے ٹوپس پہنتی ڈریسنگ ٹیبل کے قد آوار آئینے میں خود پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی کرناک سکیرتے نفی میں سر ہلایا تھا۔“

”اچھی لگ رہی ہوں یا“ چنچ کر لوں؟ خود کو آئینے میں دیکھتے ایک نظر فون میں مصروف عباس کی سمت دیکھ کر پر تجسس انداز میں جاننا چاہا۔“

”جیسی ہو ظاہر ہے ویسی ہی لگ رہی ہو۔! میرے تعریف کرنے سے اب تم مس ورلڈ لگنے سے تور ہی۔! فون کی سکرین او ف کر کے سائیڈ میں رکھتے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا جواب دیا تو سلگ کر رہ گئی۔“

کیا مطلب ہے تمھاری اس بات کا؟۔ کمر پر ہاتھ رکھ کر خفگی سے دریافت کیا۔ تو وہ اٹھ کر سسکی سے چلتے ہوئے اس کے روبرو آ یا سیاہ رنگ کے کڑتے کے کف فولڈ کیے بالوں کو جل سے سیٹ کیے کھڑے نین نقش ہلکی سی بڑھی بیرڈ کے ساتھ چہرے پر سنجیدگی لیے عنایہ کا دل دھڑکا گیا تھا۔“

”میر مطلب ہے تم ایک دم میری.....!!“ کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے قریب کرتے اس کے چہرے پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے گھمبیر لہجے میں کہتے بات ادھوری چھوڑی تو شرم و حیا سے سرخ پڑتی عنایہ نظریں اٹھا کر دیکھا جیسے کہنا چاہتی ہو کیسی؟

”ایک دم میری چڑیل! ذرا جھک کر اس کے گال پر لب رکھتے شوخ انداز میں بولا تو وہ جو اس کے سحر میں مبتلا ہونے لگی تھی اس کی بات سن کر خفا ہوتی کوفت سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ اسے پیچھے دھکیلا تھا۔“

”میں چڑیل! تو تم کون سا کسی ریاست کے شہزادے ہو! تم بھی تو لنگور! نہیں بندر! نہیں جن! ہاں تم بھی کسی جن! سے کم نہیں! تم کیا جانو اپنی نئی نویلی دلہن کی کیسے تعریف کرتے ہیں، جس نے اپنی دلہن کو منہ دیکھائی تک نہ دی ہو وہ تو شکر کرو میرے ماں باپ کا جنھوں نے تم جیسے جن کو اپنی اتنی خوبصورت حسین بیٹی دیدی ورنہ ساری زندگی کنوارے ہی رہ جاتے اور تمھیں.....!! بر جستگی سے اس کی بات قطع کرتے کندھوں سے پکڑ کر دیوار میں پن کرتے جھک کر اس کی چلتی زبان پر کفل لگا گیا اس کی سانسیں خود میں اندھیلنے لگا یہ سب اتنی تیزی سے

ہوا کہ اسے اپنا بچاؤں کرنے کا موقع ہی نہ ملا کچھ ہی دیر میں عنایہ کی حالت دیکھ کر آہستہ سے اسے رہائی بخشی تھی۔“

”یو جنگلی“!!..

”دششش..! بیویاں زیادہ بولتی اچھی نہیں لگتی خاص کر نئی نویلی دلہنیں تو بالکل بھی نہیں..! اس لیے اب ذرا احتیاط سے ورنہ تمہارے لپسٹک کا ٹیسٹ کافی اچھا ہے، پھر مجھ سے شکوانہ کرنا۔ اس پہلے کہ وہ پھر سے شروع ہوتی اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھتے اس کی گہری کالی آنکھوں میں اپنی سیاہ نظریں گاڑھے نفی میں سر ہلاتے معنی خیزی سے بولتے آخر میں خمار آلود لہجے بولا تو عنایہ ایک پل کے لے سہم گئی اس نے عباس کا یہ روپ پہلی مرتبہ دیکھا جس کہ عنایہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔“

”نہیں! نہیں! پیلز!!“ رونامت! میں صرف مذاق کر رہا تھا، میری اتنی مجال کہ میں تمہیں کچھ کہوں۔ اس سے قبل کے وہ روتی عباس نے اپنی ہنسی ضبط کرتے فوراً سے پیشتر وضاحت پیش کی تو ایک بار پھر وہ اپنے پہلے والے روپ واپس آئی تھی۔“

”تم! تمہیں!! تو میں چھوڑو گی نہیں۔ اس کے سینے پر مکے برساتی وہ روہانسی ہوئی تو اس کے چلتے ہاتھوں کو روکنے کی کوشش کی۔“

”بہت برے ہو تم۔! بہت برے۔! مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی پہلے تو تم نے میری منہ دکھائی نہیں دی، اور اب مجھے پر شاوٹ بھی کر رہے ہو۔! میں تمہیں نہیں چھوڑو گی۔ اسی طرح مارتے ہوئے وہ رو دینے کو ہوئی تھی اس کے گرد بازو حائل کرتے اسے پر سکون کرنے کی کوشش کی پر اب وہ کہا اس کی بات سننے والی تھی۔“

”عنایہ! عنایہ! ادھر دیکھو میری طرف بات تو سنو۔! میں مذاق کر رہا تھا صرف تمہیں تنگ کرنے کے لیے، تمہیں لگتا کہ کبھی میں ایسا کر سکتا ہوں۔! تمہارے ساتھ جسے پانے کی خاطر

ساری دنیا سے لڑنے کو تیار ہو گیا کیا میں اسے ہرٹ کرنے کا سوچ بھی سکتا ہوں۔ اس کا چہرہ اپنے ہاتھ کے پیالے میں لیتے عباس نے اس سمجھانے کی کوشش کرتے آخر میں سوال کیا تو عنایہ نے نم پلکیں اٹھا کر نفی میں سر ہلایا عباس نے اس کے ماتھے پر لب رکھے تھے۔

”اور میری منہ دکھائی؟ عنایہ کی سوئی اپنی منہ دکھائی پر ہی اٹک گئی تھی۔“

”ہمم۔! یہاں آؤ اس کی کلائی سے پکڑ کر اسے آئینے کے سامنے لا کر اس کا رخ آئینے کی طرف کرتے خود اس کی پشت پر کھڑا ہو کر سامنے آئینے میں نظر آتے دونوں کے عکس کو ایک نظر دیکھتے جھک کر ڈریسنگ ٹیبل کے ڈرار اسے سرخ رنگ کی خوبصورت سی ڈبی نکال کر ڈرار بند کیا۔“

تم نے سوچا بھی کیسے کے میں تمہاری منہ دکھائی بھول سکتا ہوں۔! جو انسان کبھی تمہاری کوئی معمولی سے معمولی خوشی سیلیبریٹ کرنا نہ بھولا ہو! وہ تمہاری منہ دکھائی بھول جائے گا، ہاں۔! یہ الگ بات ہے کہ اس منہ پر منہ دکھائی بنتی نہیں۔ ہے ڈبی کھول کر اس میں سے ایک

خوبصورت سا پینڈیٹ نکال عنایہ کے گردن کی زینت بنا کر اس کے گرد بازو حائل کر کے اس کے کندھے پر اپنی ٹھوڑی رکھتے محبت بھرے انداز میں کہتے آخر میں شرارت سے بولا تو وہ جو پینڈیٹ کو ستانسی نظرو سے دیکھ رہی تھی اس کی آخری بات پر بگڑتے کہنی مارا سے خود دور کیا جس پر وہ اس کے اس ردے عمل کراہ کر رہ گیا تھا۔

”عنایہ! کی بچی میں تمہیں چھوڑو گا نہیں! پیٹ پر ہاتھ رکھے عباس نے درد سے کراہتے ہوئے بولا۔“

”پہلے پکڑ کر تو دیکھاؤ بند! روانی سے کہتی زبان دانتوں تلے دبا کر ناک سکیر پی تھی۔“

”اب عادت ہے آہستہ آہستہ ہی جائے گی۔ کندھے اچکاتی وہ کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی جبکہ وہ نفی میں سر ہلاتے لبوں پر مسکراہٹ لیے اس کے پیچھے لپکا تھا۔“



”بڑے سے لگتری کمرے کی بالکونی میں کھڑے عمران لغاری کسی فون پر بات کرنے میں مصروف تھے۔“

”میں نے کہہ دیا نہ تم ابھی واپس نہیں آ سکتے، تو پھر کیوں فضول کی بحث کر رہے ہو! سرد تاثرات کے ساتھ بولے۔“

”آپ کے کہنے پر میں یہاں آ گیا تھا، لیکن اب میں آپ کی ایک نہیں سننے والا اب میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا، جب آپ مجھے میری محبت نہیں دلا سکے تو پھر اب مجھے کچھ بھی کہنے کا حق بھی کھو چکے ہیں۔ دوسری طرف سے سپاٹ آواز گونجی تھی جسے سن کر عمران لغاری شذر رہ گئیں۔“

آپ سمجھتے ہیں میں یہاں رہ کر کچھ نہیں کر سکتا تو یہ مغالطہ نکال دیں اپنے زہن سے، اگر میں خاموش ہوں تو صرف اس وجہ سے کہ میں اسے برباد ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں جو میری بربادی کی وجہ بنی، پہلے تو سوچا تھا کہ اس عباس کو ہمارے درمیان سے ہٹا کر اسے اپنا بنا

لو نگا لیکن اب جب وہ میری نہیں ہوئی تو میں بھی اُسے اس عباس کے قابل بھی نہیں چھوڑوگا، اور آپ چاہ کر بھی مجھے روک نہیں پائے گیں۔ سردسپاٹ لہجے میں کہتے ان کی سنے بغیر کال ڈیسکنیک کر گیا جبکہ دوسری طرف عمران صاحب محض اپنے فون کو دیکھ کر رہ گئے تھے جسے اتنے لاڈ پیار سے پالا تھا آج وہی ان کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا ایک لڑکی کی خاطر جو اسے پسند تک نہیں کرتی تھی۔“

”میں نے کہا تھا نا“ نہیں مانے گا اب دیکھ لیں۔ اپنے لاڈ پیار کا نتیجہ کال بند ہوتے ہی ماریہ بیگم جو خاموشی سے باپ بیٹے کی باتیں سن رہی تھی بول پڑی جس پر سخت گیر نظروں سے اسے دیکھ جس پر وہ فوراً سے خاموش ہو گئی۔“

”میرے لاڈ پیار سے نہیں بلکہ یہ سب تمھاری بھتیجیوں کی وجہ سے ہوا ہے، ایک نے میرے بیٹے کو چھوڑ کر کسی اور سے شادی کر لی، دوسری نے اپنی معصوم صورت دیکھا کر میری بیٹی سے اس کی محبت چھین لی۔ تلخی سے طنزیہ انداز میں گویا ہوئے تو مار یہ بیگم متعجب رہ گئی تھی۔“

”یہ بھی سہی کہی اس بات کے لیے بھی مجھے ہی مجروح الزام ٹھہرا دیں آپ، اپنے بچوں کی غلطی کبھی نظر نہیں آئی آپ کو عنایہ عباس کی بچپن سے منگ ہے یہ بات سارے خاندان کو معلوم تھی، پر آپ کے بیٹے کو تو شوق ہے، عباس سے اس کی ہر پسندیدہ چیز کو چھیننے کا، لیکن اس بار وہ یہ بھول گیا کہ عنایہ! کوئی چیز نہیں جو وہ دل بڑا کر کے اسے دیں دیتا، اپنی بیٹی کا تو پوچھیں ہی مت جس کا کوئی دین ایمان ہی نہیں پہلے اُسے عالی چاہیے تھا، اس کے بعد عباس پر دل آگیا عباس سے جان چھوٹی نہیں تھی کہ اب اسے اذہان چاہئیں، ایک بار تو اپنی اس اپاہج بھتیجی کا دل دکھا کر عالی! کو اس کا کرنے کی کوشش کر چکی ہوں، اب بھی اگر تھوڑا پہلے پتا چل جاتا ضرور کچھ نہ کچھ ضرور کرتی، لیکن آپ کے سامنے ہی ہے سب، اور کیا بھروسہ آپ کی بیٹی کا کل کو کوئی اور پسند آ جائے۔“

عمران صاحب کی بات سن کر ماریہ خاصی برہم ہوئی تھی تو عمران صاحب اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔“

”آج ولیمے میں جو کرن کیا نے عمامہ۔! کے ساتھ کیا وہ بھی آپ کو نظر نہیں آیا ہو گا، بھری محفل میں تحقیر و تذلیل کرنے کی کوشش کی وہ تو شکر کریں، کے اس کے شوہر کے آنے سے پہلے میں نے سارا معاملہ سنبھال لیا نہیں ورنہ وہ تو کسی بات کا بھی لحاظ بھی نہ کرتا۔ ماریہ نے اپنی بیٹی کے کارنامے کے بارے میں بتایا تو عمران صاحب کے غصے میں کمی آئی تھی۔“

”میں آپ کو کوئی الزام نہیں دے رہا بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ آپکے بھائی کے بچوں نے صحیح نہیں کیا، اس لیے اب جب میرے بچے پلٹ کر وار کریں گیں تو مجھ سے شکایت نہ کیجیے گا۔ ماریہ کے برہم ہونے پر عمران صاحب لہجے میں لچک آئی تھی۔“

”میں نے پہلے کبھی شکایت کی ہے جواب کروں گی بس آپ بھی اپنے بچوں کو سمجھا دیجئے گا کہ اس بار دوسری جانب سے بھی جوابی کارروائی کے لیے تیار رہے، پھر مجھے نہ کہنا کہ میں آگاہ نہیں کیا۔ ماریہ کروفر سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔“

”آپ مجھے اپنی بھتیجیوں کا ڈروادے رہی ہیں اس سے قبل کے ماریہ وہاں سے نکلتی عمران صاحب نے برجستگی سے سوال کیا۔“

”نہیں وارن کر رہی ہوں۔ جاتے ہوئے رک کر پلٹے بغیر کہتی وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی جبکہ عمران صاحب کسی گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔“



”ولیمے کی تقریب کے بعد ساحل کو کسی کام سے شہر باہر جانا تھا اسی وجہ سے علیزہ ہال سے ہی اجازت لے کر ساحل کے ہمراہ گھر کے لیے پہلے ہی نکل گئی تھی جس وجہ اذہان کو خود ہیسمانوں کو اٹینڈ کرنے ہی مصروف رہا تھا جس کارن اسے عمائمہ کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔“

”گھر واپسی پر بھی سارے راستے عمامہ نے کوئی بات نہ کی خاموش نگاہوں سے باہر دیکھتی رہی اذہان ڈرائیور کرتے ہوئے وقفے سے اس پر نظر ڈال رہا تھا، سلور رنگ کی کام دار مکی میں لائٹ میک کے ساتھ نازک سی جو لری پہنے کالے سلکی بالو کو کرل کر کے آگے کیے وہ کوئی آسمان سے اتری اپسر الگ رہی، مگر وہ جو صبح کچھ بہتر ہوئی تھی اب ایک دم چپ سادھ لی جیسے اس کے اندر کوئی طوفان اٹھ رہا تھا جسے وہ باہر کی ٹھنڈی ہوا سے دبانے کی کوشش کر رہی تھی کرن کے کہے جملے اس کے ذہن میں گونج رہے تھے آنکھوں سے آنسوؤں بہنے کے لیے بے تاب تھے اذہان کی موجودگی کے پیشے نظر وہ اپنے اندر اٹھتے طوفان کو دباتی رہی، انھیں سوچوں میں وہ کب گھر پہنچے خبر ہی نہ ہوئی گاڑی پور ٹیکو میں آکر رکی تھی اذہان نے ایک نظر اپنے ساتھ بیٹھی پری پیکر پر ڈالی جو اسی خاموشی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھی۔“

”ہم گھر پہنچ چکے ہیں مسسز اذہان شاہ! اس کے حنائی ہاتھ پر ہاتھ رکھتی نرمی سے آگاہ کیا تو ہوش کی دنیا میں واپس آتے اس کے جانب گردن گھما کر دیکھا تھا تو نظریں اس کی آنکھوں سے ٹکرائی تھی بڑی شدت سے دل خواہش ابھری تھی کے اس کے سینے سے لگ کر اپنے اندر کے سارے

محرومیوں ساری تلخیاؤں کو تحلیل کر دے مگر بیچ میں انجانے خوف کی دیوار کھڑی تھی جسے گرناس کے بس میں نہیں تھا۔“

”اگر آپ ہمیں یوں ہی دیکھتی رہی تو میں بھول جاؤ گا کہ ہم اپنے بیڈروم میں نہیں گاڑی میں ہیں۔ زرا سا آگے کو جھک کر گھمبیر انداز میں کہہ کر اسے گڑ بڑانے پر مجبور کر گیا تھا۔“

”اگر آپ ہمیں یوں ہی دیکھتی رہی تو میں بھول جاؤ گا کہ ہم اپنے بیڈروم میں نہیں گاڑی میں ہیں۔ زرا سا آگے کو جھک کر گھمبیر انداز میں کہہ کر اسے گڑ بڑا کر نظریں چرانے پر مجبور کر گیا تھا۔“

”آپ کا یو گھبرا کر ہمیں سے نظریں چرانا کہیں ہماری جان نہ لے لے۔ اس کے حنائی ہاتھ کولہوں سے چھوتے نظریں عمامہ کے چہرے پر مرکوز کیے شوخ لہجے بولا تو اسنے شاکی نظروں سے اس کی سمت دیکھا جو آنکھوں میں محبت کا جہاں آباد کیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔“

”اذہان اندر چلیں! میں بہت تھک گئی ہوں۔ اسکے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نامحسوس طریقے سے چھڑاتے اس کے لہجے میں صدیوں کی تھکن تھی جس پر وہ اثبات میں سر ہلاتا گاڑی سے اتر کر اس کی سائیڈ پر آیا تھا۔“

”میری وہیل چیئر نکالنا بھول گئے ہیں آپ! اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولتے دیکھ عمامہ جیسے یاد دلاتا اذہان زیرے لب مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔“

”نہیں جان میں بھولا نہیں! نہ ہی میں تم سے وابستہ کوئی چیز کبھی بھول سکتا ہوں! لیکن ابھی میرے ہوتے تمہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ متانت سے کہتے ہوئے دو قدم آگے بڑھا کر قریب ہوا تو عمامہ کی دل کی دھڑکن منتشر ہوئی تھی۔“

”لیکن!! عمامہ نے کچھ کہنے کو لب دیکھے تھے کہ اس کے کچھ کہنے سے قبل وہ اسے اپنی بانہوں میں اٹھا چکا تھا اس غیر متوقع عمل پر وہ اپنی بے قابو ہوتیں دھڑکن اور اذہان کی قربت

سے خائف ہوتی اسکی گردن کے گرد بازو حائل کرتی سینے میں منہ چھپا گئی تھی جس پر اذہان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔“

جان میں بند بشر ہو آپ کی ان اداؤں سے بہک بھی سکتا ہوں کان کی لو کو لبوں سے چھوتے گھمبیر لہجے میں سرگوشی کرتے اس کے حواس سلب کر گیا تو وہ اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑتے اپنی آنکھیں سختی سے میچ گئی وہ جو خود پر ضبط کیے اپنے آنسوؤں پر بند باندھے تھی اس کے سینے سے لگتے ضبط کی ساری طنابیں ٹوٹی چلی گئی۔“

”کمرے میں داخل ہوتے پاؤں سے دروازہ بند کرتے آہستہ سے چلتے ہوئے اسے صوفے پر بیٹھایا تھا پر وہ اب بھی اس طرح اس کے سینے سے لگی سسکیوں سے رودی تو اس کے پہلوں میں بیٹھ کر بنا کسی سوال جواب کے اس کے گرد بازو حائل کرتے وہ اسے خود میں بھنچ گیا تھا کتنی ہی دیر وہ اس کے سینے سے لگی یونہی روتی رہی تو اذہان نے بھی بنا کسی سوال کے خاموشی سے اسے رونے دیا تھا۔“

”کافی دیر رونے کے بعد جب اس کے دل کا بوجھ کچھ کم ہوا تو وہ دھیرے سے اسے الگ ہوئی رونے کے باعث کا جل پھیل گیا تھا اور ناک سرخ ہو گئی تھی مگر نظریں اب بھی جھکی ہوئیں تھیں۔“

”اب ٹھیک ہو۔! نرمی سے آنسو صاف کرتے ہوئے دریافت کیا۔“

”ہمم.....!! رندھی ہوئی آواز میں بس اتنا ہی کہہ پائی تھی۔“

”پانی...!!“ سامنے ٹیبل پر رکھ رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈھیل کر اس کی اور بڑھایا تو وہ جھکی ہوئی نظروں سے نفی میں سر ہلا گئی تھی۔“

”عمائمہ..! بلی کو دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے حقیقت بدل نہیں جاتی، اس لیے کسی کی باتوں سے ڈر کر آنکھیں بند کرنے سے بہتر ہوتا ہے اپنے ڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس بتایا جائے آپ کمزور نہیں تم جتنا ڈرو گی لوگ اتنا ہی ڈرائے گیس جس دن تم نے ڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے ڈر سے لڑنا سیکھ جاؤ گی اور بتاؤ گی کہ تم کمزور نہیں، تم دیکھنا

لوگ خود تمہیں ڈرانے پر خوف محسوس کرے گیں۔ گلاس واپس ٹیبل پر رکھتے اسے اپنے سینے سے لگاتے متانت بولا تو اذہان کی کہیں باتیں سن عمامہ نے اچنبھے سے اس کی اور ایسے دیکھا جیسے اس نے کرن کی اور اس کی باتیں سن لی ہو۔“

”تم تھک گئی ہو میں تمہارے کپڑے نکال دیتا ہوں، تم چنچ کر لوجب تک میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے کر آتا ہوں۔ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے وہ آرام سے بات بدلتے اس کے ڈوٹے کو پینو سے آزاد کرنے لگا۔“

”مجھے کھانا نہیں کھانا، بس! دونیند کی گولیاں لادیں میں سونا چاہتی ہوں میرا سر درد سے پھٹ جائے گا یہ سوچیں مجھے پاگل کر دیں گی۔ کربناک لہجے میں بولی تو وہ جو پورے انمہاک سے اس کی جو لری اتر رہا تھا اس کی بات سن کر متعجب نظروں سے اس کی اور دیکھا جو دھڑلے سے نیند کی گولی نہیں گولیاں مانگ رہی تھی۔“

”تم چینیج کر لو میں آتا ہوں۔! اور خبردار جو فضول کی سوچوں کو اپنے سر پر سوار کیا دس منٹ ہیں تمہارے پاس میرے واپس آنے تک اگر تم نے چینیج نہ کیا تو یہ نیک کام باذاتے خود سرانجام دینے میں مجھے کوئی دکت پیش نہیں آئے گی البتہ تمہیں اعتراض ضرور ہو سکتا ہے۔ اس کی بات کو قطع نظر کرتے اٹھ کر جو لری ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر وارڈروب سے بلیک کلر کاسلک کا نائٹ ڈریس نکال کر اس کی اور بڑھایا اس کا انداز معنی خیز تھا جس پر وہ ساکت رہ گئی تھی۔“

”اپنے کہے کہ کے مطابق دس منٹ میں ہاتھ میں ٹرے پکڑے کمرے میں داخل ہوا تو حسبِ توقع اس کی دی گئی دھمکی کا رآمد ثابت ہوئی تھی جس پر اذہان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔“

”اذہان۔! مجھے سچ میں بھوک نہیں۔! ٹیبل پر کھانے کی ٹرے رکھ کر اس کی اور بڑھا جو ڈریسنگ کے سامنے اپنے بالو کو بے دردی سے مروڑ کر جوڑا بنا رہی تھی۔“

پہلے ہی سر میں درد اس پر اگر تم اپنے بالو پر اس طرح ظلم کرو گی تو نیند کی گولیاں بھی اثر نہیں کرے گی۔ بالوں کو جوڑے سے آزاد کرتے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی کرتے اس اپنی بانہوں میں اٹھا کر صوفے پر لایا۔“

”میں سچ کہہ رہی“!!....

”میں نے کب کہا تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔! تمہیں بھوک نہیں لیکن مجھے تو لگی ہے تم کیا میرا ساتھ بھی نہیں دو گی۔؟ سینڈوچ اس کی منہ کے سامنے کرتے ہوئے انداز محبت بھرا تھا۔ عمامہ حیرت سے ایک نظر سینڈوچ کو دیکھ کر اس کی اور دیکھا۔“

”بھوک آپ کو لگی ہے تو آپ مجھے کیوں کھلا رہے ہیں؟۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر متعجب نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو اذہان کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔“

”گڈ کوشن مسسز اذہان! مطلب کہ بیوٹی کے ساتھ یہاں برین بھی ہے مجھے تو لگایہ خالی ہے؟ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کے دماغ کی طرف اشارہ کرتے اٹھا سوال کیا۔ عمامہ اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آیا اس نے اس کی تعریف کی ہے یا طنز۔“

”زیادہ زور نہ دواپنے اس چھوٹے سے دماغ پر۔ ایک بر پھر اذہان نے سینڈ وچ اس کی طرف بڑھاتے ہلکے پھلکے انداز میں گویا ہوا۔“

”میرا دل نہیں چاہ رہا آپ کھالیں؟۔ نظریں جھکا کر بے دلی سے انکار کیا۔“

”میرے لیے پلیز...!! محبت بھرے انداز میں اصرار کیا تو وہ انکار نہ کر پائی بے دلی سے اس کے ہاتھ سے ایک بانٹ لیتی زہر مار کرتے حلق سے اتارا۔“

”گڈ گرل!!! سینڈ وچ کی بانٹ لیتے نظریں بنوزے عمامہ کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔“

”اذہان! میں نے کچھ کہا تھا آپ سے میرے سر میں بہت درد ہو رہی ہے۔ خود کھانے بہانے عمامہ کو سارے اسنیڈ وچ کھلا کر وہ اٹھنے لگا تھا کہ عمامہ نے اس کا ہاتھ پکڑ دھیمے لہجے میں دریافت کیا۔“

”ریکس جان! اس کا بھی حل کرتا ہوں! بس دو منٹ دو، میں چینج کر لوں! نرمی سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اذہان نے تسلی دی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔“

”تھوڑی دیر بعد اذہان چینج کرنے کے بعد واپس آیا تو سمٹ کر صوفے کی پشت پر سر ٹیکائے ایک ہاتھ کی دو انگلیوں سے اپنے ماتھے کو رب کرتی اپنے سر کا درد کرنے کی کوشش کرتی بلیک نائٹ ڈریس موم کی گڑیا لگ رہی تھی کمرے کی مدھم روشنی میں بھی اس کی دودھیارنگت چاندی کی مانند دمک رہی تھی جبکہ چہرے پر چھائی افسردگی اس کے دل کا حوال بیان کر رہی تھی۔“

”طبعیت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلیں۔!!۔ اس کے پاس بیٹھتے استفہامیاں انداز میں گویا ہوا تو وہ جواب دے اندر چل رہی جنگ سے لڑ رہی تھی اس کی آواز پر چونکہ کر عمامہ نے اپنی آنکھیں کھولی جو آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔“

”ایک دن کی بات ہو تو آپ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں، لیکن میرے لیے تو یہ معمول کی بات اور اس کا علاج صرف نیند کی گولیاں ہی ہیں۔ سیدھی ہو کر بیٹھتے اپنا مسئلہ سے آگاہ کیا تھا۔“

”یہ علاج نہیں وقتی دوا ہے اگر یہ سچ میں علاج ہوتا.....!!“ ”کب سے کھا رہی ہو یہ گولیاں؟؟ کچھ کہتے کہتے یکدم رک کر گولیاں پر زور دیتے سوال کیا۔“

”دو سال.....!!“ نظریں جھکا کر مختصر جواب دیا۔“

”بہت اچھی بات ہے، مجھے تو پتا ہی نہیں تھا میری پاگل بیوی نشئی بھی ہے۔ حکمی سے خفگی کے ساتھ طنز کیا تھا اثر مندگی سے نظریں جھکا گئی تھی۔“

”میرا ارادہ! تمہیں شرمندہ کرنے کا ہر گز نہیں لیکن میں تمہیں یو پیل پل مرتا بھی نہیں دیکھ سکتا، میں تو خود تمہیں دیکھ کر جیتا ہوں، اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو سوچا ہے میرا کیا ہوگا، میں تو جیتی جی مر جاؤں گا عمامہ۔!۔ اس کی جھکی پلکیں دیکھ کر بناواذیت سے بولا تو اس کے لہجے کی تڑپ دیکھ وہ شذر رہ گئی تھی۔“

”پلیز اذہان۔! آپ ایسی باتیں نہ کریں میں پہلے ہی بہت تکلیف میں ہوں ایسی باتیں کر کے میری تکلیف میں اضافہ تو مت کریں۔! میں جانتی ہوں کہ آپ کی مجھ سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں، میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں آپ کی کسی توقع.....!!“

”بس۔! عمامہ بس۔! تم مجھے اتنا گراہوا سمجھتی ہو کہ میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لیے یہ سب کہہ رہا ہوں۔ اس کی بات قطع کرتے بے یقینی سے سوال کرتے برجستگی سے اپنی جگہ سے اٹھاتا تھا۔ تو عمامہ کو اپنے کہے الفاظ پر پشیمان ہوئی پر اب شاید دیر ہو چکی تھی۔“

”اذہان! میرا وہ مطلب نہیں تھا“ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ اس قبل کے وہاں سے جاتا عمامہ نے فوراً سے اس کا ہاتھ پکڑ کر وضاحت دینی چاہی۔“

”شاید تم صحیح کہہ رہی ہو! میں ہی غلط ہوں جو تمہارے ساتھ جینے کی تمنا لیے بیٹھا ہوں! اور تمہیں بھی جینے کے لیے مجبور کر رہا ہوں لیکن میں بھول گیا تھا کہ کسی ہم کسی کو زبردستی اپنی زندگی میں تو شامل کر سکتے ہیں پر جینے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے، اب ایسا نہیں ہوگا تمہیں ان تکلیفوں سے نجات چاہیے نہ تو ٹھیک ہے، پھر میں آج تمہیں ساری مجبوریوں سے آزاد کرتا ہوں۔ اس کے ہاتھ سے اپنا چھڑاتے سرد سنجیدہ انداز میں کہتے عمامہ کے اوسان خطا کر گیا تھا۔“



”یہ متوسط طبقے کے علاقے میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رات کا منظر تھا جس کے دروازے پر کھڑے دو نفوس میں سے ایک کافی خفا سا نظر آ رہا تھا جبکہ دوسرا اپنی پاکٹ سے چابی نکال کر دروازے کا لوک کھول کر اسے اندر آنے کا کہہ رہا تھا۔“

”جب آپ کو کوئی کام تھا ہی نہیں تو پھر آپ جھوٹ کہہ کر مجھے وہاں سے لے کر کیوں آئے؟ آپ کے کارن مجھے اپنے بھائی کے ولیمے کی تقریب چھوڑ کر آنا پڑا۔ داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہاتھ میں پکڑا بیگ ٹیبل پر پھینکنے کے انداز میں پھینکتے خود صوفے پر دھڑام سے گری تھی۔“

”علیزہ! کتنی بار بتاؤ مجھے یہ سب کرنے کے لیے اذہان! نے کہا تھا مجھے خود بھی اچھا نہیں لگا اسے یو بھری محفل میں تنہا چھوڑ کر آنا لیکن تم جانتی تو ہو اپنے بھائی کو۔ اس کے پیچھے ہی آتے کا دروازہ اندر سے لوک کرنے کے بعد مہم انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتے اس کے پاس بیٹھا تھا۔“

”بھائی! کو تو میں اچھی طرح سے جانتی ہوں! اور آپ کو بھی جانتی ہوں! لیکن آپ دونوں نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ، اگر بھائی نے کہا ہی تھا تو آپ مجھے یہاں ایک انجان فلیٹ پر لانے کے بجائے اپنے گھریا پھر میرے گھر ہی لیجاتے بھابھی! کیا سوچیں گی۔ اس سے منہ موڑتے علیزہ کی ناراضگی میں ذرا کمی نہ آئی تھی۔“

”جب تم ہم دونوں کو جانتی ہو۔! تو یہ بھی جانتی ہونا“ ہم کبھی تمہارے لیے کچھ غلط نہیں سوچ سکتے۔ اس کا رخ اپنی جانب کرتے ساحل نے مستحکم انداز میں سوال کیا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔“

”لیکن۔! اس کچھ کہنا چاہا پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گئی۔“

”موم۔! ڈیڈ۔! واپس چلے گئے ہیں اب ہم اب کچھ دن یہی رہیں گیں۔! اور تم اپنے بھائی بھابھی یا عنایہ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کرو گی، بلکہ تم یہ فون ہی استعمال نہیں کرو گی۔ اپنے آگے کالائٹ عمل آگاہ کرتے تاکید کی تو وہ جو پہلے ہی اس سب سے پریشان تھی یہ سب سن کر دھل کر رہ گئی تھی۔“

”اذہان...!!! آپ ہوش میں تو ہیں۔! جانتے بھی کیا کہہ رہیں ہیں آپ؟ بے یقینی سے کہتی اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑتے کھڑے ہونے کی کوشش کی تھی اذہان کی بات سن کر اسے اپنے سارے خدشات اور کرن کی کہی باتیں درست ثابت ہوتی دیکھائی دے رہے تھے۔“

”ہاں میں ہوش میں ہوتی تھیں مجھ سے آزادی چاہی نا.....!!“ اس کی بات مکمل ہونے سے قبل عمامہ بمشکل اس کے روبرو کھڑی ہوتی اس کے لبوں پر ہاتھ رکھتی بھیگی آنکھوں سے نفی میں سر ہلا گئی تھی۔“

”میں مرجاؤں گی، اگر آپ نے ایسا کچھ کرنا تو درکنار سوچا بھی تو! اسکی آنکھوں میں دیکھتے بے بسی کی انتہا پر تھی اذہان کو کھودینے کے خوف سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔“

”ابھی تو میرے ہاتھوں کی مہندی کارنگ بھی پھیکا نہیں پڑا! ابھی تو میں نے آپ کو لے کر خواب دیکھنے بھی شروع نہیں کیے اس ڈر سے کہ کہیں لوگوں کی کہی باتیں سچ نہ ہو جائے! ابھی تو میں نے آپ کی محبت کے رنگ ان آنکھوں میں سجانے بھی شروع نہیں کیے، اور آپ مجھ سے یہ سارے رنگ چھیننا چاہتے ہیں؟ مجھے زندہ درگور کرنا چاہتے ہیں؟ چھوڑنا چاہتے ہیں؟ بس یہی تھی آپ کی محبت اتنی جلد دل بھر گیا مجھ سے۔ اس کے کالر کو مٹھائیوں میں دبوتے آنسوؤں کا سمندر لیے بے بسی افیت درد کو فت لیے ایک ساتھ کئی سوال کرتی اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔“

”کس نے کہا تم سے کہ میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔! یا“ میرا دل بھر گیا ہے۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے سہارا دیتے دوسرے ہاتھ سے اس کی آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے اپنی حیرت کو الفاظ دیے۔“

”ابھی آپ نے ہی تو کہا آپ مجھے آزاد...!! ذرا سہرا اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہتی آخر میں دانستہ طور پر بات ادھوری چھوڑی تھی۔ اس کی بات سن کر اذہان کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور اسے اپنی بیوی کی معصومیت پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔“

”سچ ہی کہتا ہوں۔! میری بیوی سچ میں پاگل ہے۔! اور تھوڑی بہت نہیں پوری کی پاگل۔! اب بھلا اس پاگل کو کون بتائے کہ جسے اتنے لمبے انتظار کے بعد حاصل کیا ہو اس یو ذرا سی بات پر چھوڑا نہیں کرتے۔ اس کے گال پر ایک ہاتھ رکھے اسکے ماتھے سے اپنا اپنا ماتھا ٹکاتے ذرا سے شوخ و گھمبیر لہجے گویا ہوا تو اس کی اس قربت پر عمامہ دھڑکنیں تیز ہوئی تھی۔“

”ابھی جو آپ مجھے ان تکلیفوں سے آزاد کرنے کا کہہ رہے تھے پھر وہ کیا تھا۔ اس کے سینے پر ہاتھ رکھے فاصلہ بڑھانے کی سعی کرتی شکوہ کن نظروں سے دیکھتے ہوئے جاننا چاہتا تو سہارے کے لیے اس کی کمر پر رکھے ہاتھ سے اس کی کوشش کو ناکام کرتے اس اپنے اور قریب کر گیا تھا۔“

”مجھ سے آزادی تو اب بس ایک ہی صورت میں میسر ہو سکتی ہے مسسز اذہان شاہ! اور وہ ہے میری موت.....!! اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے گھمبیر لہجے میں بولا، اذہان کی بات سن کر وہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔“

”خبردار! جو آپ نے دوبارہ کبھی مرنے کی بات تو کیا سوچا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہونگا! اور یہ کیا آپ بات بات پر کبھی گن نکال لیتے کبھی مرنے کی بات کرتے ہیں! آپ جیسے جواں مرد کے منہ سے اس طرح کی بزدلی کی باتیں شو بھا نہیں دیتی یہ سب صرف میں کہہ سکتی ہوں۔ پورے استحکام کے ساتھ اس کے لبوں پر ہاتھ رکھے بر ملا خفگی کا اظہار کرتے وہ سیدھا اس کے دل میں اتر رہی تھی اسکا یو اس پر حق جتنا اذہان کے دل کو بھا گیا تھا اور خاموشی سے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کیے اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔“

”اب اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں؟ وہ جو گہری نظروں سے اس دیکھ رہا تھا اس کی نظروں سے خائف ہوتے برہمی سے استفسار کیا۔“

”دیکھ رہا ہوں کہ تم بولتی ہوئی کتنی پیاری لگتی ہو تو پھر اس طرح خاموش رہنے کا کوئی خاص کارن! اس کے ہاتھ کولبوں سے چھوتے ذرا سا جھک کر معنی خیز لہجے میں سرگوشی کرتے وہ اس کی روح فنا کر گیا اس پر اس کی نرم گرم سانسوں کی تپش عمامہ کو حواس باختہ کر گئے جس پر اس نے فوراً سے اپنی پلکوں کی جھالر گرا دی تھی چہرے پر حیا کے رنگ بکھرے تھے“

تم تو شرماتی بھی ہو؟ اس کی یو شرم سے جھکی نظروں کو دیکھ اذہان ٹھوڑی پکڑ اس کا چہرہ اوپر کرتے جزبات سے چور لہجے میں استفسار کیا تو اس کی جھکی پلکیں مزید جھک گئی تھی اس کی قربت پر وہ پوری طرح تھر تھرا گئی جس پر اذہان نے اپنے منہ زور جزبات کی طنابیں کھینچتے جھک کر اسے اپنی بانہوں میں اٹھایا تھا۔“

”ویسے تو ابھی تمہیں آشفستگی دیکھانا نہیں چاہتا، کیونکہ ابھی تم میری فریفتگی سہ نہیں پاؤ گی، لیکن اگر تم مجھے اس طرح بہکاؤ گی تو زیادہ دیر تک میں خود کو روک نہیں پاؤں گا۔ اس کے کان میں سرگوشی نما کہتے اسے بانہوں میں اٹھائے متواتر رفتار سے چلتے بالکونی میں لا کر سونگ جھولے پر بیٹھاتے اس کی بنوزے جھکی پلکیں پر لب رکھے تھے اس کے لمس کو محسوس کرتے پاگل ہوتی دل کی دھڑکنیں پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو تھی۔“

”آپ مجھے یہاں کیوں لائیں؟ دھیرے سے آنکھیں کھولی تو خود کو بالکونی کے جھولے میں دیکھ رات کی سیاہی میں چودویں کا چاند پوری آب و تاب سے ان پر اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا ہولے ہولے سے چلتی ہو ان دونوں کو چھو کر گزر رہی تھی۔“

”تمازا ہوا میں تارے گننے کے واسطے لایا ہوں اب تمہیں نیند گولی مطلب گولیاں کھائے بغیر آنی نہیں اور میں جانتے بھوجتے تمہیں اپنے ہاتھوں سے زہر نہیں دے سکتا، تو سوچا یہاں بیٹھ کر ڈھیر ساری باتیں کرتے ہیں ایک دوسرے کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ شروع میں طنز

کرتے اس کے پہلوں میں لیٹنے کے انداز میں بیٹھ کر پشت پر سر ٹکاتے ایک ہاتھ فولڈ کیے اپنے سر کے نیچے رکھتے نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھی۔“

”کب تک جاگیں گی میری خاطر؟ ایک نظر اس کی سمت دیکھ کر استفہامیاں انداز میں گویا ہوئی۔“

”پوری زندگی! اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خود پر گراتے شریر لہجے مگر سنجیدہ انداز میں بولا تو اس کی اس حرکت پر بھونچک کر رہ گئی تھی۔“

”یہ کیا کر رہے ہیں؟ اس کی قربت سے گھبرا کر فوراً سے اٹھنے کی سعی کرتے منمنائی۔“

”ریلکس جان! ایسا ویسا کچھ نہیں کر رہا تمہارا شوہر بہت ہی شریف و نفس واقع ہوا ہے، اس

لیے تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ شریر شوخ انداز میں کہتے اس کے گرد بازو حائل

کرتے اسے اپنے سینے سے لگاتے اسکے بالوں پر لب رکھ گیا تو وہ بھی اس کے سینے سے لگی اپنے

اندر عجیب سا سکون اترتا ہوا محسوس ہوا تھا۔“

”اذہان! آپ تھک گئے ہونگے، اگر چاہے تو آرام کر لیں مجھے تو عادت ہے جاگنے کی۔ کچھ دیر تک یو نہی اس کے سینے سے لگے اس کی دل کی دھڑکن کو سنتی ذرا سا سر اٹھا کر پیشکش کرتے ہوئے اطلاع دی۔ محبت پاش نظروں سے دیکھتے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔“

”ایک بات پوچھوں؟ اسی طرح اس کے سینے سے لگے دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔ ٹھنڈی ہوا جھونکے ہوئے ہولے سے ان کو چھو کر فضا میں خنکی بڑھا رہی تھی۔“

”ایک چھوڑ ہزار پوچھو! محبت بھرے انداز اجازت دی گئی۔“

”آپ ہمیشہ مجھ سے ایسے ہی محبت کریں گیں؟ کچھ سوچتے ہوئے عمامہ نے سوال کیا۔“

”کیوں تمہیں کوئی شک ہے!۔“

”نہیں! لیکن مجھے لگتا ہے آپ مجھ سے نہیں میرے اس چہرے سے محبت کرتے جو آپ کے تصورات آپ کے خیالات کا عکاسی کرتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ایک شکل کے سات انسان دنیا میں ہوتے ہیں، اگر میری جگہ آپ کو کوئی مکمل لڑکی مل جاتی تو آپ اس سے بھی اتنی ہی محبت

کرتے جتنی مجھ سے کرتے ہیں۔ کسی خدشے کے پیشے نظر عمامہ نے اپنے اندر کے خدشات کو زبان تک لانے کی ہمت کی تھی۔“

”ہاؤنٹر سٹیگ۔! ایک ہی شکل کے سات لوگ اور مجھے ایک ہی ڈھونڈنے میں اتنا وقت لگ گیا“!!!.....

وہ بھی ادھوری اور ناکارہ اس کی بات پوری ہونے سے قبل عمامہ نے مایوسی بات مکمل کی۔“

”ایک منٹ۔! تم سے کس نے کہا کہ تم ادھوری یا ناکارہ ہو۔ اذہان کو اس کا خود کو ناکارہ کہنا پسند نہیں آیا تھا ایک دم اٹھ کر بیٹھا تھا

”اللہ پاک کی بنائی کوئی بھی چیز حتیٰ ایک معمولی نظر آنے والی چیونٹی بھی نہ تو ادھوری ہے نہ بیکار۔! ہم انسانوں کو تو خدا نے اشرف المخلوقات بنایا ہے پھر تم کیسے خدا کی بنائی چیز میں نقص نکال سکتی ہو۔! رسان سے سمجھاتے آخر میں سنجیدہ انداز میں استفسار کیا۔“

آپ غلط سمجھ رہے ہیں میرا مطلب خدا کی کی بنائی چیز میں نقص نکالنا ہر گز نہیں ہے۔ عمامہ نے فوراً سے وضاحت پیش کرنی چاہی۔“

”مان لیا تمہارا ایسا کوئی ارادہ نہیں لیکن پھر بھی اس طرح خود کو کسی سے کم تر سمجھوں یہ اچھی بات نہیں عمامہ۔! کیا تم نے وہ آیت نہیں پڑھی؟ تا سَف سے کہتے سوال کیا سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جیسے جاننا چاہتی ہو۔

وَصَوِّرْ كُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ

اور اُس نے تمہاری صورت بنائی اور کیا ہی خوبصورت بنائی۔ مستحکم انداز میں آیت پڑھ کر سنائی تو عمامہ نے پشیمانی سے نظریں جھکالی تھی۔

”اب میں تم سے کچھ پوچھوں تو تم مجھے اس کا سچ سچ جواب دو گی۔ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔“

”جی...!!“ یک لفظی جواب آیا۔

”صرف اس وجہ سے کہ تم چل نہیں سکتی! تمہیں لگتا ہے کہ تم ادھوری یا پھر بیکار ہو۔؟ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے متانت سے سوال کیا تو وہ نظریں جھکائی گویا ایسا ہی تھا۔

”اگر تم اپنے پیروں پر چل سکتی، دوڑ سکتی، لیکن دیکھ نہ سکتی تو۔؟ یا پھر سننے یا بولنے کی صلاحیت نہ ہوتی تمہارے پاس۔؟ یا پھر یہ سب بھی ہوتا پر تمہارا دماغ ہی کام نہ کرتا تمہارے پاس سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ ہوتی؟ ویسے تو وہ اب بھی کم ہی کام کرتا مگر تم نے کبھی ذہنی مفلوج انسان دیکھے ہیں۔؟ ان کے ہاتھ پاؤ تو سلامت ہوتے ہیں۔؟ لیکن پھر بھی ان کے گھر والے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھتے ہیں کبھی کسی مجبوری کے تحت تو کبھی اس سے تنگ ہو کر، کبھی انہیں کی زندگی کو ہی انہیں سے خطرہ لاحق ہوتا ہے وہ نہ خود کو پہچانتے ہیں نہ ہی اپنے ماں باپ کو پہچانتے ہیں ایک پل کے لیے ذرا مجھے یا، خود کو ان کی جگہ رکھ کر دیکھوں تو تمہیں انداز ہو گا کہ ہم ان سے لاکھ درجے بہتر ہیں۔ اذہان نے رسان سے کہتے آخر میں استفہامیاں انداز میں پے درپے کئی سوال کرتے خود کو بھی اس کی جگہ رکھ کر جاننا چاہا تو لحظ بھر کو عمامہ لاجواب ہو گئی تھی۔“

”ادھر دیکھو میری طرف تمہیں لگتا کے میں پر فیکٹ ہو مجھے میں کوئی کمی نہیں؟ اگر تم ایسا سوچتی ہو تو یہ بھی غلط ہے مجھ بھی بہت سی خامیاں ہیں۔! بہت سی کمیاں ہیں۔! یہاں کوئی بھی پر فیکٹ نہیں پر فیکٹ صرف خدا کی ذات ہے انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھتے ہوئے بولا خاموشی سے اس کی اور دیکھ گئی کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر۔“

”بس بات اتنی سی ہے کہ کسی کی خامیاں ظاہر ہو جاتی ہیں اور انہی کو سچ سمجھ کر ہمت ہار جاتے ہیں اپنے اندر چھپی خوبیوں تلاش ہی نہیں کرتے جینا چھوڑ دیتے ہیں، اور کوئی اپنی خامیوں سے لڑ کر اپنے اندر چھپی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے خدا پر پختہ یقین رکھتے ہوئے جیتے ہیں اپنی مشکلوں سے لڑتے ہیں۔! اور اپنے آپ کو دنیا کے سامنے منواتے ہیں، یہ زندگی خدا کی طرف سے دی گئی بہت بڑی نعمت ہے، خدا کا عطا کردہ تحفہ جس پر ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا ہے نہ کہ ناشکری کر کے خدا کو ناراض کرنا ہے۔ اذہان نے اسے دیکھتے ہوئے بہت ہی نرمی سے اپنی بات مکمل کی تو عمامہ کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔“

”اذہان! پلیز مجھے معاف کر دیں مجھے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اس کے سینے سے لگتے وہ رو دینے کو ہوئی تھی۔“

مجھ سے نہیں الٹا سے معافی مانگو پاگل لڑکی اس کے گرد بازو حائل کرتے واپس لیٹتے ہوئے پیار سے اس کی ناک کھنچی تھی

آہہ! اپنی ناک مسلی تھی“

”ویسے تم جو کہہ رہی تھی ایک شکل کے سات لوگ ہوتے ہیں کیا وہ سچ ہے؟ شریر انداز میں سوال کرتے ماحول میں چھائی سنجیدگی کو زائل کرنے کی کوشش کی۔“

”کیوں!!“ پر تجسس نظرو سے سراٹھا کر اس کی اور دیکھا

”میں سوچ رہا تھا کیوں نہ کل سے ان کی تلاش شروع کر دوں! وہ کہتے ہیں ناپیار بانٹنے سے بڑھتا ہے، تو ابھی تم ایک ہو تو تم سے اتنا پیار کرتا ہوں! تو سوچو ذرا جب سات ہو گی تو کتنا پیار

ہوگا....!!!! اپنی ہنسی دباتے بظاہر سنجیدگی سے گویا ہوا عمامہ نے شاکڈ نظروں سے سراٹھا کر اسے دیکھا تھا۔“

اگر آپ نے ایسا کیا تو جان لے لوگی۔ اس کے سینے پر پورے استحقاق سے حق جماتے سرد لہجے میں کہا تو اذہان کو اس کا یو حق جمانا چھا لگا تھا۔

اپنی۔! اس کے گرد گہرا تنگ کرتے کریدا

”نہیں۔! اُس کی جسے آپ ڈھونڈیں گے۔ اس انداز میں کہتے آنکھیں موند گئی تو اذہان کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔“

اذہان کی بانہوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے کب وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی اسے اندازہ بھی نہ ہوا ”دور آسمان میں چاند اپنی چاندنی ان پر بکھرتا دونوں کو ایک دوسرے کی پناہوں میں سکون کی نیند سوتے دیکھ مسکرا رہا تھا۔“



”بیٹوں کو بیاہنے کے بعد خالی گھر کھانے کو آ رہا تھا کہاں ہر وقت کبھی عنایہ تو کبھی عمامہ خود میں الجھائے رکھتی تھی، اب ان کے جانے کے بعد تو جیسے سارے کام ہی ختم ہو گئے تھیں، لان میں بیٹھی شہلا بیگم اپنی بیٹیوں کے بابت سوچتے آبدیدہ ہوئی لیکن دل میں سکون بھی تھا کہ دونوں اپنے گھر میں خوش تھی۔“

”سوچا تھا کہ عنایہ کی شادی کے بعد پوری توجہ پیار جواب تک عمامہ کو نہ دے سکی جسکے باعث عمامہ کی شخصیت میں خلا پیدا ہو گیا تھا اسے دور کرنے کی اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کروں گی، لیکن یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ اس طرح اچانک اس کی بھی شادی کرنی پڑے گی اور اپنی کی غلطیوں کا ازالہ کرنے موقع ہی نہیں ملے گا انسان جو سوچتا ہے ہوتا ہمیشہ اس کے برعکس ہی ہے، انہیں سوچوں میں پراگندہ وہ کہی دور جان لگی تھی۔“

”اکیلی بیٹھی کن سوچوں میں گم ہیں بیگم صاحبہ! کندھوں پر ہاتھ رکھتے محبت بھرے انداز میں استفسار کیا تو وہ جو اپنی ہی دھن میں مگن تھی یک دم سے چونکی۔“

”آپ...! آپ کب آئے۔ اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھے شہلا بیگم نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا۔“

”جب آپ ہمارے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے اسی انداز میں جواب دیا۔“

”آپ کو کب سے یہ خوش فہمی لاحق ہونے لگی۔ خود کمپوز کرتی طنزیہ انداز گویا ہوئی تو آریز صاحب کا بے ساختہ قہقہہ چھوٹ گیا تھا۔“

”اس میں اتنا ہسنی کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ خفگی سے کہتے شکوا کن نظروں سے دیکھتے نظریں پھیر گئی۔“

”اچھا! تو پھر کیا مجھے برا منانا چاہیے کہ آپ ہمارے بارے میں نہیں سوچ رہی۔ ٹھوڑی سے پکڑ اپنی اور کرتے ہوئے محبت بھرے انداز کریدا۔“

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ! آیاز صاحب کا ہاتھ جھٹکتی کوفت حیا کے باعث نجل ہوئی۔ تو ایک مہم مسکراہٹ نے آیاز صاحب کے چہرے کا احاطہ کیا۔“

”آپ تو آج بھی شرماتی ہمیں تو اندازہ ہی نہیں تھا۔ شہلا بیگم کے شرم سے سرخ پڑتی رنگت کو دیکھ میٹھا طنزہ کیا تو جھنپ کر رہ گئی پراگل ہی پل وہ خود کو سنبھال گئی تھی“

”یہ سب چھوڑیں! یہ بتائیں آپ اتنی جلدی آج کیسے آگئیں۔ شہلا بیگم نے فوراً سے بات بدلی تھی۔“

”بس دل ہی نہیں لگ رہا تھا کسی بھی کام میں تو سوچا گھر چل کر آرام کر لوں، لیکن جب گھر پہنچ تو آپ کو اس طرح خیالوں میں گم دیکھ کر خیال آیا کیوں نہ آپ تنگ کیا جائے۔ کرسی کی پشت پر ٹیک لگاتے تفصیلی جواب دیا۔“

”تو آپ ہمیں تنگ کر رہے تھے شہلا نے خفگی سے جاننا چاہا“

”ہاں! اب ہماری بیٹاں تو اپنے گھر کی ہو گئی تو سوچا ان کے حصے کا میں ہی ستالوں۔ آیاز صاحب رسان سے بولے تو بیٹیوں کے ذکر پر ایک بار پھر شہلا کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔“

”کیا ہوا شہلا بیگم! کیا ہم نے کچھ غلط کہہ دیا متفکر ہوئے

”نہیں بس کچھ یاد آ گیا تھا۔ آنکھوں میں آنی نمی صاف کرتے شہلا بیگم کی آواز بھرا گئی تھی۔“

”یاد تو ہمیں بھی آرہی ہے اپنی بیٹاں بہت لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ دونوں اپنے گھر میں خوش ہیں۔ شہلا بیگم کی بات سن کر آیاز صاحب کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھی اپنی بیٹیوں کی یاد میں۔“

”ابھی کل کی بات جب عمامہ پیدا ہوئی اور نرس نے اس لا کر میری گود میں دیا تھا کتنا خوبصورت احساس تھا آج بھی یاد کرتا ہوں تو عجیب سی خوشی محسوس ہوتی ہے!۔“

”عنایہ کے ٹائم پر بھی آپ کی خوشی میں ذرا کمی نہیں آئی جبکہ اماں بی دوسری بیٹی ہونے پر کتنا کہا تھا کہ آپ دوسری شادی کر لیں پہلی بیٹی معذوری اب ایک اور بیٹی یہ عورت صرف بیٹیاں

ہی پیدا کرے گی کوئی خوشی نہیں دے سکتی۔ آیاز صاحب کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی بول پڑی۔“

”ہاں یاد ہے۔! اور یہ بھی یاد ہے کہ اس بات کا بھی سارا غصہ آپ نے معصوم عمامہ پر نکالا تھا وہ بھول گئی آپ۔! آیاز صاحب گزر اوقت یاد کرتے تلخ ہوئے تھے۔“

میں۔! بہت بری ماں ہوں آیاز۔! بہت بری۔! صرف اس دن ہی نہیں بلکہ اب تک بھی میں اپنی ساری فرسٹریشن سارا غصہ اس بیچاری پر ہی نکالتی آئی ہوں۔! جبکہ اسے تو عام بچوں سے زیادہ محبت اور توجہ کی ضرورت پر میں نے تو کبھی اس وہ پیار وہ توجہ نہیں جس کی وہ حق دار تھی پھر بھی اس نے بھی کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا، عنایہ پھر بھی کبھی کبھی جواب دے دیتی تھی پر عمامہ نے کبھی نہیں دیا شہلا اپنے کیے پر پشیمان ہوئی تھی۔“

”بتی باتوں کو یاد کرنے سے کیا ہوگا بس خود کو ہی تکلیف پہنچاؤ گی، جو ہونا تھا سو گیا اب پچھتانے کا کیا فائدہ۔ شہلا کی بات سن کر آیاز صاحب نے روکھائی سے گویا ہوئے۔“

”میں جانتی ہوں۔! اب میرے پچھتانے سے کچھ نہیں ہوگا لیکن دل میں ایک کسک ہمیشہ رہے گی کہ میں اس کے لیے بہت کچھ کر سکتی تھی، اگر میں اس کی خاطر صحیح وقت پر سٹینڈ لیتی تو میری بچی کے بہت سے خواب پورے ہو جاتیں، کوئی اسکی کمی کو اسکی کمزوری نہ سمجھاتا مجھے تو اس کی ہمت باندھنی تھی پر میں اس کی ہمت توڑنے والو کی فہرست میں سب سے آگے کھڑی تھی آپ نے دیکھا کل کس طرح اذہان نے عمامہ ایک پل کے لیے بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ کسی سے کم ہے یا اس میں کوئی کمی یہ سب ہمیں کرنا چاہیے تھا۔ دکھ سے کہتی یک دم انھیں اذہان کا عمامہ کا خیال رکھنا یاد آیا تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھیں۔“

”شہلا بیگم۔! اب جو ہو گیا ہم اسے بدل تو نہیں سکتے لیکن تمہیں اپنے کیے پر پچھتاوا ہے یہی بہت ہے، اللہ نے عمامہ کو اس کے صبر کا پھل اذہان کی صورت میں دے دیا ہے۔ آگے بڑھ کر شہلا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے پیار سے سمجھاتے ان کی آنکھوں میں آنسو صاف کیے تو اثابت میں سر ہلاتے ایاز صاحب کے کندھے پر سر رکھ گئی تھی۔“



”عناہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو اگر ضروری نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا، اور ویسے بھی صرف ایک دن کی تو بات ہے۔ صوفے پر اس کے پہلو میں بیٹھتے نرمی سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی تھی پر اس پر تو کسی بات کا اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔“

”ایسا بھی کیا ضروری کام آگیا کہ شادی کے ایک ہفتے بعد ہی تمہیں اسلام آباد جانا ہے، اور اگر اتنا ہی ضروری ہے جانا تو مجھے بھی ساتھ لے جاؤں میں۔ منہ بصورتے اٹل لہجے میں بولی۔“

”تم وہاں جا کر کیا کرو گی! میں تو بڑی رہو گا تم خواہ مخواہ میں تنگ ہو جاؤ گی۔ عباس نے اطلاع دی۔“

”بس ایک میٹنگ ہی ہے نا، اس کے بعد تو تم فری ہو گے تو ہم وہاں سے مری چلے گیں ویسے بھی تو ہم نے جانا ہی تھا نا۔ بنوزے اپنی ضد پر برقرار رہتے فوری حل پیش کیا۔ تو عباس نے نفی میں سر ہلایا جیسے کہنا چاہتا ہو تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”اچھا ٹھیک ہے ویسے بھی تم کون سا میری بات ماننے والی ہو۔! کرنی تو تم نے اپنی مرضی ہی ہے لیکن میں ابھی کہہ رہا ہوں اگر وہاں تم تنگ ہوئی تو مجھے نہ کہنا۔ صوفے کی پشت پر بازو پھیلاتے بظاہر سنجیدگی سے ہتھیار ڈالے تھے جس پر عنایہ کی آنکھیں چمکی تھی۔“

آئی لو یو۔! تم سچ میں بہت اچھے ہو بندر۔! خوشی سے چہک کر اس کی گردن کے گرد بازو حائل کرتے اس کے گال پر لب رکھے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ اس غیر متوقع عمل پر عباس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی گئی تھی اور ہونٹوں پر تبسم بکھری۔

”صرف جانے کی اجازت دینے پر اس طرح اظہار محبت کرو گی تو وہاں پہنچ کر تو اللہ ہی بچائے بازو حائل کرتے اس کے چہرے پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے اڑیستے شوخ گھمبیر لہجے میں گویا ہوا تو عنایہ نے حیا سے پلکیں جھکالی تھی۔“

”لیکن میں اب بھی کہہ رہا تم وہاں“!!....

”میرے تنگ ہونے کی تو تم فکر ہی نہ کرو میں سب سنبھال لوں گی بس تم میری بھی ٹکٹ کنفرم کروادو۔! میں جلدی سے اپنی پیکنگ کر لوں۔ برجستگی سے اس کی بات قطع کرتے اسے لگ ہو کراٹھی آنے والے وقت سے بے خبر عنایہ کی خوشی قابلے دید تھی۔“

”یہ لو۔! تمھاری چاہے۔ ٹرے ٹیبل پر پٹخنے کے انداز میں رکھتی ہوئے خود بھی اس کے پاس ہی ڈھے گئی۔

”کیا بات ہے۔؟ آج ہماری بیوی صاحبہ ناراض لگ رہی ہے، سب خیریت تو ہے نا“ وہ جولیپ ٹاپ میں مصروف تھا علیزہ کی خفگی دیکھتے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھتے علیزہ کی جانب متوجہ ہوا۔

”بات مت کرو مجھ سے۔ سینے سے پر دونوں بازو باندھے رخ پھیر گئی تھی۔

”مطلب کہ معملا سیریس ہے۔ ذرا آگے کھسک کر اسی طرح اسے اپنے ساتھ لگاتے بظاہر سنجیدگی سے جاننا چاہا۔

”میں نے کہانا“ بات نہ کریں مجھ سے۔ اسے اپنے آپ چھڑاتے اس کی خفگی میں ذرا کمی نہ آئی تھی۔

”اب تم مجھے بتاؤ گی نہیں تو پتا کیسے چلے گا“ کہ میری پیاری سی“ چھوٹی سی“ موٹی سی“ بیوی کو کیا ہوا ہے۔ واپس اپنے ساتھ لگا کر جھولتے لاڈ سے پوچھا کرتے ہوئے پوچھا تو علیزہ کو ہنسی آئی پر وہ دبا گئی تھی۔

”کیا بتاؤں۔؟ جیسے آپ تو جانتے نہ ہوں! کتنے دن ہو گئیں ہیں! مجھے یہاں آئے نہ آپ مجھے باہر کئی لے کر جاتے ہیں نہ بھائی بھابھی سے بات کرنے دیتے ہیں، سب کیا سوچتے ہو گئیں کہ اس طرح اچانک کہا غائب ہو گئی۔ معصوم صورت بناتے ہوئے اپنا مسئلہ بیان کیا۔

”میرے پاس ہوتے ہوئے تم کسی اور کے بارے میں سوچو مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگ رہا، مطلب کہ میری کوئی ویلیوں ہی نہیں۔ اسی طرح اسے اپنے حصار میں لیے بڑی مہارت سے بات بدلتے شکوہ کیا تو علیزہ نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

”آپ میری بات سمجھ نہیں رہیں، میں بھائی کے بارے میں نہیں سوچ رہی اور آپ کی اہمیت نہیں ہوگی تو بھلا کس کی ہوگی، لیکن! اس طرف رخ کرتے علیزہ نے وضاحت پیش کرتے آخر دانستہ طور پر بات ادھوری چھوڑی تھی۔

”تو پھر ٹھیک ہے۔! اب کچھ دن تک ہم کسی کی بات نہیں کریں گیں، صرف ساحل کی علیزہ۔! اور علیزہ کا ساحل۔!۔ اسے واپس اپنے حصار میں لیتے اس کا دھیان اپنی طرف کیا تھا۔

”وہ تو ٹھیک ہے، پر آپ ایک بار میری بات تو کروادیں بھائی سے پتا نہیں لیکن مجھے عجیب سی الجھن ہو رہی ہے میرا دل گھبرا رہا ایسا لگ رہا ہے جیسے کچھ ہونے والا کچھ بہت برا۔ سر کو ذرا سا اٹھا کر اس کی اور دیکھتے ہوئے اپنے اندر کے ڈر کو زبان تک لائی تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے بس تم کچھ زیادہ سوچ رہی ہو۔! ابھی مجھے ایک کام سے جاننا ہے تم دعا کرو کہ وہ ہو جائے پھر میں تمہیں تمہارے بھائی کے پاس لے جاؤ گا، اس کی بے چینی کو سمجھتے ساحل

نے اس سینے سے لگا کر نرمی سے کہا تو ناجانے کس خیال کے تحت اس کی آنکھ سے ایک موتی ٹوٹ کر گال پر پھسل گیا تھا۔

”میں دعا کرو گی، لیکن! آپ جلدی آجانا مجھے ایسا لگ رہا ہے اگر میں آج بھائی سے نہ ملی تو پھر کبھی نہیں مل پاؤ گی۔ اتنے دن ہو گئیں میں نے بھائی سے رابطہ نہیں کیا تو انھوں نے بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ میں اچانک کہا چلی گئی۔ کسی خدشے کے پیش نظر علیزہ رو دینے کو تھی۔“

”پاگل ایسا کچھ نہیں ہے، بس تمھاری سکیورٹی کی خاطر تمھیں یہاں رکھا ہے، تم جانتی تو ہو اس رات جب اذہان اُس کے پیچھے گیا تھا تو پتا چلا کہ وہ عورت ملائشیا بھاگ گئی ہے، لیکن بعد میں جب اذہان نے اپنے ریسورس سے پتا کروایا تو معلوم ہوا کہ وہ ملائشیا نہیں گئی بلکہ یہیں کہیں چھپی اسی لیے ولیمے کی تقریب سے ہی اس نے تمھیں یہاں بھجوا دیا، کہ کہیں وہ اذہان کو مشغول جان کر تم پر وار نہ کرے اسی لیے اتنے دنوں سے اُس نے تم سے رابطہ بھی نہیں کیا کہ کہی اس کی کالز ٹریس نہ کی جا رہی ہوں اور اس کے ذریعے کہیں کوئی تم تک نہ پہنچ جائے، وہ ہر طرح سے

تمہیں پڑٹیکٹ کرنا چاہتا ہے، کوئی نہیں جانتا تم اس وقت کہا ہو سوائے اذہان کے۔ اس کے ڈر کو دیکھتے ہوئے ساحل نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے آدھی ادھوری سچائی بتادی تھی۔

کب تک آپ اور بھائی مجھے میری ہی ماں سے بچائے گے میں تو کہتی ہوں ختم کرتے ہیں یہ لکا چھپی کا کھیل، میں دیکھنا چاہتی آخرا ایک ماں اپنی بیٹی کو برباد کرنے کی خاطر کس حد تک جاسکتی ہے۔ علیزہ کے لہجے میں دردانیت صاف عیاں تھی جس پر وہ اسے خود میں بھنچ گیا تھا آج پہلی مرتبہ ساحل اس عورت کے لیے علیزہ کے منہ سے ماں سنا تھا۔

”وہ تمہاری ماں نہیں ہے علیزہ! دیکھنا یہ بات بہت جلد ثابت ہو جائے گی کیونکہ ایک ماں کبھی بھی اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی! اور ایسے کیسے حوالے کر دو تمہیں اس کے ہاں! یہ کہنے سے پہلے تم نے ایک بار نہیں سوچا میرے بار میں کہ میں کیسے جیوں گا تمہارے بغیر! میرا نہ سہی کم از کم اپنے چہیتے بھائی کا سوچ لینا تھا جو تمہیں دیکھ کر جیتا ہے وہ الگ بات ہے کہ اب اس کی زندگی میں کسی اور نے بھی یہ جگہ حاصل کر لی ہے پر میں تو مر“!!!!.....

”آپ دونوں ہی تو ہیں! جنہیں دیکھ کر علیزہ! جیتی ورنہ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ مجھے اس دنیا میں لانے والے کون ہیں۔ اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے دو آنسوؤں ٹوٹ کر گال پر بہہ نکلے تھے۔

”بیشک تم انہیں نہیں جانتی لیکن میں یہ دعوے سے کہہ سکتا وہ جو بھی تھی بہت عزیم تھے اور میرا وعدہ ہے جن کو تم وجہ بنو گی اس دنیا میں لانے کی وہ تمہیں ضرور جانے گیں، خوب تنگ بھی کریں گیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ساحل نے فوراً سے بات بدلی تو علیزہ نے نا سمجھی سے شوشو کرتے اس کی طرف دیکھا۔

”نہیں سمجھی! اس کا چہرہ ہاتھ کے پیالے میں لیتے انگوٹھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے استفسار کیا تو اس نے نفی میں سر ہلایا

”ہم۔! ابھی سمجھانے کا وقت نہیں ہے ورنہ تمہیں بہت اچھی طرح سمجھاتا۔! رونے کی وجہ سے سرخ پڑتی ناک اور آنکھوں میں نمی کو دیکھتے رسان سے کہتے ہیں ہوئے اس کے ماتھے پر لب رکھتے اٹھاتو نظر ٹیبل پر رکھی چائے پر پڑی تھی۔

”یہ دیکھو تم سے باتوں میں میری چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی خیر۔! واپسی پر چائے کے ساتھ کچھ اور بھی پینے کا ارادہ ہے۔ اپنے کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے معنی خیز لہجے میں کہتا اپنا والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھائی تھی۔

لیکن آپ جا کہاں رہے ہیں؟ اسے اس طرح عجلت میں جاتے دیکھ پریشانی ہوئی تھی۔

”جان کہانا، ایک امور ٹنٹ کام ہے بس تم دعا کرنا اور ہاں۔! سب سے ضروری بات دروازہ اندر سے اچھی طرح لاک کر لو جب تک میں واپس نہیں آتا نہ تم گھر سے باہر مت نکلنا اور نہ ہی کسی کی لیے دروازہ کھولنا۔ گھر سے نکلتے اسے ہدایت کرنا نہیں بھولا تھا جس پر وہ اثبات میں سر ہلاتی دروازہ لاک کرتے واپس آئی تھی۔

”ساحل کی باتوں کے بابت سوچتے چائے کا کپ اٹھا کر کچن رکھنے کے بعد کمرے میں آرام کرنے کے غرض سے بڑھی تھی کہ دروازے پر ہوتی بیل نے اس کے قدم روکیں۔

”اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ خود سے سوال کرتے ہوئے پلٹی تھی کہ ٹیبل پر رکھے ساحل کے موبائل پر نظر پڑی۔“

”یہ دیکھوں اپنا فون یہی بھول گئے لگتا ہے وہی لینے آئیں ہیں سر پر ہاتھ مارتی جھنجھلا کر فون اٹھاتے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتی باہر کی اور بڑھی جیسے ہی دروازہ کھولا تو سامنے کھڑی عورت کو دیکھ کر ساکت رہی گئی اور ہاتھ میں پکڑا موبائل چھوٹ کر زمین بوس ہوا تھا آنکھوں میں دہشت و خوف کے سائے لہرائے تھے۔“



”آج کی میٹنگ بہت اچھی رہی مجھے یقین یہ پروجیکٹ ہمیں ہی ملے گا۔ مصروف سے انداز میں تیزی سے کانچ کا دروازہ ہکلیتے ہوئے افس میں داخل ہوتے کوٹ کا بٹن کھول کر سربراہی کرسی پر کروفر سے براجمان ہوا۔

”جی سر۔! اس کے عاقب میں چلتے مواد ب انداز میں گویا ہوا۔“

”اب باقی کی میٹنگز تم دیکھ لو مجھے آج جلدی!!.....“

”آپ اس طرح بغیر اموئمنٹ کے اندر نہیں جاسکتی۔! اذہان کی بات مکمل ہونے سے قبل افس کا دروازہ ہکلیتے ہوئے ماڈرن سی لڑکی ہائی ہیلز میں ٹک ٹک کرتی داخل ہوئی بلوٹائٹ جینز ٹخنوں سے کافی اوپر تھی جس پر بلیک کلر کاسیولس ٹوپ جس کے ڈیپ گلے سے اس کے نیشب وافر از عیاں ہو رہے تھے ڈارک میک اپ کھلے سلکی بال کندھے پر جھولتا ہوا اس کا بیگ وہ کسی کو بھی اپنے حسن کا دوانہ کرنے کا ہنر رکھتی تھی جس کے پیچھے ہی ریسپنشن اسے روکنے کی کوشش کرتی آئی پر وہ لڑکی بنا اس کی سنے دھڑلے سے داخل ہو چکی تھی۔“

”یہ سب کیا ہو رہا ہے...!! سنجیدگی سے استفسار کیا۔

”سر! وہ!..“

”مجھے آپ سے بات کرنی ہے اور میں اپنی بات کہے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گئی۔ اس پہلے کے ریسپنسنس کچھ کہتی وہ لڑکی ڈھٹائی بول پڑی“

”اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ! تم کہو کیا کہنا ہے! ریسپنسنس کو باہر جانے کا کہتے لڑکی کو بولنے کی اجازت دی تو اس نے سیکرٹری کی اور عجیب نظروں سے دیکھا۔“

”کرمانی! اب تم جاسکتے ہو اگر کوئی کام ہو تو مجھے کال کر لینا، میں بھی نکلنے لگا ہوں۔ لڑکی کی نظروں کا مفہوم سمجھتے اپنے سیکرٹری کو بھیجا تھا۔“

”جی اب بولیں! کیا کام ہے آپ کو مجھے سے، اور ذرا جلدی مجھے گھر بھی جانا ہے۔ سامنے رکھی فائل پر نظریں مرکوز کیے اس کی سمت دیکھے بغیر اذہان برجستگی سے مدعے پر آیا۔“

”بیٹھ کر بات کر سکتی ہوں۔! کر سی کھنچ کر بیٹھتے ہوئے دونوں شانوں پر پھیلے بال ایک طرف کرتی ادا سے بولی۔

”آپ آلریڈی بیٹھ چکی ہے، اب جلدی کہے کیا کہنا چاہتی ہیں۔ اس کے بیٹھتے ہی اذہان فوراً سے فائل بند کرتے اٹھ گیا تھا سامنے بیٹھی لڑکی سے اسے عجیب سی واب آرہی تھی اس کا انداز پرکھکا تھا۔“

”آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔! پہچانے گئیں بھی کیسے جب میری طرف دیکھیں گئیں ہی نہیں۔! اس کے اٹھ کر رخ پھیرنے پر چوٹ کی تھی۔

”پہچان تو میں آپ کو پہلی نظر میں گیا تھا، اسی لیے آپ اس وقت میرے اوفس میں بیٹھی ہیں ورنہ اس طرح میرے اوفس میں داخل ہونے پر آپ اتنے آرام سے بیٹھی نہیں ہوتی۔ گلاس ونڈو سے باہر چلتی گاڑیوں کو دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں گویا ہوا تو اس کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

”اب جلدی کہیں جو کہنا آئی ہیں، آپ کی کزن انتظار کر رہی ہو گی اور مجھے اپنی وائف کو زیادہ انتظار کروانا پسند نہیں۔! عمامہ کے ذکر پر اس کا دل کش سر اذہان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا جس پر اذہان کے چہرے پر تبسم پھیل گئی تھی۔“

”لگتا ہے آپ اپنی وائف سے بہت محبت کرتے ہیں۔! یہ جانے بغیر کہ وہ آپ کی محبت کے قابل ہے بھی۔! بہت چالاکی سے عمامہ کے خلاف بولنے کے لیے لب واپیہ ہی تھے کہ اس کی بات مکمل ہونے سے قبل پلٹ کر خونخوار نظروں سے گھورا۔

”تم جو کہنے آئی ہو بس وہی کہوں میری وائف کے بارے میں کچھ بھی کہنے کا حق میں نے کسی کو نہیں دیا۔ آپ سے تم پر آتے اس کے لبوں لہجے پر وہ متعجب ہوا تھا۔“

”میں سمجھتی ہوں۔! اپنی وائف کو لے کر آپ بہت پریسیفس ہیں، لیکن آپ جانتے نہیں آپ سے پہلے وہ عالی کو اپنی معصوم صورت دیکھا۔!!!.....

"میں نے کہا نا، تم جو بات کرنے آئی ہو بس وہی کرو اور اگر مجھے میری وائف کے بارے میں بتانے آئی ہو کہ وہ کیسی ہے کیسی نہیں! تو پھر تم نے یہاں آنے کی خواہ مخواہ زحمت کی میں جو اتنی دیر سے تمہاری موجودگی کو برداشت کر رہا ہوں! اس کی وجہ صرف و صرف عمامہ ہے ورنہ تم جیسی لڑکی کو میں ایک منٹ نہ برداشت کروں! اب جاسکتی ہو! برجستگی سے اس کی بات قطع کرتے ضبط سے مٹھیاں بھینچ کر بمشکل خود کو سخت الفاظ کہنے سے روکتے اسے باہر کا راستہ دکھایا تو وہ اٹھ کر سرعت سے اس کے سامنے آئی تھی۔

"اگر آپ کو نہیں پسند کے آپ کی وائف کے بارے میں کچھ کہوں تو ٹھیک ہے، ہم اپنے بارے بات کر سکتے، ویسے بھی مجھے کوئی شوق نہیں اس کے بابت بات کرنے کا۔ اس کے قریب ہوتے اذہان کے غصے کو دیکھتے کرن بات سنبھالنے کی کوشش کی تو اس کی بات سن کر اذہان نے جبرے بھینچ کر پریش نظروں سے دیکھا تھا۔"

"تمہاری اس بات کا میں کیا مطلب سمجھوں! اس کے یوں بے باکی سے قریب آنے شذر ہوا تھا۔

”اب تم اتنے بھی بچے نہیں ہو۔! ایک لڑکی تمہارے قریب آرہی تمہیں اپنا آپ سو نپنے کو تیار ہے، اور تم ہو کہ انجان بن رہے ہو۔ اس کے کوٹ کو مٹھائیوں میں دبوچ کر جھٹکے سے اپنے قریب کرتی بے شرمی کی انتہا پر پہنچ گئی اسکی اس حرکت پر اذہان نے جھٹکے سے اس خود سے دور کیا۔“

”دل تو چاہ رہا ہے اس بات پر تمہارا منہ توڑ دوں۔! صرف تمہارا عورت ہونے کا لحاظ کر رہا ہوں۔! سرد سپاٹ لہجے میں کہتے دو قدم پیچھے کی طرف لیتے سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگا کر ن نے اس کے سامنے آتے راستہ روکا۔“

”تم ایسے نہیں جاسکتے تم تمہیں میری بات سنی ہوگی۔! پوچھ رہے تھے نا میں یہاں کیوں آئی تو سنو محبت کرتی ہوں تم سے بے پناہ محبت اتنی کہ تمہارے ایک اشارے پر میں اپنا سب کچھ تم پر نچھاور کر سکتی ہوں۔! اتنی کی وہ اپنا ہج مر کر بھی میری محبت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ سے تم تک کا سفر طے کر کے بھو جل لہجے میں اس کے چہرے کو دیوانہ وار چھوتے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی کہ وہ بے یقینی وہ حیرت سے اسے دیکھتے تنفر سے اس کے ہاتھ جھٹک گیا۔

”اوجسٹ شٹ اپ...! اینڈ گیٹ لاسٹ...!!“ تم شاید بھول رہی ہو میں تمہاری کزن کا شوہر ہوں۔! شرم آنی چاہیے تمہیں مجھ سے یہ سب کہتے ہوئے۔ وہ اس کی بات سن کر آگ بگولہ ہوا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کی جان لے لے۔“

میری وہ، کزن اپاہج ہے۔! اپاہج۔! وہ کبھی تمہیں وہ خوشی نہیں دے سکتی جو میں دے سکتی اور تم ایک اپاہج!...

”خبردار۔! جو ایک اور بار تمہارے منہ سے میری وائف کے لیے کچھ غلط نکلا۔! تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ اس بات پوری ہونے سے قبل انگلی اٹھا کر پھنکارا تھا۔“

”مجھے چپ کروانے سے سچ تو نہیں بدل جائے گا اور سچ یہی ہے کہ وہ اپاہج ہے۔! اذہان کا اس طرح عمامہ کی پرواہ کرنا تیش دلا گیا تھا۔“

”میں تمہارے منہ ہی کیوں لگ رہا ہوں بازو سے پکڑ کر ایک طرف کرتے اوفس سے نکلنے لگا تھا کہ کرن کی آواز پر اذہان کے قدم تھم گئے۔“

اگر تم میری محبت کو جھٹلا کر گئے تو میں چیخ چیخ کر پورے اوفس والوں کو بتاؤں گی کہ تم نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اپنے بالوں بکھرے کر اپنی ہتھیلی سے اپنی لپ سٹک خراب کرتے ایک طرف سے پھاڑتے ہوئے چیخ کر بولی۔“

”شوق سے کرو جو کرنا ہے کہوں تو میں بھی چیخنے میں تمہارا ساتھ دیتا ہوں۔؟ لیکن کچھ بھی کرنے سے پہلے یہ یاد رکھنا بھی جو کچھ تم نے جو کیا وہ سب اس اوفس میں لگے کیمروں محفوظ ہو چکا ہے، وہ سب میں اپنے اوفس والوں کو دیکھانے کے بعد تمہارے ماں باپ کو بھی دیکھاؤں گا جنہوں نے تمہاری ایسی تربیت کی۔ رک کر پلٹے بغیر شروع میں استہزاء انداز میں کہتے آخر تنفر سے کہتے وہ لمبے لمبے ڈاگ بھرتا اپنے اوفس سے نکلتا چلا گیا۔“

”انہسہ.....!!!!“ تم مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتے وہ بھی اس اپاہج کی خاطر نہیں!۔
میں تمہیں ایسا کرنے دوں گی تمہیں میرا ہونا ہی ہو گا وہ اپاہج مجھ سے جیت نہیں سکتی۔ وہ چیختے
ہوئے گھنٹوں کے بل زمین پر گرتی پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔“



"بالکونی میں جھولے پر بیٹھی بادلوں سے گھرے آسمان میں اٹکیلا کرتے پرندے ہوا کی دوش پر
کبھی یہاں وہاں اڑ رہے تھے اور یک ٹکی باندھے لبوں پر مسکراہٹ لیے انھیں دیکھ رہی تھی۔
کتھی رنگ کے ڈھیلے سے کڑتے میں بالوں کی چٹیا گوند کر آگے کو کیے ڈوپٹہ سے بے نیاز دو آوارہ
لٹے اس تنگ کر رہی تھی جنھیں بارہ دفع کان کے پیچھے اڑتے چکی تھی پر ہوا کے جھونکے اسے
سکون نہیں لینے دے رہی تھی بھوری آنکھوں میں اب وہ پہلے سی اداسی باقی نہ تھی۔"

”اب دیکھ لیں یہ مجھے ستار ہی پھر جب میں انھیں قید کرو گی تو آپ کہے گے میں ان پر ظلم کرتی ہوں۔! اپنے چہر پر آئی لٹ کو دیکھ کر من ہی من اذہان سے مخاطب ہوئی یہ اذہان کی محبت ہی تھی جو وہ زندگی کی اور لوٹنے لگی تھی۔“

”اذہان کی محبت نے کچھ ہی دنوں میں عمامہ میں کافی کچھ بدل دیا تھا اب بیکار کی باتیں یاد کر کے خود کو تکلیف نہیں پہنچاتی نہ ہی بات بات پر مایوس ہو کر مرنے کی بات کرتی، اب تو بات بے بات رونا بھی بھول گئی اور سب سے بڑی جو تغیرات آئی وہ یہ کہ اب وہ نیند کی گولیاں کے بغیر ہی سو جاتی ہاں وہ الگ بات ہے کہ اب اذہان کی عادی ہونے لگی تھی۔“

”ارے۔! ارے۔! یہ کیا کر رہی ہو۔! وہ جو واشروم سے اپنے بال خشک کرتا ہوا اپنی ہی دھن میں نکلا تھا کہ ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی عمامہ کو اپنے بالوں کے ساتھ پنچہ آزمائی کرتے دیکھ اس کی جانب لپکا۔“

”کچھ نہیں۔! اس کی سمت دیکھ دیکھے بغیر ہی گیلے بالوں کو مورڑ کر جوڑے کی شکل دینے لگی۔“

”اتنا ظلم کرنے کے بعد بھی کچھ نہیں!! اگر کچھ کرو گی تو کیا ستم ڈھاؤ گی، مسسز اذہان شاہ!!“
نرمی سے اس کے ہاتھوں سے اس کے بالوں کو آزادی دلا دیا اس کے شانہ پر بکھرتے ہوئے گویا
ہوا تو عمامہ نے شاکی نظروں سے اپنے پیچھے کھڑے شرٹ لس اذہان کو دیکھا تو فوراً ہی نظروں کا
زاویہ بدل گئی

”میں نے کیا کیا؟ کدھوں پر بکھرے بالوں کو دیکھ کر متجسس انداز میں جاننا چاہا۔“

”پہلا جرم تو یہ کہ بال خشک کیے بغیر ہی برش کر رہی ہو!! وہ بھی اس بے دردی سے کہ کتنے
ہی بال تمہارے کئے ظلم کی تاب نہ لاتے ہوئے جان سے چلے گئیں۔ انگلیوں سے حلکے سے بال
رب کرنے کے بعد ڈریسنگ کے ڈرار سے ڈرائیر نکلا اس کے سامنے بیٹھتے اس کے بال خشک
کرنے لگا۔“

”اور اس پر بھی تم بس نہ ہوئی اور انھیں موڑ کر تم جوڑا بنا رہی ہو یہ ظلم کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے
جان!! اگر تم اسی طرح ان پر ستم ڈھاتی رہی تو تمہارا تو کچھ نہیں جائے گا پر میری معصوم بیوی

گنجی ہو جائے گی، پھر میری بیوی نے مجھے دوسری شادی کی اجازت بھی نہیں دینی چاہے اس کی ہم شکل مل کیوں نہ جائے۔ بظاہر سنجیدگی سے اس کے بال خشک کرتے آخر میں شرارت سے بولا تو وہ جو اسے نظریں ملانے سے گریزاں تھی دوسری شادی کی بات متعجب نظروں سے اس کی اور دیکھا جو پورے انمہاک سے اسے کے بال خشک کرنے میں مصروف تھا کالی گہری آنکھیں تیکھے نقوش ماتھے پر بکھرے بال ہلکی بڑھی برید گھنی مونچھوں کے تلے انابی لب کسرتی جسم وہ کسی ریاست کے شہزادے سے کم نہ تھا یکلخت ہی اسے اپنی قسمت پر رشک ہوا وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے گئی۔

"اب کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے جانم۔! اسے یو خود کو دیکھتے ہوئے پاں کر شوخی سے استفسار کیا تو وہ گڑ بڑا کر نظریں چراگئی تھی جس پر اذہان کے چہرے پر دل فریب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پوری طرح سے اس کے بال خشک کرنے کے بعد اس کی پشت پر آکر بڑی مہارت سے اس کے بالوں کی چٹیا گوند کراگے کی جانب کی وہ تو محض اسے دیکھ جا رہی تھی۔"

”آئندہ میں نہ دیکھوں تمہیں ان کے ساتھ اس طرح بیدردی سے پیش آتے ہوئے، تمہاری ہر غلطی معاف کر سکتا ہوں پر تمہارا خود کو تکلیف پہنچانا ہر گز نہیں۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے ذرا سا جھک کر آئینے میں دیکھتے ہوئے گھمبیر لہجے بولا تو عمامہ نے سر گھما کر اس کی سمت دیکھا جو بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا نظریں اس کی گہری کالی آنکھوں سے ٹکرائی اس کی آنکھوں میں آج بھی وہی محبت تھی جو اسے پہلی بار نظر آئی تھی یا پھر اس سے بھی کہیں زیادہ۔“

”اتنی پرواہ نہ کیا کریں! میں اس سب کی عادی نہیں! خوا مخواہ میں میری عادتیں نہ خراب کریں! ابھی تو سب نیا نیا ہے تو آپ کر دیں گیں، لیکن میں جانتی ہوں یہ سب بہت جلد ختم ہو جائے گا ہمیشہ کی طرح میرا یہ خواب بھی بہت جلد ہی ٹوٹ جائے گا آپ بیزار ہو جائے گیں، پھر مجھے ہی مشکل ہونی ہے، ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں جب آنکھوں میں چبھتی ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے اذہان! اب میں مزید درد سہنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے تاثر بھو جل لہجے میں کہتی کس قدر اذیت سے گزری تھی وہ بس وہی جانتی تھی، اس کے اتنے خواب ٹوٹ چکے تھے وہ کوئی بھی نیا خواب اپنی آنکھوں میں سجانے سے ڈر چکی تھی،

اس کی کہی باتیں سن کر اذہان کے دل میں ٹیس اٹھی تھی اور اسکی آنکھوں میں حیرت اتر آئی اس کے الفاظ سے کہیں زیادہ عمامہ کی آنکھوں سے درد چھلک رہا تھا جس پر وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔“

”تمہاری پروانہ کروں تو پھر کس کی کروں یہ بھی بتادو۔! زندگی نے مجھے تو فقط دو ہی تورشتے دیے ہیں، جو میری زندگی کا کل اثاثہ ہیں اگر انکی فکر بھی نہ کرو تو پھر کسی راہ چلتی کا خیال کرتا ہوا بھی اچھا تو نہیں لگوں گا۔ اس کے سامنے اگر پنجوں کے بل بیٹھ کر بہت نرمی اور مستحکم انداز میں گویا ہوا تو عمامہ نے اس کی جانب دیکھا پر کہنے کو اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔“

”جان۔! اگر تمہیں میری عادت ہونے لگی ہے، یہ تو ایک طرح سے اچھا ہی ہے نہ ویسے بھی تمہیں مجھ سے محبت تو ہے نہیں۔! چلو عادت ہی سہی میں اس پر گزارہ کر لوں گا، اور جہاں تک بات خواب ٹوٹنے کی ہے تو یاد رکھو یہ خواب نہیں حقیقت ہے کہ تم اذہان شاہ۔! کی محبت اس کا دیوانہ پن ہو۔! جس سے بیزار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت پاش انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بول رہا تھا جس پر وہ خاموشی سے بس اسے دیکھے جا رہی تھی دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔“

”مت۔! کریں مجھ سے اتنی محبت اذہان میں کیسے اتارو گی آپ کی محبت کا قرض میرے پاس تو دینے کے لیے بھی کچھ نہیں۔ نفی میں سر ہلاتے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی جس پر وہ اپنی گرفت مضبوط کرتے گھٹنوں کے بل اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

”پاگل لڑکی کسی کے کہنے سے محبت نہ تو ہوتی ہے نہ ختم ہو سکتی محبت کی نہیں جاتی۔! یہ بس ہو جاتی ہے،

”کب ”کہاں“ ”کیسے“ کس سے ہو جائے یہ کوئی نہیں جانتا، یہ تو وہ امرت ہے جسے پینے کی خواہش ہر محبوب کرتا ہے پر یہ ملتا صرف کچھ خوش نصیبوں کو ہی ہے، یہ اس پارس کی مانند ہے جسے چھونے سے مٹی سونا ہو جائے۔ اس کا چہرہ ہاتھ کے پیالے میں لیتے بہت نرمی سے اپنے انگوٹھوں سے اس کے آنسو صاف کرتے اس کے ماتھے سے اپنا ماتھا ٹکاتے محبت سے چور لہجے میں کہتے ہوئے اسے اپنے سحر میں مبتلا کرنے لگا۔“

”یہ محبت نہ تو کوئی قرض ہے نہ ہی کوئی احسان“ جس کا بدلہ اتر جائے نہ یہ کوئی کاروبار جس کے عوض کوئی معاوضہ طلب کیا جائے یہ تو ایک جذبہ ہے ایک خوبصورت احساس یہ جس کو ہو جائے اس کی دنیا بدل جاتی ہے! یہ زبردستی کے سودے نہیں ہے یہ دلوں کے سودے ہیں جان تمھاری سمجھ میں نہیں!!!!!!.....

”پہیلیسی...!! اذہان کی گاڑی کی آواز نے یک دم اس کا سحر توڑا اور وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی چہرے پر اب بھی حیا کے رنگ بکھرے ہوئے دل الگ ہی ترنگ میں دھڑک رہا تھا جیسے وہ اب بھی اس کے قریب ہو۔

”فوراً سے ایک طرف رکھا اپنا دوپٹہ اٹھا کر اپنے کندھوں پر پھیلاتے پور ٹیکو کی جانب نظریں گئی تھی جہاں اذہان کی گاڑی اکر رہی اور وہ گاڑی سے اتر کر گھر کی اندرونی حصے کی طرف بڑھا اتنے دنوں میں پہلی بار ہوا تھا جب اس نے گاڑی سے نکل کر بالکونی کی طرف نہ دیکھا ہو جہاں وہ اس کی منتظر تھی جس پر عمامہ کا دل بوجھ سا گیا تھا پر اگلے ہی لمحے اپنے زہن میں گردش کرتے خیال کو جھٹک کر اپنی وہیل چیئر پر بیٹھتے کمرے کی طرف بڑھی۔“

”کوٹ اپنے بازو پر ڈالے ٹائی کی نوٹ ڈھیلی کیے مضطرب سا گھر میں داخل ہوا تھا جہاں بواچکن میں کچھ کام کرتی نظر آئی تھی جنہیں کافی کاہتے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔“

”کمرے کا دروازے کے نوب پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس خارج کرتے اپنی ساری پریشانی زائل کرنے کی کوشش کی دروازے کو دھکیلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا دو دشمن جاں کی خوشبو محسوس کرتے اس کی ساری تھکن اور پریشانی بھپ سے اوڑ گئی اور دل کو کو ایک مسحور کن احساس چھو کر گزرا تھا۔“

”آہستہ سے چل کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے پشت پر اپنا سر ٹیکاتے آنکھیں موند کر اپنی دو انگلیوں سے اپنے ماتھے کو رب کرنے لگا جیسے اپنے سر میں اٹھتے شدید درد اور اپنے منہ زور جزبات کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔“

”اب تم اتنے بھی بچے نہیں ایک لڑکی تمہارے قریب آرہی تمہیں اپنا آپ سوچنے کو تیار ہے اور تم ہو کہ انجان بن رہے“

کرن کے لفظوں کی بازگشت پرپٹ سے آنکھیں کھولی تو عمامہ کو دیکھ کر اذہان چونک کر سیدھا ہو کر ایسے بیٹھا جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو، وہ جو اسے اس طرح دیکھ پریشان ہوئی تھی خاموشی سے اس کا سر دبانے کے غرض سے اس کے پہلو میں آ کر بیٹھی تھی اذہان کو اس طرح چونکتے دیکھ متعجب ہوئی تھی

کیا ہوا اذہان کوئی پریشانی؟!!!!.....

اس کی بات پوری ہونے سے قبل برجستگی سے اسے خود میں بھنچ گیا تھا اس اچانک افتاد پر عمامہ گنگ رہ گئی تھی اذہان کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ عمامہ کو اپنا سانس رکنا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔“

اذہان! اس کی اس قدر سخت گرفت اور قربت پر اس کے سینے میں ایک ادھم بھرپا ہوا تھا جس سے گھبراتے عمامہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کرتے پکارا جس پر اذہان کی گرفت مزید سخت ہوئی عمامہ کو لگا جیسے اس کی پسلیاں ٹوٹ جائے گی۔“

”پلیز! کچھ دیر خود کو محسوس کر لینے دو پلیز! اس مزحمت کرنے پر اذہان نے بھاری لہجے میں ریکوسٹ کی وہ جو اسے کچھ وقت دینا چاہتا اس رشتے کو سمجھنے کے لیے اس کے اندر کی محرومیوں خوف کو دور کرنے کے لیے آج وہ خود ہی اپنے منہ زور جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر سارے فاصلے مٹانے پر تل گیا جسے بے خبر عمامہ نے اپنی ہلکی سی مزحمت بھی بند کر کے اس کی دھڑکنوں کا شور سننے لگی۔“

”کچھ دیر تک یو نہی اس کے سینے سے لگے رہنے کے بعد اسے اپنے کندھے سے ڈوپٹہ سرکتا ہوا محسوس ہوا تو عمامہ کے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی اس پہلے کہ وہ کوئی رد عمل ظاہر کرتی کندھے پر سلگتے ہوئے ہونٹوں کا لمس محسوس کرتے عمامہ کو پر کیف سرسراہٹ محسوس ہوئی جس پر وہ اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔“

اذہان! اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑتے اس کے لمس پر مشتعل ہوتی اپنی دھڑکن کو اعتدال میں رکھنے کی کوشش تڑپ کر پکار گئی جس پر وہ اس کی گردن پر جا بجا اپنی دیوانگی رقم

کرتے اسے اپنے سحر میں مبتلا کرنے لگا اور وہ اپنی سانسوں میں برپا طلاطم کو قابو کرنے کے سعی میں اس کی گردن کے گرد بازو حائل کر گئی تھی۔“

”میں جانتا ہوں! تمہیں ابھی کچھ وقت درکار ہے، تم چاہے جتنا وقت لے لو! لیکن ایک نہ ایک دن تمہیں میری شوریدگی سہنہ پڑے گی، اور تم جتنا وقت لوگی میری شوریدگی میں اتنا ہی اضافہ ہوگا، کیونکہ میری محبت، میری دیوانگی، مجھ پر صرف تمہارا حق ہے عمامہ! صرف تمہارا! خود سے الگ کر کے اس کا چہرہ ہاتھ کے پیالے میں لیتے انگھوٹھے اس کے نچلے ہونٹ کو رب کرتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے خمار آلود لہجے کہتے جھک کر اس کی سانسوں کو قید کرنا ہی چاہا تھا کہ موبائل کی چنگھاڑتی آواز نے ماحول میں چھائے سکوت توڑا تو اذہان کو جی بھر کر اپنے فون پر غصہ آیا جبکہ دوسری جانب اذہان کی قربت پر اس کے منجمد جذبات پگھلنے ہی لگے تھے کہ یک دم ہی عمامہ نے اپنے چہرے پر سرد مہری سجاتے نظریں چراگئی جس پر اذہان کے چہرے کو دلکش مسکراہٹ چھو کر گزری۔“

”ایک بازوؤں عمامہ کے گرد حائل کر کے اپنے ساتھ لگاتے دوسرے ہاتھ سے فون کو سوئچ آف کرنے کے غرض سے اٹھایا کے سامنے جگمگاتا نام دیکھ کر اذہان کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرائے تو ایک نظر عمامہ کی سمت دیکھ کر یکنخت کال اوکے کر کے کان سے لگا گیا دوسری جانب کی بات سن کر اذہان جڑے بھینچ گیا ماتھے پر بل پڑ گئے آنکھیں خون چھلکانے لگی تھی اس کے سینے سے لگی عمامہ یک دم بدلتے ہوئے روپ کو دنگ رہ گئی تھی۔“

”کال بند کرنے کے بعد عمامہ یو نہی خود میں بھینچے آنکھیں موند کر اپنے دل اٹھتے طوفان کو کم کرنے کے تگ و دو کرنے لگا اذہان کو یک دم خاموش دیکھ اس کی سمت پلکیں اٹھا کر دیکھا جہاں اذہان کے چہرے پر پریشانی افیت کرب و نا جانے کیا کچھ تھا۔“

”کس کی کال تھی؟۔ وہ جو اس کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے رنگ دیکھتے اپنی حیرت کو الفاظ دیے جس پر اذہان کے چہرے پر کرب نمایاں ہوا۔“

”جان شاید ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری دیوانگی کو برداشت کر سکو لیکن خود کو میری آشفستگی سہنے کے لیے تیار کر لو اب مجھ سے زیادہ دیر تک انتظار نہیں ہونگا اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کے گرد دوسرا بازو حائل کر کے اپنے مضبوط حصار میں لیتے اس کے ماتھے پر اپنے تشنگی لب رکھے تھے عمامہ کے دل میں عجیب سی ہوک اٹھی تھی۔“

اذہان سب ٹھیک ہے نہ؟ آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں؟۔ اب کی بار اس کے جواب پر عمامہ کو پریشانی لاحق ہوئی جس پر وہ بنا کوئی جواب دیے نامحسوس طریقے سے اسے خود سے الگ کرتے اٹھ گیا تھا۔“

”اذہان! کیا میں اس قابل بھی نہیں کے آپ مجھ سے اپنی پریشانی شیر کر سکیں۔ اس قبل کے وہ وہاں سے جاتا عمامہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سنجیدگی سے استفسار کیا تو وہ رک کر پلٹا تھا۔“

”تم کس قابل ہو اور تمہاری کیا اہمیت ہے میری زندگی میں یہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا؛ بس اتنا سمجھ لو کہ میری زندگی میں نہ تم سے پہلے کوئی اتنا اہم رہا ہے اور نہ تمہارے بعد کسی

کی کوئی گنجائش باقی ہے، جہاں تک بات ہے کال کس تھی تو یہ جاننے سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اس وقت ایک بہن کو بھائی کی ضرورت ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم کبھی بھی یہ نہیں چاہو گی کہ اپنی بہن کو مشکل وقت میں اکیلا چھوڑ دوں۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس کے پاس بیٹھتے رسان سے کہتے آخر میں سوال کیا تو عمامہ کو تشویش ہوئی۔“

”کیا ہوا علیزہ! کو وہ ٹھیک تو ہے؟ اب کی بار عمامہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔“

”یہ سب بتانے کا وقت نہیں بس دعا کرنا کہ اس کچھ نہ ہو ورنہ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔ اسے اپنے ساتھ لگاتے متفکر انداز میں کہتے ہوئے اذہان کسی کا نمبر ملاتے ہوئے موبائل کان سے لگاتے ہوئے گاڑی کی چابی اٹھا کر نکلنے لگا تھا کہ ایک بار پھر عمامہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جانے سے روکا تو وہ فون پر ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہتے ایک بار پھر اس کی جانب متوجہ ہوا تو عمامہ کا دل چاہا کہ اسی لمحے وہ اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے اپنی محبت کا اظہار کر دے کہہ دے کہ وہ بھی اس سے اتنی ہی محبت کرنے لگی جتنی وہ کرتا پر یک دم ہی سارے الفاظ

اس کا ساتھ چھوڑ گئیں زبان جیسے منجمد ہو گئی اور آنکھوں سے موتی چھلک پڑے جس پر اذہان کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔“

”اگر تم اس طرح کرو گی تو پھر میں کیسے جاسکوں گا عمامہ تم تو میری ہمت ہو۔! اس کے آنسو دیکھ کر اذہان پریشان ہوا تھا۔“

نہیں میں ٹھیک ہوں فوراً سے اپنے آنسو صاف کرتے عمامہ نے تسلی دی تو اس نے جھک کر ماتھے پر لب رکھتے وہ بنا کچھ کہے بر جستگی سے کمرے سے نکلتا چلا گیا جس پر وہ محض اس جاتے دیکھ کر رہ گئی تھی۔“

”عباس عنایہ کو اسی لیے اپنے ساتھ لانا نہیں چاہ رہا تھا کیونکہ اس طرح انجان جگہ پر تنہا چھوڑ کر جانا مناسب نہیں تھا لیکن اس کے اصرار کرنے پر وہ انکار نہ کر سکا تھا اور اب نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے ہوٹل کے کمرے میں چھوڑ کر میٹینگ کے لیے جانا پڑا تھا۔“

”ہوٹل کے کمرے میں بالکونی میں کھڑی بلیک جینز کے ساتھ بلو شارٹ فرائیڈ پہنے کاندھوں پر شال پھیلائے سٹیپ کٹینگ بالوں کو کھلا چھوڑے بھاپ اڑاتی کافی کاک ہاتھ میں پکڑے باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی صبح ہی دونوں اسلام آباد پہنچیں تھیں اور عباس کے جانے کے بعد وقت گزرنے کے غرض سے کچھ دیر تک ٹی وی دیکھنے کے بعد اب بالکونی میں آگئی تھی جہاں باہر کے مناظر عنایہ کی روح کو سرشاری بخش رہے تھے۔“

”کچھ دیر یونہی باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ فضا میں خنکی بڑھنے لگی تو وہ کافی کاک کے لیے کمرے میں واپس آئی؛ جہاں صوفے پر کرفر سے بیٹھا شخص مزے سے سگریٹ کے کش لگاتے دھوئیں کے مرغولے ہوا کے سپرد کر رہا تھا؛ جسے دیکھ عنایہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی پیرو سے یک دم ہی جان نکل گئی تھی ہاتھ میں پکڑا کافی کاک ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہو کر ٹکروں میں بکھر گیا جس کی آواز پر اس کا دھیان عنایہ کی جانب مبذول ہوا تو چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔“

”ابھی بھی وقت ہے! انکار کر دو باقی سب میں سنبھالوں گا تمہیں کوئی بھی کچھ نہیں کہے گا“
لیکن اگر تم نے انکار نہ کیا، ہونا تو پھر بھی تمہیں میرا ہی ہے، لیکن وہ پھر میرے طریقے سے
ہوگی، جو تمہیں بالکل پسند نہیں آئے گا! اور خواہ مخواہ کوئی اپنی جان سے بھی جائے گا۔ اسی اندز
میں مزید بولا تو عنایہ نے چپ سادلی۔“

”تو پھر کیا سوچا تم نے کب کرو گی انکار۔ عنایہ کے خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھتے گھمبیرتا
سے سوال کرتے انداز حاکمانہ تھا۔“

”تمہیں!“ جو کرنا ہے، کر لو!“ اگر تم اس دنیا کے آخری مرد بھی ہو گے، میں پھر بھی تمہیں!
کبھی اپنی زندگی میں شامل نہیں کرو گی، آئی سمجھ! یہ دھمکیاں جا کر کسی اور کو دینا: مجھ پر تمہاری
دھمکیاں اثر نہیں کرنے والی۔ اس کی دھمکیوں کو خاطر میں لائے بغیر تند و تیز لہجے میں ایک
ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پھنکاری جسے سن کر اس کے چہرے پر کسنگی سی پھیل گئی۔“

”یہی امید تھی مجھ تم سے میری شیرنی!“ لیکن جب پہلے دن کی دلہن کا شوہر اسے دیکھیں بغیر ہی مر جائے، اور وہ سہاگن کہلانے کے بجائے بیوا کہلائے گی، پورے خاندان میں تم منحوس قرار دیدی جاؤ گی، کوئی تمہیں اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوگا“ پھر میں آؤگا“ تمہارا اصل ہیرو! اور پھر مجبوراً تمہیں میرا ہونا ہی پڑے گا“ تو بہتر نہیں تم پہلے ہی میری بن جاؤ“ اس عباس میں ایسا کیا ہے جو مجھ میں نہیں“ انے والے وقت کا خاکہ کھینچتے ہوئے اس ڈرانے کی کوشش کی تھی۔“

”اس شخص کو دیکھتے کچھ تلخ یادیں لہرائی تھی جس پر عنایہ کے وجود کو سنسنی سی پھیل گئی تھی۔“

”آؤ۔! آؤ۔! رک کیوں گئی کب سے تمہارا ہی تو انتظار کر رہا ہوں۔! اسے یوبت بنادیکھ اس شخص نے ہاتھ میں پکڑا سگریٹ سامنے رکھے ٹیبل پر موجود ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے تنفر سے عنایہ سے مخاطب ہوا تو اس کی آواز پر عنایہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔“

تم.....!! تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی اور!!!.....

فوراً ہی اپنے ڈر پر قابو پاتے کاٹ دار لہجے میں کہتی آگے بڑھی تھی کہ یک دم کچھ سوچتے اس کے قدم رکھیں اور نظریں دروازے کی سمت گئی جو کھلا ہوا تھا اسے اچھی طرح یاد تھا کافی منگوانے کے بعد اسنے خود دور ازہ لاک کیا تھا تو پھر وہ اندر کیسے آیا۔“

”بالکل اسی طرح ہمت ہوئی جس طرح میرے منا کرنے کے باوجود تمہاری ہمت ہوئی مجھے چھوڑ کر اس عباس سے شادی کرنے کی۔ گہری نظروں سے اسے سرتاپا دیکھتے بلیک جینز کے ساتھ ہاف وائٹ ڈھیلی شرٹ آگے سے پینٹ میں پھنسائے نفاست سے جل سے سیٹ کیے بال ہلکی سی بڑھی بریڈ، جینز کی پاکٹ میں ہاتھ پھنسائے اٹھ کر متواتر رفتار سے چلتے ہوئے وہ اس کے سامنے آیا تو اس کی بات سن کر تو عنایہ نے اٹے قدم لینا شروع کیے۔“

”میں نے تو جو کہا وہ کر کے بھی دکھایا اپنے من کی مراد پوری کی، تم ہی اپنے قول کے پکے نہیں نکلے مجھے انتظار ہی رہا کہ تم اب آؤ گے، اب آؤ گے، پر تمہیں نہ آنا تھا اور نہ آئے، پہلے بھی منہ کی کھانی پڑی تھی اور آج بھی خالی ہاتھ جانا پڑے گا یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔ شروع میں استہزاء انداز میں کہتے آخر میں نفی میں سر ہلاتے اس کے انداز سے تاسف چھلکا تھا جبکہ پیچھے کی جانب

چلتے نظریں کمرے کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہی تھی پیچھے کی جانب بڑھ رہی تھی کہ یکنخت اس قدم رکے اور وہ دیوار سے لگی تو عمر کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ ابھری تھی۔“

”یہ تو اب وقت ہی بتائے گا“ کسے منہ کی کھانی پڑتی ہے، کون سب پا کر بھی خالی ہاتھ رہتا ہے۔ سرد تاثرات کے ساتھ کہتے ہوئے اس کے دائیں بائیں ہاتھ رکھ کر اس کے فرار کے سارے راستے بند کیے تو عنایہ کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرائے پر اسنے سامنے کھڑے شخص پر یہ واضح نہ ہونے دیا۔“

”اگر تم سمجھ رہے ہو کہ اس طرح ہر اسماں کر کے تم مجھے میرے شوہر سے دور کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے! تو یہ مغالطہ نکال دو اپنے زہن سے! تم نے پہلے بھی بزدلوں کی طرح رات کے اندھیرے میں چھپ کر فون کر کے ڈرانے کی کوشش کی تھی، آج بھی وہی کر رہے ہو! تم جیسے نامرد سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ذہر خند لہجے میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اپنے ڈر کو بالائے طاق رکھ کر دوبہ دو جواب دیتے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ پوری قوت سے اسے پیچھے دھکیلا تو وہ جو اس کی راہ رو کے کھڑا تھا وہ اسکے دھکیلنے پر اس سے

چند قدم دور ہوا تو وہ راہے فرار ملتے ہی اس سے دور بھاگنے لگی تھی کہ عمر نے فوراً سے سنبھل کر اس کی کلائی سے پکڑ کر اسے خود سے دور جانے سے روکا تھا۔

”اتنی آسانی سے نہیں جانے من۔! آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں اپنے قول کا کتنا پکا ہوں۔! صرف ہر اسماں کرنے اتنی دور سے نہیں آیا میں، میں تو یہاں کچھ اور ہی سوچ کر آیا تھا مگر اب لگتا ہے تمہیں اپنی مردانگی کے جوہر دیکھانے پڑے گے۔ اس کی کلائی کو کھینچ کر اپنے قریب کرتے گھما کر دبوچ تو عنایہ کی پشت عمر کی سینے سے لگی تھی جبکہ دونوں ہاتھوں کو سختی سے اپنی مضبوط گرفت میں لیے سفاکیت کی انتہا کو پہنچا تھا جس پر وہ جھپٹاتی خود کو اس کی گرفت چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔“

”چھوڑو۔! میں نے کہا چھوڑو مجھے گھٹیاں انسان۔! میں تمہاری جان لے لوگی تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی میں تمہیں چھوڑو گی نہیں۔ اس کی گرفت بری طرح مچلتے ہوئے کوفت و سسکی سے اپنا آپ چھڑانے کی تگ و دو میں چیخی جس کا مقابل پر کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا تھا۔“

نہیں چھوڑوں گا! چھڑوا سکتی ہو تو چھڑو الو! میں تو بزدل ہوں نامرد ہوں دواپنے اس شوہر کو
آواز دو جسکی جواں مردی پر تمہیں بہت ناز ہے کہوں اسے آکر بچائے اپنی بیوی کی
عزت! ایک ہاتھ سے اس کے دونوں ہاتھ آہنی گرفت میں لیے دوسرے ہاتھ سے اس کے
گرد لپیٹا شال کھینچ کر اتاری تو عنایہ دہل کر رہ گئی اسکی آواز اس کے حلق میں اٹک گئی تھی
آنکھوں میں نمی تیر گئی دل کی گہرائیوں سے عباس کو پکارا تھا۔“

”بلاؤ! آواز دو! اس خاموش دیکھ اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو پھونک مار کر کمینگی سے
بولا تو عنایہ کلس کر منہ پھیر گئی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کی جان لے لے لیکن ابھی
جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا وقت تھا اس لیے عنایہ نے اپنی ساری مزحمت چھوڑ کر خود
کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔“

”عباس! عباس!! آؤ اپنی بیوی کو بچاؤ! دیکھوں تمہاری جان سے پیاری بیوی کی عزت خطرے میں ہے۔ منہ کے زاویے بدلتے تمخسراڑتے اس کان کی لو کو لبوں سے چھوتے سفلی کی انتہا پر پہنچ چکا تھا جس پر اس کا خون کھول کر رہ گیا اسے ایسا لگا جیسے کسی نے جلتا ہوا انگارہ اس کے کان پر رکھ دیا ہو جس پر ضبط سے مٹھیاں بھینچ اس نے اس کی جانب خونخوار نظروں سے دیکھا جیسے نفرت کی آگ جل اٹھی دل میں عنایہ کا خود کو ڈھیلا چھوڑنے پر عمر کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی مگر اتنی ڈھیلی نہیں کے وہ خود کو چھڑوا سکے۔“

”صرف اتنی افیت دو! جتنی تم خود سہ سکو عمر کیونکہ میں خود کو تکلیف پہنچانے والے کو جب تک اس سے دگنی تکلیف نہ پہنچاؤں چین سے نہیں بیٹھتی۔ اپنے ہاتھوں پر اس کے ہاتھوں کی پکڑ پر نظریں جمائے اپنے اندر اٹھتے لاوا کو دباتے سرد تاثرات کے ساتھ ایک ایک لفظ چبا کر بولی تو استہزاء انداز میں ہنسا جس پر موقع سے فائدہ اٹھاتے عنایہ نے اپنا پاؤ زور سے اس کے پاؤ پر مارا جس سے وہ کراہ کر رہ گیا اور عنایہ اس کی آہنی گرفت سے آزاد ہوتے سامنے ٹیبل پر رکھا گلہ ان

اٹھا کر پلٹ کر اس کے سر پر مارنا ہی چاہا تھا کہ اسکے ارادے بھانپتے ہوئے اس سے قبل عمر نے اپنی پاکٹ سے گن نکال کر سیدھا فائر کیا جس کی زد میں عباس آ گیا تھا۔“

“عباس جو کچھ لمحے پہلے کمرے میں داخل ہوا عمر کو گن نکالتا دیکھ چکا تھا سرعت سے آگے بڑھ کر عنایہ کے سامنے آ گیا اور گولی اس کے سینے کے آر پار ہوئی بے یقینی کے عالم میں عنایہ بت بنی یہ سب سمجھنے کی کوشش کرنے لگی اور عباس زمین بوس ہو گیا۔“



”ایک سنگل بیڈ پر نیم بیہوشی کی حالت میں لڑکی لیٹی ہوئی جسکے چہرے اور بدن پر جگہ جگہ خراشوں اور نیل کے نشانات موجود تھے ماتھے پر لگے زخم سے اب بھی خون رس رہا تھا کھڑکی سے اندر آتی سورج کی کرنیں اس لڑکی کے چہرے م پر پڑی رہی تھی جس پر کسمسا کر اپنی آنکھیں مسلتے کروٹ بدلنے کی کوشش کی تو اس کے جسم میں تکلیف کا احساس دوڑ جس پر اسنے مندھی مندھی آنکھیں کھولی ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی تو کمرے کی درود یوار پر جا بجا فاش پوسٹر لگے نظر آئے جس وہ اپنی نظریں جھکاتے خود کو ایک انجان جگہ پر دیکھ فوراً سے گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔“

”جان! کہانا ایک امور ٹنٹ کام ہے بس تم دعا کرنا اور ہاں ایک ضروری بات دروازہ اندر سے اچھی طرح لاک کر لوجب تک میں واپس نہیں آتا تم گھر سے باہر مت نکلنا اور نہ ہی کسی کی لیے دروازہ کھولنا۔ گھر سے نکلتے اسے محبت بھرے انداز میں ہدایت کرنا نہیں بھولا تھا جس پر وہ اثبات میں سر ہلاتی دروازہ لاک کرتے واپس آئی تھی۔“

”ساحل کی باتوں کے بابت سوچتے چائے کا کپ اٹھا کر کچن رکھنے کے بعد کمرے میں آرام کرنے کے غرض سے بڑھی تھی کہ دروازے پر ہوتی بیل نے اس کے قدم رکیں اور پلٹی ”اس وقت کون ہو سکتا ہے۔ سوچتے ہوئے خود سے سوال کیا تھا کہ ٹیبل پر رکھے ساحل کو موبائل پر نظر پڑی۔“

”یہ دیکھوں اپنا فون یہی بھول گئے لگتا ہے وہی لینے آئیں ہیں۔ سر پر ہاتھ مارتی جھنجھلا کر فون اٹھا کر خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے باہر کی اور بڑھی۔“

جیسے ہی دروازہ کھولا تو سامنے کھڑی عورت کو دیکھ کر ساکت رہی گئی اور ہاتھ میں پکڑا موبائل چھوٹ کر زمین بوس ہوا تھا آنکھوں میں دہشت و خوف کے سائے لہرائے تھے۔“

آپ! نائمہ کو دیکھتے ہی پیچھے کی جانب قدم لیتے ڈر و خوف سے وہ بری طرح لرزتی اندر کی اور بھاگی تھی ایسے جیسے وہ اس کی ماں نہیں کوئی عدو جاں ہو جو اس ضرر پہنچانے آیا ہو اور تھا بھی ایسا ہی وہ ماں کے روپ میں واقعی ایک ڈائن تھی۔“

بھائی...!! ساحل...!! اضطراب کے عالم خود کو بچانے کے لیے گرتی پڑتی اندر کی طرف بھاگتے ہوئے اذہان اور ساحل کو پکارتی ٹیبل سے ٹکرائی ٹھوکر لگنے پر اس طرح گری کے ٹیبل کے کونر سے ماتھا لگنے پر خون کا پھوارا پھوٹ پڑا اور وہ ہوش خرد سے بیگانی ہوتی وہی گر گئی جبکہ نائمہ کروفر سے اس کے پیچھے چلتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی جس کے چہرے شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، یکایک علیزہ کو ساحل کی کہیں باتیں یاد آئی جس پر وہ سمٹ کر بیڈ کی پشت کے لگ گئی تھی۔“

”ساحل!! بھائی!! کہاں رہ گئیں ہیں آپ! اپنی کلائی میں پہنے بریسلٹ کو دیکھتے گلوگیر لہجے میں زیرے لب بولتی ہوئے اپنے گھٹنوں کے گرد بازو حائل کرتے اس پر اپنا سر رکھ گئی اور آنکھوں سے آنسوؤں روا ہوئے تھے۔“

علیزہ! میری جان! تم اس سے جتنا ڈرو گی! وہ تمہیں اتنا ڈرائے گی، ایک بار ہمت کر کے تم اپنے اس ڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو جاؤ! تم خود جان جاؤں گی، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس سے خود سے الگ کرتے ہوئے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ فوراً سے نفی میں سر ہلاتی دوبار اس کے سینے سے لگی تھی۔“

”نہیں مجھ میں ہمت نہیں!“ پلیر بھائی! آپ مجھے یہ کرنے کے لیے نہ کہیں میں جب بھی اس عورت کو دیکھتی ہوں! وہ بھیانک رات میری آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی مانند چلنے لگتی ہے،

جس رات نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا! میرا گھر "میرے" ماں باپ "میرا معصوم بچپن! رندھی ہوئی آواز میں اٹک اٹک کر بولتی اذہان کو بھی بہت کچھ یاد دلا گئی تھی۔"

"اچھا! اچھا! تم زیادہ نہیں سوچو! تمہارا بھائی! ہے نا" سب دیکھ لے گا" تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود پر ضبط کرتے ہوئے نرمی سے سمجھایا تھا وہ جانتا تھا زیادہ اس بارے میں سوچنے سے پینک اٹیک ہو سکتا ہے۔"

"اچھا اب رونا بند، اب ایک اور آنسو بھی نہیں نکلنا چاہئے، جانتی ہونا" یہ موتی کتنے انمول ہیں میرے لیے۔ اذہان کے کہے الفاظ یاد آنے پر علیزہ کے رونے میں شدت آئی انہیں سوچوں میں پراگندہ تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر علیزہ کی نظریں بے ساختہ اس سمت گئی اور دل میں ایک امید اٹھی کے شاید اس کا بھائی آ گیا ہے اسے لینے۔"

"بھائی! آنکھوں میں امید کی چمک لیے اٹھنے ہی لگی تھی کہ سامنے نائمہ کو دیکھ باقی الفاظ منہ ہی رہ گئے اور وہ جو اٹھنے لگی تھی وہی منجمد ہو کر ڈھس گئی۔"

”یہ ادھر رکھ دو میں دیکھ لوں گی تم جا کر شام کی تیاریاں دیکھو۔ ٹائٹ جینز کے ساتھ گرے کلر کاٹوپ پہنے ڈارک میک اپ سے اپنی ڈھلتی عمر کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی تھی بالوں کا ہائی جوڑا بنائے ایک ہائی ہیلز سے ٹک ٹک کرتی ادا سے چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی اپنے ساتھ آئی ملازمہ کو حکم دیتی نظریں علیزہ پر مرکوز تھی جس سے سہم کر علیزہ پھر سے سمٹ کر بیٹھ گئی اس کی سانس یکخت ہی تیز ہو گئی۔“

”کیسی ہو علیزہ میری جان۔! کتنا ٹرپی ہوں تمہیں دیکھنے کے لیے، تمہارے بھائی نے تو مجھے اپنی بیٹی کی شکل دیکھنے کے لیے ترسایا تھا“ اب میں بھی گن گن کر بدلیں لوں گی۔ ملازمہ کے جانے کے بعد نائمہ اس کی طرف آتے ہوئے شاطرانہ اندازہ میں چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے گویا ہوئی تو علیزہ اس سے ڈر کر مزید سمٹی حلق میں جیسے کوئی گولا سا بن گیا تھا ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے سانس ہی نہیں آرہی تھی۔“

”ارے تم تو مجھ سے ڈر رہی ہو میری جان۔! اور ڈرنا بھی چاہیے آخر کتنا تنگ کیا ہے ناں۔! تم نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر مجھے، کتنی کوششیں۔! کیا کیا جتن نہ کیے اس اذہان نے تمہیں

مجھ سے بچانے کے پر کہتے ہیں نہ لگنا اگر سچی ہو منزل مل ہی جاتی ہے، دیکھوں آج تم یہاں ہو میرے پاس، اب میں جو چاہوں وہ کر سکتی ہوں اور مجھے روکنے یہاں کوئی نہیں آئے گا نہ اذہان اور نہ تمہارا باپ...!! او وہ وہ کیسے آسکتا ہے۔

شروع میں مصنوعی فکر مندی ظاہر کرتے آخر میں کٹیل وکٹ دار میں انداز کہتے ہوئے یک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر باپ پر آکر رکی تھی جس پر علیزہ کے زخم پھر سے تازہ ہوئے اور وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب او منڈ آیا تھا جبکہ سامنے کھڑی عورت پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔“

”کیوں...! کر... رہی.... ہے.. آپ می. رے...! سا.. تھ..! ایسا..! آخر..! کیا...! بگا...! ڈا...! ہے...! میں...! نے..! آپ..! کا...! میں...! میں...! تو...! بیٹی...! ہوں...! آپ کی...! ماما..! روتے ہوئے بہت ہمت کر کے بمشکل گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں سوال کرتے ہوئے یاد دلایا تو نائمہ کے چہرے تاثرات یک دم تبدیل ہوئے تھے۔“

”نہیں ہوں میں تمہاری ماں۔! نہ ہی تم میری بیٹی۔! آئی سمجھ۔! نہیں آئی تو آج جو تمہارے ساتھ ہو گا اس کے بعد آجائے گی کہ ایک ماں اپنی بیٹی کے ساتھ کبھی ایسا نہیں کر سکتی، جو میں آج تمہارے ساتھ کرو گی۔ اس کا چہرہ ادبوتے تحقیر آمیز لہجے میں پھنکارتے اس کے چہرے کو بے دردی سے جھٹک گئی تو نائمہ کی بات سن کر علیزہ ششدر رہ گئی اور آنکھوں سے اشک غلطاں جاری ہوئے تھے۔“

”اور تم نے نہیں تمہاری ماں نے بگاڑا تھا جس کی بھرپائی تم کرو گی، کہتے ہیں ناماں باپ کا کیا بچوں کو بھگتنا پڑتا ہے، تم بھی اپنی ماں باپ کا کیا بھگت رہی ہو۔! مجھ سے میری محبت میرے احمد کو چھینا تھا“ تمہاری ماں نے اُسکی وجہ سے مجھے شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی کبھی شوہر کی محبت نصیب نہ ہوئی، تو پھر میں کیسے۔! اس کی بیٹی کو ایک بہ عزت و خوشگوار زندگی گزارنے دوں کیسے۔!! اسی انداز میں مزید گوہر افشائی کی تو علیزہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔“

اس کا مطلب میری ماما.....؟؟؟ اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے بے یقینی کے عالم میں علیزہ نے ہمت جما کرتے ہوئے اپنی حیرت کو الفاظ دیے آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی روا تھی جس پر نائمہ کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔“

”ہاں تمہاری ماں تمہیں جہنم دیتے ہی اس دنیا سے چلی گی!!.....“

اووو...!! گئی نہیں میں نے بھیج دیا!! یا پھر یہ کہوں کہ تمہاری ماں نے موقع ہی نہیں دیا کچھ کرنے کا خود ہی میرے راستے سے ہٹ گئی مجھے زیادہ کچھ کرنا نہیں پڑا جیسے تمہارے باپ کو بھیجا تھا! یاد ہے ناں کیسے بھیجا تھا۔ کندھے سے پکڑ کر اپنے سامنے کرتے ہوئے اس پر انکشاف کرتے ہوئے تاسف و سفاکی اُس سے وہ بھیانک رات یاد دلائی تھی جسے بھولنے کی اس نے ہمیشہ کوشش کی تھی نائمہ کی باتیں سن کر علیزہ اپنے حواس سلب ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے رونے کی زیادتی کی وجہ سے اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔“

”بھبھائی...!! کو معلوم ہے میں ان کی بہن ہوں! جہاں اسے اپنی ماں کے موت کا جان کر دکھ ہوا تھا وہی اس سے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ اس عورت کی بیٹی نہیں جس سے اس نے ہمیشہ نفرت کی ہے۔“

”میں نے تو یہ راز کبھی تمہارے باپ کو بھی پتا چلنے نہیں دیا تو پھر اُسے کیسے پتا چلتا، تمہیں بھی اس لیے بتائے ہے کہ میرے یہاں سے جانے کے بعد کہیں تم اپنی ماں کو بددعائیں نہ دیتی رہو جیتے جی تو میں نے اسے سکون لینے نہیں دیا میں نہیں چاہتی تھی کہ مرنے کے بعد بھی اذیت میں رہے۔ اس انداز میں بولی گویا بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔“

”اس بیچاری کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ میں ایک دن اس کی بیٹی کو ایسی جگہ بچ دوں گی جس جگہ کا نام لینا بھی تمہاری ماں گناہ سمجھتی تھی۔ اس معلومات میں اضافے کرتے ہوئے تشویش پھیلانی تو اس نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔“

”جانتی ہو تم اس وقت کہا ہو...؟؟؟ اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر نائمہ نے خود ہی سوال کیا جس پر وہ کچھ نہ بول سکی۔“

”تم اس وقت کوٹھے پر ہو! جہاں سے واپسی نہ ممکن ہے اور جانتی ہو اُس رات جو کام ادھور رہ گیا تھا ناں وہ آج پورا ہو گا اس کے بعد تمہارا شوہر تو کیا دنیا کا کوئی بھی عزت دار مرد تم پر تھوکتا بھی پسند نہیں کرے گا۔ ذرا سا آگے کو جھک کر سرگوشی نما کہتی اس کے رہے سہے اوسان خطا کر گئی وہ ابھی پہلے جھٹکے سے ہی نہ سنبھلی تھی کہ اس بات پر تو اسے ایسے لگا جیسے چھت اس کے سر پر آگر ہو روتے ہوئے علیزہ کی نظر بے ساختہ اپنی کلائی کے بریسٹ پر گئی جس دیکھ کر اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔“

”علیزہ! میری جان! تم اس سے جتنا ڈرو گی! وہ تمہیں اتنا ہی ڈرائے گی، ایک بار ہمت کر کے تم اپنے اس ڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو جاؤ! تم خود جان جاؤ گی وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ علیزہ کے کانوں میں اپنے بھائی کے کہے الفاظ گونجنے تو اس نے ہمت مجتمع کرتے

ہوئے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھی عورت کو دیکھا جس کے چہرے سے مہر سفاکیت جھلک رہی تھی۔“

”تم نے میری ماں کو مارا! تمہاری وجہ میرے بابا مر گئیں!! ہم ساری زندگی اپنے ماں باپ کی محبت کے لیے تڑپتے رہے!! اور تم نے مجھے گندہ کرنے کی کوشش اس سب سے بھی تمہارا دل نہیں بھرا تو اب تم نے مجھے یو برباد کرنا چاہتی ہو!! اب تم مجھ سے میرے شوہر کو چھیننا چاہتی ہو۔ اپنے اندر کے سارے ڈر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پوری قوت سے علیزہ نے اسے خود سے پرے دھکیلتے ہوئے دھاڑی تھی آج اس کے سارے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے وہ ایک بپھری ہوئی شیرنی کے مانند اس پر جھپٹی تھی اس سے بیڈ پر گرا کر وہ اس کے اوپر آئی تھی۔“

”علیزہ!! کیا کر رہی ہو! کوئی ہے! نائمہ نے اُسے تو اس کے اس ردے عمل پر گنگ رہ گئی تھی جو لڑکی آج اس کے سامنے نظریں نہیں اٹھا پاتی تھی آج وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ اسے مارنے آرہی تھی۔“

”ابھی بتاتی ہوں کیا کر رہی ہوں۔! وارفتہ انداز میں نظریں دائیں بائیں دوڑاتے سائیڈ ٹیبل پر رکھے لیمپ پر نظر گئی تو سرعت اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا اتنے میں دروازہ ایک زوردار آواز سے کھلا جس پر نائمہ نے خود کو بچانے کی غرض سے اس سمت دیکھا تو وہاں اذہان اور ساحل کھڑے تھے جنہیں دیکھ کر نائمہ کو اپنی ہار یقینی دیکھائی دی تھی۔“

”کیسے مارا تم نے میرے ماما“ بابا“ کو کیسے..! بولو کیسے مارا۔ تم نے میرے ماما بابا کو..! بولو بولتی کیوں نہیں..!! کب سے تو بول رہی تھی..! اب کیوں نہیں بول رہی..! بتاؤ کیسے مارا...!!!۔ وہ جنونی انداز میں اس کے سر پر پے در پے وار کرتی ہوئی پوچھ رہی تھی جبکہ نائمہ لہو لہان خود کو بچانے کی تگ و دو کرتی کب زندگی کی بازی ہار گئی اسے پتا ہی نہ چلا۔“

”علیزہ۔! چھوڑو اُسے وہ مر چکی ہے۔ اس سے قبل کے ذہان بڑھ کر اسے روکتا ساحل فوراً نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا مگر وہ تو کچھ سن ہی نہیں رہی تھی اس کے ساتھ کھڑا ذہان تو اپنی چھوٹی موٹی بہن کا یہ روپ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔“

علیزہ...!!“ ساحل اس کے ہاتھ میں پکڑا لیمپ اس کے ہاتھ سے سے لیا تو علیزہ نے رک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کے رکنے پر نائمہ کا مردہ وجود لہو لہان پڑا جس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے گنگ رہ گئی تھی۔“

”ساحل! ایسی عورت کو مر ہی جانا چاہیے! اس نے ہمارے ماما بابا کو مارا! اسنے مجھے گندہ کرنا چاہا! اسے بھی زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ساحل کو دیکھ علیزہ کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسوں جاری ہوئیں تھے۔ اس کے ہاتھ سے لیمپ لے کر ایک طرف پھینکتے علیزہ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا تو ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔“

”ہاں اس عورت کو واقعی زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں، لیکن تم نے کیوں اس کے گندے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لیے، اس کام کے لیے میں تھانا“ تمہیں اپنے ہاتھ خراب کرنے کی کیا ضرورت نہیں تھی۔ سنجیدہ و کرب کے انداز میں اس سے سمجھانے کی کوشش کی پر وہ تو کچھ سمجھنے کی حالت میں ہی نہیں تھی۔ دوسری جانب اذہان بھی اس حقیقت کو جان کر شذر رہ گیا تھا۔“

”ساحل آپ نہیں جانتے اسنے میری ماما“ مایہ ماما! کو بھی مارا تھا وہ میری بھی ماما ہیں،
مم.. میں..! ان کی بیٹی..! آپ نے صحیح کہا تھا یہ میری ماں نہیں ہے..! ایک ہی بات کو بار بار
دہراتے ہزیرانی انداز میں ساحل کو دیکھتے بولی جارہی تھی اس کی آنکھوں میں افیت و کرب
نمایاں تھیں۔“

”میں جانتا ہوں علیزہ..! بس تمہیں اس افیت سے بچانا چاہتا تھا اس لیے نہیں بتایا۔ اسے واپس
اپنے سینے سے لگاتے تکلیف سے اپنی آنکھیں موند لی تھی تو اذہان جو یہ سب سن کر حیرت زدہ تھا
ساحل کی بات پر اس کی جانب دیکھا گویا یہ سب واقعی سچ ہے۔“

”صاحب آپ لوگ جلدی سے یہاں سے نکل جائیں اس پہلے کوئی آپ لوگوں کو دیکھ لے ایک
شخص نے کمرے میں داخل ہو کر اذہان سے کہا تو اس نے آگے بڑھ کر ساحل کے کندھے پر ہاتھ
رکھا اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔“

” ساحل. ! اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے اس پہلے کہ کوئی دیکھ لے، اذہان نے خود کو سنبھالتے ساحل سے کہا تو اس اثابت میں سر ہلاتے علیزہ کو خود سے الگ کرنا چاہا جو اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔“

”ہاسپٹل کے کوریڈور میں بیچ پر بیٹھی آئی سی یو کی سرخ بتی مر نظریں جمائے بکھری حالت روئی روئی سرخ ہوتی ہوئی آنکھیں اور ناک، کپڑوں پر جگہ جگہ خون کے نشانات آئی سی یو کے اندر موجود شخص کے لیے دل سے دعا گو تھی۔“

”یا اللہ پاک میرے شوہر میرے عباس کو کچھ نہ ہوا اگر اس سے کچھ ہوا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گی، یا اللہ میرے شوہر کی زندگی بخش دیں۔ گلوگیر لہجے میں آنکھوں میں آنسو لیے رب کے حضور دعا گو تھی۔“

”عباس..!!“ تمہیں کس نے کہا تھا بیچ میں آنے کو۔ وہ جو خون میں لت پت زمین پر گرا تو عنایہ نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنی گود میں لیتے اسکے یو در میان میں آنے پر غصے دکھ کے ملے

جلے تاثرات لیے ڈپٹا تو عباس اس سے یو اپنے لیے فکر مند دیکھ کر اس حالت میں بھی مسکرا دیا جس پر عنایہ کو اس پر مزید غصہ آیا تھا جبکہ آنکھوں سے آنسوؤں روا ہوئے تھے۔“

”اگر میں بیچ میں نا آتا تو یہ گولی تمہیں لگتی اور میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ خون سے لٹھڑے ہاتھ سے عنایہ کے آنسو صاف کرتے درد کو دباتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر بولا تو عنایہ کو بے ساختہ اس پر پیار کے ساتھ غصہ آیا تھا۔“

”اگر اسکے درمیان میں آنے پر تمہیں اتنا ہی تکلیف ہو رہی ہے تو میں تمہاری یہ تکلیف دور کیے دیتا ہوں۔ عمران دونوں کو دیکھ کر تیش میں آتے ہوئے گن کارخ عنایہ کی جانب کیا تو عباس اپنے درد کو بھلائے ہمت مجتمع کرتے بمشکل اٹھ کر فوراً اس کی اور لپکا عباس کے اس طرح اٹھنے پر عنایہ نے اسے روکنے کی کوشش جس میں وہ ناکام رہی۔“

”عباس!! عباس!! چھوڑ دو لگ جائے گی عباس!! دونوں کو گتھم گتھا دیکھ کر عنایہ شش و پنج کے عالم میں روکنے کی تگ و دو کرنے لگی اتنے میں کمر ایک بار پھر گولی کی آواز سے گونج اٹھا

جس پر عنایہ کے ہاتھ بے ساختہ منہ پر گئیں اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی، عباس کی حالت بھی اس مختلف نہ تھی جبکہ عمر اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے دھڑام کی آواز سے زمین پر گرا تو عباس کے بھی قدم لڑکھڑائے جس پر عنایہ نے سرعت سے آگے بڑھ کر اسے گرنے سے قبل تھام لیا۔“

”عباس“...!!

”آپ پیشنٹ کے ساتھ ہیں۔؟ نرس کی آواز پر عنایہ اپنے خیالات کی دنیا سے باہر آئی تھی۔“

”جی جی۔! میں ان کی وائف ہوں۔! کیسے ہیں عباس۔! عنایہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے خالی ال زہنی سے سوال کیا تو نرس اس نازک جان لڑکی کو دیکھ رہ گئی تھی۔“

”جی آپریشن چل رہا“ ابھی کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہو گا یہ کچھ دوائیں ہیں یہ لادیں۔ عنایہ کے ہاتھ میں ایک ڈسٹریشن سلپ تھامتے ہوئے پروفیشنل انداز میں کہتی واپس جا چکی تھی ساکت کھڑی اپنے ہاتھ میں پکڑی ڈسٹریشن سلپ کو دیکھ کر رہ گئی۔“

”ابھی تک اس نے گھر فون کر کے کسی کو بتایا تھا نہ ہی وہ ایسی حالت میں تھی کہ کسی کو کچھ بتا سکے؛

کس طرح وہ ہاسپٹل کے سٹور سے دوا لے کر آئی اس کچھ خبر نہیں تھی پتھر آئی آنکھوں اور ساکت وجود لیے وہ واپس بیچ پر بیٹھ گئی اور اپنے رب سے اپنے شوہر کی زندگی کے لیے دعا مانگنے لگی اتنے میں آئی سی یو کی سرخ بتی بند ہوئی تو عنایہ کے وجود میں حرکت ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی اتنے میں منہ سے ماسک ہٹاتے ہوئے ڈاکٹر بابر نکلا تو عنایہ اس کی سمت لپکی۔“

”میرے شوہر کیسے ہیں؟ وہ ٹھیک ہے نہ؟ انھیں کچھ ہوگا تو نہیں؟ وہ ٹھیک تو ہو جائیں گیں نا؟۔ ڈاکٹر کو دیکھتے ہی عنایہ نے ایک ساتھ کئی سوال کیے جس پر وہ متعجب نظروں سے اس کی اور ایسے دیکھا جیسے اسے عنایہ کی دماغی حالت پر شعبہ ہوا ہو۔“

”گھبرانے کی کوئی بات نہیں گولی ان کے کندھے پر لگی تھی جو ہم نے ہم نے نکال دی ہے، کچھ دیر تک ہم انھیں روم میں شفٹ کر دیں گیں پھر آپ ان سے مل سکتی ہیں۔ ڈاکٹر کے پروفیشنل

انداز میں بتانے پر عنایہ کو لگا جیسے اسے کے بے جان جسم میں جان آگئی ہو اور آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں روانی آئی تھی۔“

”اور آپ کے دوسرے پیشٹ کی حالت“!.....

”عنایہ! ڈاکٹر کی بات کو نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی جیسے اسنے کچھ سنا ہی نہ ہو، جس پر ڈاکٹر نے کندھے اچکائے تھے۔“

”یا اللہ تیرا شکر ہے، جو تو نے مجھے اتنی بڑی آزمائش سے بچالیا، اگر اس سے کچھ ہو جاتا تو میں تو بھی جیتے جی مر جاتی، یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے جو تو نے میرے شوہر کی زندگی بخش دی۔
نظریں اٹھا کر عنایہ نے اپنے خدا کا شکر ادا کیا۔“



”کچھ دیر بعد عباس کو روم میں شفٹ کیا تو عنایہ! بنا وقت ضائع کیے روم میں آئی جہاں عباس کے چہرے پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا دواؤں کے زیر اثر وہ اب بھی غنودگی طاری میں تھا، ہاتھ

پر لگے کینولا میں ڈریپ انجیکٹ تھی جس سے گرتا قطر قطر اس کے جسم میں داخل ہو رہا تھا، دوسرے بازو کو بیلٹ کی مدد سے فولڈ کیا گیا تھا، عنایہ ایک بار پھر وہ منظر یاد کرتے لرز کر رہ گئی تھی جب اسے گولی لگی تھی، بھاری قدموں سے چلتے ہوئے وہ چند قدموں کا فاصلہ اس میلوں کا لگا تھا۔“

”عباس!.. میرے لنگور! اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بآئینہ لہجے دھیرے سے پکارتے لنگور کہنے پر ہنس دی تھی دو موتی ٹوٹ کر بہہ نکلے اور عنایہ کے جھکنے سے قبل عقیدت سے اس کے ماتھے کو چوم لیا تھا جس پر عباس کی آنکھ پتلیوں نے حرکت کی تھی۔“

”عباس! میں تمہیں بہت تنگ کرتی ہوں نا“ میری وجہ سے آج تم! نہیں آپ اس حالت میں پہنچ گئیں، آپ کو اچھا نہیں لگتا میں آپ کو تم کہو تو ٹھیک ہے، آج سے، نہیں! ابھی اسی وقت سے میں، میں آپ کو آپ کہہ کر بلاؤں گی سب میری وجہ سے ہو اسب کی قصور وار میں ہی ہوں، سب میری غلطی ہے، پلیز مجھے معاف کر دیں! پلیز ایک بار معاف کر دیں، مم... میں

وعدہ کرتی ہوں میں آئندہ کبھی تنگ نہیں کرو گی آپ کی ہر بات مانو گی آپ جیسا کہو گیں ویسے کروں گی پلیز ایک بار معاف کر دیں پلیز آنکھیں کھولیں“!!!!!!.....

”اپنی کہیں کسی بات سے مکر و گی تو نہیں! اس کے پہلو میں بیٹھی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے خود کو قصور وار ٹھہرائے جا رہی تھی کہ عباس کی آواز چونک کر اس کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

عباس...! اس سے ہوش میں آتا دیکھ کر بے ساختہ اس کے سینے سے لگتے پھوٹ پھوٹ کر رو جس پر درد میں بھی عباس کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گئی تھی۔“

”بہت برے ہو تم! بہت برے! جانتے بھی ہو اس تھوڑے سے وقت میں مجھ پر کیا گزری! لیکن تم کیسے جانو گے تم تو مزے سے یہاں آرام فرما رہے تھے، گزری تو مجھ پر ہے، کیسے کیسے خیال آرہیں تھے، لیکن تمہیں کیا لگے اس، تمہیں تو بس اپنی ہیر و گری دیکھانی تھی، دیکھا دی اس الگ ہوتے ہی نروٹھے پن سے کہتی ہوئی وہ ایک بار پھر آپ سے تم پر آئی تھی جس

پر عباس کی ہنسی چھوٹ گئی جس کے باعث اس کے کندھے میں درد کی لہر دوڑ گئی تو اس نے آنکھیں سکیرٹی تھیں۔“

”تمہیں یہ سب مزاق لگ رہا، میری جان نکل گئی تھی، لیکن تمہیں اس سے کیا،“ تمہیں تو مزہ آتا ہے نا مجھے ستا کر۔! عباس کے ہنسنے پر وہ روہانسی ہوئی تھی تو عباس سنجیدہ ہوا۔“

”ارے پاگل تمہیں ستانے کا مزہ ہی الگ ہے، پر تمہیں رولانا نہیں چاہا کبھی، اپنے آنسو صاف کرو اس گولی سے کہیں گنا زیادہ مجھے یہ تکلیف دے رہے ہیں۔ نکاح زدہ لہجے میں حاکمانہ انداز میں گویا ہوئے تو عنایہ نے خفگی سے اس کی سمت دیکھا۔“

”تو پھر تم ہنسے کیوں؟ میں نے کوئی جوک سنایا تھا کیا؟ عنایہ کی خفگی میں کمی نہیں آئی تھی۔“

”میرے ہوش میں آنے سے پہلے تم نے کیا کیا وعدے کر رہی تھی۔ اس کی اور دیکھتے عباس نے آئی برواچکائی تو عنایہ کی خفگی میں کمی آئی پر بولی کچھ نہیں۔“

”کہہ رہی تھی اب کبھی ضد نہیں کروں گی، آپ کی ہر بات مانو گی، آپ کو تم کہہ کر نہیں بلاؤں گی“ وغیرہ ”وغیرہ“ اور میرے ہوش میں آتے ہی تم فوراً سے اپنی کہیں باتوں سے پھر گئی۔ اپنی بات جاری رکھی تو وہ خفیف ہوتی نظریں چراگئی تھی۔“

اچھا اب زیادہ باتیں نہ کریں ابھی صرف گولی نکالی ہے تم۔! آپ پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے۔ اپنی خفت مٹانے کو بات بدلتے اپنے آنسو صاف کیے جس پر عباس کے ہونٹوں کو ہولے سے مسکراہٹ چھو کر گزری۔“

”ہوش آگیا۔؟۔ دروازے کو دھکیلتے ہوئے نرس روم میں داخل ہوئی تو عنایہ فوراً سے اس کے پہلوں سے اٹھی تھی۔“

”جی۔! ایک لفظی جواب دیتی وہ سائیڈ میں ہوئی تو نرس عباس کو چیک کرنے لگی۔“

”کیسا محسوس کر رہیں ہیں آپ۔؟ سٹیٹو سکوم کان سے لگائے چیک کرتے پیشہ ورانہ اندازہ میں دریافت کیا۔“

”کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ عباس نے مسکرا کر جواب دیا۔“

”گڈ ہمیں امید نہیں تھی آپ اتنی جلدی ریکور کر لیں گیں، یہ سب آپ کی وائف کی دعاؤں کا اثر ہے۔ عباس کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد نرس نے بتایا تو عنایہ کو دلی سکون محسوس ہوا تھا جان کر۔“

”آپ کے ساتھ جو دوسرا پیشینہ تھا آپ انہیں جانتی ہیں یا“ پھر ان کے گھر والوں کو جانتی ہیں تو انہیں انفارم کر دیں ان کی حالت کافی کریٹیکل ہے اگر جلد ہی ان کا آپریشن نہ کیا گیا تو ان کی زندگی کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ سٹیٹو سکوم گلے میں ڈالتے ہوئے نرس اب پوری طرح سے عنایہ سے مخاطب تھی۔ جو عمر کے ذکر پر ناگواری سے سر جھٹک گئی۔“

”ہنہ۔! اچھا ہے اس جیسے شخص کو مر ہی جانا چاہیے۔ زیرے لب بڑبڑاتے عنایہ کے لہجے بیزاری عیاں تھی جس پر عباس کھٹکا۔“

”آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟ عباس نے متجسس انداز میں سوال کیا تو نرس اس کی جانب پلٹی۔“

”آپ جب آئیں آپ کے ساتھ ایک اور بھی پیشینٹ لایا گیا تھا جن کی حالت کافی کریٹیکل“...!!!

”عباس تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اب اس ہاسپٹل میں ہزاروں مریض ہیں، کئی تمہارے ساتھ بھی آئیں ہونگے ضروری تو نہیں کہ وہ ہمارے جاننے والے ہی ہونرس کی بات مکمل ہونے سے قبل عنایہ خاصی بیزار سے گویا ہوئی۔“

”اور میں نے پہلے بھی کہا تھا اب پھر...!!!“

”عنایہ...!!“ اسکی بات کو قطع کرتے عنایہ کو اس کے نام سے پکارا ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ عباس اسے اس کے نام سے پکارے جب ایسا ہوتا تھا تو اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ اس کے جھوٹ کو پکڑ چکا ہے جس پر خاموشی سے نظریں جھکا گئی۔“

”میں آپ کو نمبر لکھواتا ہوں۔! آپ اس نمبر پر خود انفارم کر دیں۔ عنایہ کے خاموش ہونے پر عباس نے سنجیدگی سے نرس کو کہا تو وہ نمبر نوٹ کرتی وہاں سے نکلتی چلی گئی جبکہ عنایہ منہ پھولائے سامنے رکھے صوفے پر جا بیٹھی عباس جانتا تھا اس کا غصہ بجا ہے پر وہ اس طرح کسی کو مرتے بھی تو نہیں چھوڑ سکتا تھا اگر ایسا کرتا تو اس میں اور اس شخص میں کیا فرق رہ جاتا۔“

”رات کتنی ہی گہری اور تاریک کیوں نہ ہو سورج کی روشنی کے سامنے اس ماند پڑنا ہوتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح سچ کی روشنی کے سامنے جھوٹ کو ماند ہونا ہوتا ہے۔“

”شام کے سائے ڈھل کر رات میں تغیر ہونے لگے تو چار سورات کی سیاہی گہری ہوتی ہر طرف چھانے لگی جس میں چاند کی چاندنی ہر سو پھیلنے لگی، ہولے ہولے سے چلتی ہو اذہان کو چھو کر گزر رہی تھی، جس بے خبر وہ بالکونی کے سلائڈ ڈور سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے محو غم دوش کی سی حالت میں غیر مرئی نقطے کو تکے جا رہا تھا چہرے کے تاثرات انتہائی سنجیدہ لگ رہے تھے۔“

”سوچ“ سوچ“ کر اس کا دماغ پھٹ رہا تھا کہ ایک جھوٹ مہز ایک جھوٹ کے باعث اسکی بہن کی زندگی سوال بن کر رہ گئی، اس کا اپنا سارا وجود اس جھوٹ کے نظر ہو گیا، اس کی ماں مر گئی اور وہ ساری زندگی اپنی ماں کی موت کا زمرے وار خود کو سمجھتا رہا کہ شاید اس کی خواہش پوری کرنے کی خاطر وہ اس دنیا سے چلی گئی یہ تو کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی ماں کسی کی نفرت حسد اور خود ساختہ دشمنی کی بھینٹ چڑھ گئی اور اسے خبر تک نہ ہوئی، اس ماں کی پر چھائی اس کی بہن اسکی نظروں کے سامنے پروان چڑھی جسے اتنی دعاؤں سے رب سے مانگا تھا“ کیسے احساس نہ ہوا کہ وہ اس کا خون اسکی سگی بہن ہے، کیوں اس سے علیزہ سے کبھی اپنی ماں کی خوشبو نہ آئی اور ایک عورت کے جھوٹیں دعووں پر بغیر کسی ثبوت کے آنکھیں بند کئیں یقین کرتا رہا ایک بار بھی نہ سوچا کہ دعویٰ تصدیق کروانی چاہی کہ آیا وہ اتنا سب کرنے کے بعد بھی کیوں علیزہ! کے پیچھے پڑی ہوئی ہے، سچ بھی کہہ رہی ہے یا نہیں، بیشک اسنے علیزہ کو ایک بھائی سے بڑھ کر پیار دیا بلکہ ماں باپ بن کر خیال رکھا تھا اس سے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی، لیکن پھر بھی دل میں کہی ایک خلش تھی کہ کاش میری اپنی بہن ہوتی جسے اسنے خدا سے

مانگا تھا وہ ہوتی، یہ جانے بغیر کہ وہ جس سے اتنی محبت کر رہا ہے جس کا اتنا خیال رکھ رہا ہے وہ اس کی اپنی بہن تھی اسکی ماں کی آخری نشانی ہے۔

”آپ کا فون کب سے بج رہا ہے! موبائل اس کی سمت بڑھائے گویا ہوئی عمامہ کی آواز نے اس پر چھایا سکوت توڑا تو وہ اس کی جانب متوجہ ہوا اور خالی نظروں سے اس سے دیکھا۔“

”آپ! کا فون کب سے بج رہا ہے۔ اذہان کے اس کی طرف متوجہ ہونے پر اس نے اپنی بات دہرائی تو وہ خالی زہن سے اس کی اور دیکھتے ہوئے اسکے ہاتھ سے فون پکڑ لیا جس پر وہ خاموشی سے اپنی وہیل چیئر پیچھے کرتے ایک طرف ہو گئی۔“

”علیزہ! کو واپس آئیں دو دن گزر چکے تھے اور ظاہری طور پر اب وہ پہلے سے کافی بہتر تھی اور باقی سب بھی معمول پر آنے لگا تھا پر یہ سب صرف ظاہری طور پر نظر آ رہا تھا اندر سے سب ہی اس حقیقت کو جاننے کے بعد شکوہ تھے کہ کوئی اس حد تک بھی جاسکتا ہے، علیزہ جب سے واپس آئی تھی ایک چپ سی سادھ لی تھی نہ کسی سے بات کرتی نہ ہنستی بس خاموشی سے غیر

مرئی نقطے کو تکتی رہتی، ہلکی سی آہٹ سے ڈر جاتی، کسی سے بات کرتے ہوئے گھبراتی، زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی، ساحل اور اذہان دونوں ہی اس کی اس حالت کو لے کر کافی فکر مند تھے، دوسری طرف اذہان بھی خود کو نارمل ظاہر کر رہا تھا لیکن اسکے اندر چلتا خلفشار عمامہ سے مخفی نہ تھا مگر پھر بھی اس نے بھی کچھ وقت کے لیے اس کوئی بات نہ کرنا ہی بہتر سمجھ تھا جس کے باعث دونوں کے بیچ خاموشی کی نہ نظر آنے والی دیوار حائل ہو گئی تھی جو عمامہ کو اندر ہی اندر تکلیف پہنچا رہی تھی۔“



”رات کے گہرے سائے چھٹنے لگیں تو صبح نے انگڑائی لی اور سورج طلوع ہو کر پوری آب و تاب سے اپنی کرنیں بکھیرتے اپنے عروج کو پہنچ کر ڈھلنے لگا اور ایک مصروف دن گزر کر ایک بار پھر شام کے سائے ڈھلنے لگے تھے۔“

”صبح کی فلائیٹ سے ساحل علیزہ کو اپنے ساتھ لندن لے گیا تھا، اسکا کہنا تھا کہ وہ جب تک یہاں رہے گی اسی طرح سوچ سوچ کر ڈپریشن کا شکار ہی رہے گی اور کبھی اپنے ساتھ ہوئی ٹریجڈی

بھول نہیں پائیں گی، ماحول اور آب و ہوا بدلنے سے اس طبعیت بھی بہتر ہوگی اور سب بھولنے میں بھی آسانی ہوگی، ویسے بھی اب وہ وجہ بھی ختم ہوگئی تھی جس کو لے کر اذہان اُس سے خود سے دور لیکر جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا، تو اذہان کو بھی ماننا پڑا اور ایک بار پھر اپنی بہن کو ساحل کے ساتھ خوشدلی کے سے رخصت کیا تھا۔“

”علیٰ زہ کے جانے کے بعد اذہان کو بھی ضروری کام سے اوفس جانا پڑ گیا جس کی سبب عمامہ اور اذہان میں کوئی بات نہ ہو پائی تھی،

جس پر عمامہ کا دل برداشتہ ہوگئی جبکہ وہ جانتی تھی ایسا اذہان جان بوجھ کر نہیں کر رہا بلکہ وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا تھا اس کا خیال رکھنے کی لیکن کچھ دنوں میں جو عمامہ کو اسکی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسکا پروا کرنا زہرہ سی بات پر محبت جتنا، اسکی باتیں، اسکی نظریں، مطلب کہ بس عمامہ کو اسکی پوری توجہ اسکی نگہ التفات کی عادی ہونے لگی،

اور اب جب اسکی محبت میں کوئی دوسرا بھی حصے دار شامل ہوا تو ناجانے کیوں اسے اچھا نہیں لگا رہا تھا اس لگا کے شاید اذہان اس دور ہو جائیگا یا پھر اس وہ محبت وہ اٹینشن نہیں دے رہا جو پہلے دے رہا تھا جس پر صرف اسی کا حق ہے۔“

”اب اُس سے اذہان کا اپنے علاوہ کسی اور کا خیال رکھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، جس کہ باعث عمامہ پڑمرہ سی ہونے لگی تھی اس لگا رہا تھا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ لیا اور اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہو جبکہ وہ جانتی تھی یہ سب غلط ہے اسے ایسا نہیں سوچنا چاہیے علیزہ اسکی بہن ہے اور اس پر بھی اسکا پورا حق ہے، لیکن دل کو کون سمجھائیں جو کچھ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔“

”سوئمنگ ایریا میں بلیک کلر کے سادہ کڑتے کے ساتھ ہم رنگ کھلے پائنجوں کے ٹروزار پہنے معمول کے برعکس آج آدھے بالوں کو کیچر میں مقید کیے تھی باقی کمرے پر کھلے چھوڑ رکھے تھے جبکہ دو آوارہ لٹے اس کے چہرے پر جھول رہی تھی پول کے کنارے بیٹھی پانی میں پاؤ لٹکائے اپنے اندر چلتے خلفشار سے لڑنے میں مصروف تھی کہ آنکھوں سے ایک موتی ٹوٹ کر

بہہ نکلا جسے وہ بے دردی سے اپنے ہاتھ کی پشت سے صاف کر گئی تھی، بھوری آنکھوں میں آج ویرانی نہیں بلکہ اپنے محبوب سے کچھ شیکائیں تھی جنہیں وہ آج اذہان سے بات کر کے دور کرنے کا ارادہ رکھتی تھی، کیونکہ اب وہ اذہان سے مزید دوری سہہ نہیں پار ہی تھی، انہیں سوچوں میں گم تھی کہ اذہان کی گاڑی کی آواز پر اسکے افسردہ دل کو قرار آیا جس پر وہ گہرا سانس لیتی فوراً سے اپنے آنسو صاف کرتی دائیں بائیں اپنا دوپٹہ تلاش کرنے لگی جو شاید وہیل چیئر پر رہ گیا تھا اور بوانے اسکے کہنے پر وہیل ایک طرف کر دی تھی۔“



”اذہان گاڑی سے اتر کر اپنے بازو پر کوٹ لٹکائے تیزی سے اندر بڑھنے لگا تھا کہ اس کی نظر عمامہ پڑی جسکی اس کی طرف پشت تھی اس کے قدم رکیں اور پھر اندر جانے کا ارادہ ترک کرتے اس طرف چلا آیا۔“

”اسکے قدموں کی آہٹ پر عمامہ کی دل کی دھڑکن بڑھنے لگی تھی عجیب سی خوشی کیفیت ہو رہی جسے بیان کرنے کے لیے اسکے پاس الفاظ نہیں تھے، کچھ لمحے قبل جو اس کی بے اعتنائی

برتنے پر دکھی ہو رہی تھی اب اس کے قدموں کی چاپ پر ہی اس کی اسکی سانسیں بے ترتیب ہونے لگی تھی۔“

”گڈ ایوننگ مسسز اذہان شاہ! اس کے قریب آتے پنچوں کے بل بیٹھ کر عمامہ کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے بول اس کی طرف دیکھا آج اس کا موڈ بھی پہلے سے کافی بہتر تھا تو اذہان کے منہ سے مسسز اذہان شاہ سن کر ایک مسحور کن احساس اس کو اندر تک سرشار کر گیا جس پر عمامہ نے سر گھما کر اس کی اور دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔“

”تم رورہی تھی عمامہ! اس کی سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ اذہان کو فکر ہوئی جس پر عمامہ نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔“

”تو پھر تمہاری آنکھیں سرخ کیوں ہو رہی ہیں؟ تمہاری طبعیت تو ٹھیک ہے؟ اپنے بازو پر لٹکا کوٹ ایک طرف رکھتے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اٹھاتے اس کے دل کو تسلی نہ ہوئی دوسری جانب اذہان کو اپنے لیے یوں فکر مند ہوتا دیکھ ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔“

”اذہان! میں ٹھیک ہوں! شاید ہوا سے اڑ کر آنکھ میں کچھ چلا گیا ہو گا آپ خوا مخواہ فکر کر رہے ہیں۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے نظریں جھکا کر بہانہ بنایا تھا اب کیا کہتی کہ وہ اسی کی بے اعتنائی برتنے پر دکھی ہے۔“

”میں خوا مخواہ فکر کر رہا ہوں! ذرا تم اپنی آنکھیں دیکھو کس قدر سرخ ہو رہی ہیں! تمہیں ذرا اپنا خیال نہیں! ذرا میرا دھیان تم سے کیا ہٹا“ تم نے اپنی فکر ہی چھوڑ دی، اور اگر ہوا سے اڑ کر کچھ گیا ہے، تہہ...! تو تم یہاں بیٹھی ہی کیوں ہو۔ خفگی سے کہتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر اس سے اپنی بانہوں میں اٹھالیا تھا عمامہ کو تو کچھ سنائی ہی کہا دے رہا تھا وہ تو بس محوت سی یکتگی باندھے اسکی گردن کے گرد بازو حائل کر گئی۔“

”تم سن بھی رہی ہوں! میں تم سے بات کر رہا ہوں دھیان کہا ہے تمہارا! اس یونہی اپنی بانہوں میں اٹھائے وہ بیک یارڈ میں لے آیا اور وہاں لگے جھولے پر بیٹھاتے اسکے کوئی جواب نہ

دینے پر اس کی خفگی بڑھی پر وہ تو بس اذہان کو اپنے لیے فکر مند ہوتا دیکھ کر ہی ہوش گئی اور بنا کچھ کہے اسکے سینے سے لگ گئی اس غیر متوقع عمل پر حیرت زدہ ہوئی پر کہا کچھ نہیں خاموشی سے اس کے گرد بازو حائل کر گیا۔“

”عمائمہ تم ٹھیک ہونا“ یونہی اس سے خود میں سموئے اب اس کی خفگی زائل ہو کر اندیشے میں تغیر ہوئی تھی اور وہ بنا کچھ کہے اپنی گرفت ایسے مضبوط کر گئی جیسے اسکا کوئی فیورٹ کھلونا گم ہونے کے بعد واپس مل گیا ہو جس پر اذہان کی حیرت میں اضافہ ہوا تھا پر بنا کچھ کہے وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا تو اذہان کو اپنی گردن پر گیلا سا محسوس ہوا۔“

”عمائمہ! تم رورہی ہو خود سے الگ کرتے اذہان نے نرمی سے استفسار کیا تو وہ نظریں جھکا کر نفی میں سر ہلاتی اپنی آنکھوں کے کونے صاف کرنے لگی جس پر وہ اسنے جانجی نظروں سے دیکھا۔“

”مجھے تمہاری طبیعت صحیح نہیں لگ رہی، میں ابھی ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔ متفکر نہ انداز میں کہتے اذہان اپنا فون لینے کی غرض سے اٹھنے لگا تو عمائمہ نے اس ہاتھ پکڑ کر روکا لیا۔“

”مجھے ڈاکٹر کی نہیں! آپ کی ضرورت ہے، آپ چاہئے ہو مجھے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر بھیگی پلکیں اٹھا کر ضدی لہجے میں بولتی اسے چونکنے پر مجبور کر گئی تھی۔“

”ہاں! میں ہوں تو سہی تمہارے پاس۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ایک ٹانگ فولڈ کرتے اس کے پاس بیٹھا تو عمامہ نے اس سے ایسے دیکھا گویا اسکی سچ بھی کہہ رہا ہے یا نہیں۔“

”میں جانتی ہوں اذہان! پر اس دل کا کیا کروں جو مانتا ہی نہیں، میں بہت بے بس محسوس کر رہی ہوں بس دل چاہ رہا ہے کہ میں زور زور سے روؤں ایسا لگ رہا میں پاگل ہو رہی ہوں مجھے لگ رہا ہے کسی نے میرے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا مجھے سانس نہیں آرہی میں اپنی دلی کیفیت بیان کرنے سے ناچار ہوں۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو نوچتے وہ اپنی دلی کیفیت بیان کرنے سے قاصر تھی۔“

”یہاں دیکھوں میری طرف مجھے بتاؤ کیا ہوا میری کسی بات سے ہرٹ ہوئی میں نے کچھ ایسا کہا جو تمہیں اچھا نہیں لگا۔ اسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتی سنجیدہ مگر نرم لہجے میں متفسر ہوا تو وہ کچھ پل کے لیے کچھ نہ بول سکی۔“

”میں جانتی ہوں یہ صحیح نہیں ہے علیزہ آپکی بہن ہے اسکا آپ پر حق ہے اسکی فکر کرنا اس کے اسکی پرواہ کرنا آپکا فرض ہے لیکن“...!!! وہ کہتے ہوئے دانستہ طور پر رکی تھی۔

”لیکن کیا؟ عمامہ۔! اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کیے اس سے تشویش ہوئی۔“

”میں خود غرض نہیں بننا چاہتی اذہان۔! پر میں خود کو بہت بے بس محسوس کرتی ہوں۔! مجھے لگ رہا ہے آپ بھی امی بابا کی طرح مجھے بھول جائیں گیں، جیسے وہ عنایہ کا خیال رکھتے رکھتے مجھے وہ بھول جاتیں تھیں، آپ بھی کہیں علیزہ کا خیال کرتے کرتے مجھے ہی فراموش نہ کر دیں، اگر ایسا

ہوا تو میں سہہ نہیں پاؤں گی۔ ٹوٹے ہوئے لہجے میں اپنی بے بسی کا اظہار کر رہی تھی جس پر اذہان تڑپ کر رہ گیا کہ آیا اس کا غلطی ہوئی جو عمامہ اتنی دل گرفتہ ہو گئی اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔“

”جب تک آپ میری زندگی میں نہیں آئیں تھے، مجھے یہ سب اتنا تکلیف نہیں دیتا لیکن اب شاید میں خود غرض ہونے لگی ہوں مجھے آپ چاہئے ہو۔! آپ کا پیار۔! آپ کی التفات“ آپ کی فکر سب، میں آپ کو کسی کے ساتھ شئیر نہیں کر سکتی کسی کے ساتھ نہیں۔! علیزہ کے ساتھ بھی نہیں۔! آپ صرف میرے ہیں آپ پر صرف میرا حق ہے۔ وہ کسی ضدی بچے کی مانند ضد کر رہی اپنا حق جتا رہی تھی جس پر اذہان کو شدت سے بھی پیار آ رہا تھا اس کی حالت دیکھ کر دکھ بھی ہوا جس پر آگے بڑھ کر وہ اسے خود میں بھینچ گیا۔“

”میں صرف تمہارا ہوں۔! صرف تمہارا۔! میری زندگی میں تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا کوئی نہیں علیزہ بھی نہیں اس کی اپنی جگہ اور تمہاری اپنی۔ عمامہ کو اپنے ساتھ لگائے پر مستحکم مضبوط انداز صرف تمہارا پر زور دیتے یقین دلانے کی کوشش کی لیکن آج وہ اس کی کسی بھلاویں میں نہیں آنے والی تھی۔“

”پھر آپ مجھ سے اتنے دنوں سے بات کیوں نہیں کر رہے آپ نے مجھے اگنور کیوں کیا! آپ جانتے ہیں آپ کے اس بیہویر سے مجھے کتنی تکلیف ہوئی! میں مانتی ہوں آپ پریشان تھے، دکھی تھے، لیکن آپ اپنی پریشانی میرے ساتھ بانٹتے تو مجھے اچھا لگتا، مجھے لگتا، کہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں کہ اپنی پریشانی شئیر کر سکیں، لیکن آپ صرف لفظی طور پر یہ سب کہتے ہیں، صرف میرا دل بہلانے کے لیے اصل میں ایسا نہیں ہے، آپ جھوٹے ہیں، جھوٹے!! وہ ایک بار پھر اپنی خفگی کا اظہار کرتے اس کے سینے پر مکے مارنے لگی جس پر اذہان اس ہاتھ پکڑنے کی سعی کرنے لگا پر آج تو وہ جیسے اپنے سارے اگلے پچھلے حساب کتاب چکتا کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔“

”عمائمہ!! عمائمہ!! میری بات سنو!! بات تو سنو!! اسکے مکے برساتے ہاتھوں کو روکنے کی کوشش کی تھی۔“

”نہیں سننی، مجھے آپ کی کوئی بات! آپ جھوٹے ہیں!! جھوٹے!! میں آج آپ کی کسی بات کسی دلیل میں نہیں آؤ!!!!!!“

اس کی بات قطع کرتے ہوئے جھک کر اس کی چلتی ہوئی زبان پر کفل لگاتے ہوئے اس کی سانسوں خود میں انڈھیلنے لگا اس غیر متوقع عمل پر عمامہ کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئی اور اس کے دل کی دھڑکن منتشر ہوئی تھی اس ایسے لگا جیسے کسی نے اس جلتے ہوئے وجود پر شبنم کی پھوار پڑی ہو۔

کچھ دیر تک یو نہی اس کی سانسوں کو خود میں انڈھیلنے کے بعد آہستہ سے اس الگا ہوا تو اپنی منتشر ہوتی سانسوں کو اعتدال میں لانے کی سعی کرتی حیا و شرم کی لالی سرخ قدھاری ہو رہی تھی۔“

”اب میں تمہیں اپنی بات کسی دلیل سے نہیں، بلکہ اپنے عمل سے اپنی محبت یقین دلاؤں گا۔ اس کا چہرہ ہاتھ میں لیے اسکی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکائے لودیتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بھاری لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولتے اس کے اوسان خطا کر گیا تو وہ ہولے ہولے سے لرزنے لگی جس پر اذہان کے چہرے کو ایک دلفریب مسکراہٹ چھو کر گزری اور اسنے نفی میں سر ہلایا۔“

”ابھی تو پورا ٹریلر بھی نہیں دیکھا یا جانم۔! اور تم لرزنے لگی پوری فلم دیکھا دی تو پھر کیا کروں گی۔ شوخی سے کہتے ہوئے اس کے ماتھے پر لب رکھے جس پر وہ اس کا لمس محسوس کرتی آنکھیں موند گئی۔“

”اذہان آپ بہت برے ہیں۔! اپنی خفت مٹانے کو بات بدلتے ہوئے اس کے سینے سے لگی تھی۔“

”کبھی کہتی ہو جھوٹا ہوں۔! کبھی کہتی ہو برا ہوں۔! ایک بار خود ہی ڈیسا ٹیڈ کر لو جھوٹا ہوں۔! یا برا۔! ایک بازو اس کے گرد حائل کرتے دوسرے سے اس کے چہرے پر آنکھیں بال کان کے پیچھے اڑستے شوخ گھمبیر لہجے میں متفسر ہوا جس پر عمامہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔“

”آپ۔! آپ برے بھی ہیں۔! جھوٹے بھی ہیں۔! اور آپ وہ کیا کہتے ہیں...! وہ بھی ہیں۔! اذہان کی ذرا سی بے باکی پر جو اس کے بال بکھر گئے تھے انھیں سمیٹتے ہوئے مصنوعی خفگی سے

کہتی اپنے بالوں کا جوڑا بنانے لگی تو اذہان نہ سمجھی سے اس کی طرف دیکھتے اس کے بالوں کو اس کے ہاتھوں سے آزاد کروایا تھا۔“

”انہیں ایسے ہی رہنے دو اچھے لگ رہے، تم یہ بتاؤ وہ کیا۔ آنچ دیتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اذہان اس کی ادھوری بات کی طرف دھیان دلایا۔“

”وہ جو کنجوس مکھی چوس ہوتیں ہیں، بخیل اور وہ جو اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتیں، پر سوچ انداز میں سوچتے ہوئے اپنے زہین کے مطابق جودل میں آیا بول گئی۔“

”کیا مطلب! عمامہ سے اپنے لیے ایسے القابات سن کر حیرت ہوئی تھی۔“

”مطلب کے ہماری شادی کو مہینہ ہونے کو آیا ہے، اور آپ نے مجھے ایک گفٹ نہیں دیا“ ایک گفٹ حطہ کے کبھی میرے لیے گجرے تک نہیں لائے، باتیں کروالو بڑی! بڑی!۔ اب کی بار اسکی ناراضی بجا تھی جس پر اذہان دل سے پشیمان ہوا۔“

”ہمم۔! لیکن تمہیں تو گجرے پسند ہی نہی۔! اذہان فور آسے بات بناتے یاد دلا یا تو عمامہ نے افسردگی سے اپنی کلائیوں کو دیکھا جن میں کبھی وہ بڑی شوق سے گجرے چوڑیاں پہنتی تھی۔“

”ہاں شاید۔! جب تک آپ میری زندگی میں نہیں آئیں تھے، لیکن ایک وقت تھا جب میرے یہی شوق تھیں مہندی ”چوڑیاں“ گجرے“ شوق کہہ لیں یا پھر میرے جینے کی وجہ، اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ میرے سارے شوق میرے سارے خواب مرتے چلے گئیں یہاں تک کہ میں نے خود بھی مارنے کا سوچ لیا۔ اپنی کلائیوں پر نظریں جمائے وہ کہیں دور جانگلی تھی۔“

”ہمم۔! لیکن تمہیں تو گجرے پسند نہیں تھے۔! اذہان فور آسے بات بناتے گویا یاد دلا یا تو عمامہ نے افسردگی بھری حسرت لیے اپنی کلائیوں کو دیکھا جن میں کبھی وہ بڑی شوق سے گجرے چوڑیاں پہنتی تھی۔“

”ہاں شاید۔! جب تک آپ میری زندگی میں نہیں آئیں تھے، لیکن ایک وقت تھا جب یہی میرے شوق تھیں، گجرے“ چوڑیاں“ مہندی ”شوق کہہ لیں یا“ پھر میرے جینے کی

وجہ، اور پھر وقت کے ساتھ “ ساتھ “ میرے سارے شوق میرے سارے خواب مرتے چلے گئیں، یہاں تک کہ میں نے خود کو بھی ختم کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ اپنی کلائیوں پر حسرت بھری نظریں جمائے وہ کہیں دور جانگی تھی اور اسکی بات سن کر وہ تعجب زدہ سا اسے دیکھ کر رہ گیا۔“

”جب شوق مر جائیں اور شوق بھی وہ جو جینے کی وجہ ہو تو زندگی بے مقصد لگنے لگتی ہے اور بے مقصد زندگی ایک عذاب، ایسے میں جب اپنے بھی آپ سے بیزار رہنے لگیں، اپنے پیروں کی زنجیر اپنی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھیں تو پھر خوابوں کے ساتھ دل بھی مر جاتا ہے زندگی وبال بن جاتی ہے؛ ایسے میں جب کوئی آپکی بات سننے والا آپکو سمجھنے والا بھی نہ ہو جسے آپ اپنا کہہ سکے جسکے کندھے پر سر رکھ اپنی تکلیف بانٹ سکے تو پھر خود کو مایوسیوں کے اندھیروں میں گم ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا، لیکن مایوسیوں کے اس اندھیرے میں بھی روشنی کی کرن تھی جو مجھے خود کشی جیسے حرام امر انجام دینے سے روک لیتی ایک انجانی طاقت اور ہر بار میں اسے کچھ وقت تک ٹال دیتی۔ اپنی انگلیوں کو موڑتی رنجیدگی سے بتاتے ہوئے پھیکا سا مسکرائی

اسکی آنکھوں میں چھپا درد اس کے لہجے کی افیت سے وہ باخوبی واقف تھا۔ ایک موتی چھلک کر اس کے گال پر بہہ گیا۔“

”دنیا کی اس بھیڑ میں جب بالکل تنہا رہی گئی اور وہ روشنی کی کرن بھی ماند پڑنے لگی اور مجھے لگا اب بس میری ہمت جواب دینے لگی ہے تو اللہ نے آپ کو بھیج دیا۔ نظریں جکائے کہتے ہوئے عمامہ نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھائی تو نظریں اذہان کی نظروں سے ٹکرائی جو بغور اس سن رہا تھا۔“

”میں نے جب پہلی بار آپ کو دیکھا، میرے دل نے اسی لمحے آپ کو اپنا مان لیا، لیکن جب نظر خود پر گئی تو مجھے احساس ہوا کہاں میں ایک اپاہج“ اور کہاں آپ! آپ کو اپنا مان تو سکتی ہوں! لیکن بناں نہیں! میری تو معمولی سی خواہش کو لوگوں نے جانے کیا کیا نام دے دیے، آپ تو پھر آسمان میں چمکتے ہوئے چاند ہیں، جسے میں صرف دور دیکھ سکتی تھی، کبھی چھو نہیں!! اسی لیے دوبارہ آپ کے سامنے آنے سے بھی گریز برتی رہی، کہ کہیں آپ کی آنکھوں میں نظر آنے والی کشش میں کھو کر کہیں میں خود کو ہی نہ بھلا دوں۔ تاسف و حسرت آمیز لہجے میں کہتے ہوئے

نظریں جھکا گئی یہ جان کر کہ وہ بھی اسے تب سے ہی چاہتی اذہان کی آنکھوں میں بھی خوشگوار حیرت آسائی۔

”آپ کو یاد اذہان! جب علیزہ! کالا سٹ پیپر تھا اور مجھے یقین تھا کہ آپ اب نہیں آئیں گیں، اور میں جو آپ کی نظروں سے گریز برتنے کے لیے خود کو اپنے کمرے قید کر چکی تھی ایک آخری بار دیکھنے کی خواہش شدت اختیار کر گئی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے آپ کو اس قید سے آزاد کرتی باہر آ گئی دل میں ایک امید تھی کہ آپ آئیں گیں، اور پھر آپ آگئے میں بتا نہیں سکتی کتنی خوشی ہوئی تھی آپ کو دیکھ کر! جب آپ نے مجھے چھو ایسا لگا جیسے چاند خود میرے دامن میں آسما یا ہو، میں اپنی خوشی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی اذہان! سامنے دیکھ کر ٹرانس کی کیفیت بولتے ہوئے وہ اسی لمحے میں کھو گئی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی جو اگل ہی پل اداسی میں تغیر ہو گئی۔“

”اور میں جو آپ کے چھونے سے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی، اگلے ہی لمحے اپنی کمی یاد آنے پر منہ کے بل زمین پر آگری، لیکن جب آپ نے کہا کہ آپ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں تو مجھے لگا

جیسے میں نے کچھ غلط سن لیا ہو مجھے اپنی قوت سماعت پر گمان گزرا کہ آیا مجھ اپانج سے بھی بھلا کوئی محبت کر سکتا ہے، اگر ایسا ہے بھی تو میں اپنی وجہ سے کسی کو آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتی یہی سوچ کر آپکا ہاتھ جھٹک دیا۔“ کے میری محبت خود غرض نہیں! مجھے آپ کو اپنے ساتھ قید نہیں کرنا تھا کیونکہ یہ قیدے تنہائی کس قدر اذیت ناک ہوتی کوئی مجھ سے پوچھے۔ اسی انداز میں کہتے ہوئے آخر اس کی جانب دیکھا تو اذہان کو اس کے چہرے صدیوں تھکن محسوس ہوئی۔“

”جتنا میں آپ سے دور جانے کی کوشش کرتی اتنا ہی آپ میرے اعصابوں پر چھانے لگے میرے دل و دماغ پر قابض ہونے لگے، جب جب میں اپنے دل کو سمجھاتی کہ میں نہیں ہوں آپ کے لائق“ میرا آپ پر آپکی محبت پر کوئی حق نہیں! اب نہیں سوچوں گی آپ کے بارے میں بھول جاؤ گی آپکو، تب تب آپ میرے سامنے مجھے میری محبت کو آزمانے آجاتے اور میں کمزور پڑنے لگتی، آپکی محبت کے سامنے میری ضد ہار گئی اذہان! کب کیسے آپ نے میرے انکار کو اقرار بدل دیا کچھ سمجھ ہی نہیں آیا“ آپ کا میری پروا کرنا میری چوٹی چھوٹی ضرورت کا خیال رکھنا اچھا لگنے لگا، آپکا مجھے دیکھنا“ مجھے سے باتیں کرنا“ کب مجھے مایوسیوں کے اندھیروں سے

نکال لایا مجھے خبر ہی نہ ہوئی، یہ دل پھر سے جینے کی خواہش کرنے لگا ہے۔ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے عمامہ نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا جس پر اذہان کے چہرے پر تبسم پھیل گئی کب سوچا تھا اسنے کے عمامہ اتنی جلدی اپنی محبت کا اظہار کرے گی۔“

”میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں یا“ آج پھر کوئی نیند کی دوالی ہے اور ہوش میں آنے کے بعد تم پھر سب بھول جاؤں گی۔ ذرا سا جھک کر پر شوخ انداز سرگوشی نما سوال کیا تو عمامہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔“

”کیا مطلب!! وہ خفا ہوئی۔“

”دوبار پہلے بھی تم اپنی محبت کا اظہار کر کہ خوش فہمی میں مبتلا کر چکی ہو۔! اور ہوش میں آنے بعد صاف مکر گئی تھی۔ اس کے گرد بازو حائل کرتے اس کندھے پر ٹھوڑی رکھتے دل ربا انداز میں متفسر ہوا تو عمامہ نے متعجب نظرو سے اسے دیکھا جیسے اس نے کچھ غلط سنا ہو۔“

”میں نے کہا تھا میں زبردستی کا قائل نہیں عمامہ۔! اس کی اور دیکھنے پر اس یاد دلایا۔“

”ہمم“...!!

”میں نے سوچ لیا تھا کہ اپنی محبت زبردستی مسلط کرنے کے بجائے اپنے دل کو کڑا کر کے میں یہاں سے بہت دور چلا جاؤ گا کیونکہ محبت زبردستی کا سودا نہیں! یہ دلوں کے سودے جو زبردستی نہیں طے کئے جاسکتے، تمہیں بھولنا تو ممکن نہیں پر جو چند پل تمہارے ساتھ گزارے وہ میری زندگی کے لیے بہت تھے، مگر جانے سے قبل ایک آخری بار دیکھنے کی خواہش مجھے تمہارے کمرے تک لے گئی اور جب تم نے مجھ سے پہلی بار اپنی محبت کا اظہار کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ صرف میں ہی نہیں تم بھی محبت کی آگ میں جل رہی ہو! میں نے تب ہی سوچ لیا تھا اب چاہے تم کچھ بھی کہو مجھے کچھ بھی کرنا پڑے تمہیں اپنا بنا کر ہی رہو گا۔ اذہان نے اس کے کندھے پر ٹھوڑی رکھے اچھی خاصی وضاحت کر دی جس پر وہ متعجب نظروں سے اسے دیکھ گئی۔“

”اور دوسری بار؟ عمامہ نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔“

”ہماری ویڈنگ نائٹ جو کہ گولڈن نائٹ ہونی چاہیے تھی میں نے سب خراب کر دیا، لیکن میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا اور ویسے بھی کہتے ہیں نا، جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا اس رات اگر میں ٹائم پر آ جاتا تو شاید اپنی اتنی خوبصورت دلہن کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو کرنا تھوڑا مشکل ہو جاتا میرے لیے۔ اسکارخ اپنی جانب کر کے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ایک ہاتھ سے اس کے چہرے پر آئیں بال کان کے پیچھے اڑیستے شروع میں تاسف سے کہتے ہوئے آخر میں شرارت سے اس کی ناک کھنچی تھی۔“

”مطلب“!!!....

مطلب یہ کہ ولیمے والے دن میں نے تمھاری اور تمھاری کزن باتیں سن لی تھی مگر اس قبل کے میں آگے بڑھ کر اس کا منہ توڑتا وہاں سے جا چکی تھی اور میں اس کا چہرہ دیکھ نہیں سکا، تم سے پوچھا اس لیے نہیں کہ مجھے لگا تم نے اسکی کہیں باتوں پر یقین نہ کر لیا ہو اور تمھیں سچ میں ایسا نہ لگے کہ میں نے تم سے شادی اپنی کسی نفسانی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر کی اپنی محبت کی اتنی تذلیل برداشت نہیں کر سکتا تھا میں تو تمھاری روح کا داد خواہ ہو مجھے تمھارے جسم سے کیا

غرض جو میں آگے بڑھ کر اپنی صفائی پیش کرتا۔ اذہان نے صاف گوئی سے کام لیا تو وہ اسکی بات پر دنگ رہ گئی اس یاد آیا کیسے اذہان خود کو اس کے قریب آنے سے روکتا تھا کس طرح اپنے جذبات پر جبر کرتا اس گریز برتا تھا جس وہ سمجھتی رہی کہ وہ اسے اس رشتے کو سمجھنے کے لیے وقت دے رہا مگر وہ تو خود پر جبر کر رہا تھا یہ سب سوچ کر عمامہ کو اپنی قسمت پر رشک ہوا۔“

”کاش! کہ آپ ایک بار پوچھنے کی زحمت کر لیتے تو آپ کا یہ مغالطہ میں اسی دن دور کر دیتی اور بتاتی کہ دنیا چاہے کچھ بھی کہہ آپ کی عمامہ! کو اپنے اذہان پر پورا یقین ہے، اور اگر ایسا ہے بھی تو اس میں کوئی قباحت نہیں شرعی قانونی بیوی ہوں پورا حق حاصل ہے کسی کے کہنے سے یہ حقیقت بدل تو نہیں جائیں گی، وہ تو یہ سب کہہ کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی نا۔ اسکی گردن کے گرد بازو حائل کرتے بنا کسی ہچکچاہٹ کے اسکی کالی آنکھوں میں اپنی بھوری آنکھیں گاڑھے رسان سے کہتے اس کے ماتھے سے اپنا ماتھا ٹکاتے آخر میں مقصد پر زور دیا جس کا مطلب وہ باخوبی سمجھ گیا تھا، اذہان تو آج اس کے ہر انداز پر ہی حیرت میں مبتلا ہو رہا تھا اب کی بار اس حیرت کے

ساتھ پیار بھی آیا جس پر مسکراتے ہوئے وہ بھی اس کے گرد حصار بناتے اپنے قریب کر گیا جس وہ نظریں جھکا گئی۔“

”کون سا مقصد ذرا اس پر نظر ڈال دیں جانم۔ آنکھوں میں خمار لیے اس کے ناک کو تشنگی لبوں سے چھوتے اذہان نے سوال کیا تو اپنی پوزیشن سمجھتے گڑ بڑا کر اس الگ ہونے کی کوشش کی جس پر وہ ناکام ٹھہری اذہان کی قربت پر دل الگ ہی ترنگ میں دھڑکنے لگا۔“

”آپکو مجھ سے دور رکھنے کا اس کی قربت پر لرزتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی دوسری جانب اذہان اپنی گرفت مضبوط کرتے اس کے دونوں آنکھوں پر جھکا۔“

”مطلب میری دوری سے تمہیں فرق پڑتا ہے۔ خمار آلود لہجے میں کہتے وہ اسکے دونوں گالوں کو اپنے لمس سے مہکا گیا جس پر اسکی بڑھتی ہوئی جسارت کی تاب نہ لاتے اس کے کالر کو مٹھائیوں میں دبوچ گئی تھی۔“

”اذہان! کیا کر رہیں ہیں! کوئی دیکھ لے گا ہم کمرے میں نہیں ہیں لان میں ہیں۔ اس کے لمس پر مشتمل ہوتی دھڑکنوں کو اعتدال میں رکھنے کی کوشش کرتے دھیان دلایا۔“

”تو پھر کمرے چلیں ہیں وہاں چل کر تم آرام سے میرے سارے مغالطے دور کرنا اور میں تمہارے۔ کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے قریب کرتے اسکے کان کی لو کو لبوں سے چھوتے گھمبیر بھاری لہجے میں سرگوشی کی جس پر اسکی بات کا مفہوم سمجھتے عمامہ کی ریڈ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی حیا سے پلکیں جھک گئی تھی۔“

”میں بھی ناکتنی پاگل ہوں! آپ ابھی اوفس سے تھکے ہارے گھر آئیں ہیں بجائے آپ سے چائے پانی پوچھنے کے اپنی باتوں میں الجھا دیا“ صحیح کہتے ہیں آپ کہ میری پاگل بیوی ہے۔ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فاصلہ بناتے عمامہ نے فوراً سے بات بدلی تھی جس پر اذہان بے ساختہ ہنس دیا۔“

”باتوں میں نہیں خود میں الجھا لیا ہے پاگل۔!، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ اسی طرح الجھا رہنا چاہتا ہوں دنیا جہاں سے بے خبر ہو کر۔! خیر تم بوا سے چائے کا کہوں جب تک میں چینج کر کے آتا ہوں۔ اپنے جذبات کی طنابیں کھینچتے اس کے گال سے اپنی ناک رب کرتے نرمی سے گال کو چھوتے وہ اٹھا تو عمامہ کو اس کا یوں اٹھ کر جانا سے اچھا نہیں لگا تھا جس پر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔“

”اذہان۔!“

ڈونٹ وری مجھ برا نہیں لگا، ویسے بھی میں ان لمحات کو یاد گار بنانا چاہتا ہوں اس کے لیے جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں رات تک کا ویٹ تو کر ہی سکتا ہوں، لیکن اس زیادہ اب یہ دوری سہہ نہیں پاؤ گا۔ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے نرمی سے گویا ہوا تو اس کی رکی ہوئی سانس بحال جو اس کی ناراضگی کے ڈر سے رک گئی تھی جس پر وہ اپنی پلکیں جھکا گئی۔“

”اور ہاں! میں چاہتا ہوں کہ آج تم میرے لیے تیار ہو۔ اسکی فرمائش پر عمامہ کی جھکی پلکیں اٹھی اور لبوں پر تبسم پھیل گئی اور بے ساختہ سر کو جنبش دیتی رضامندی ظاہر کی۔ جس پر اذہان چہرے پر دلکش مسکراہٹ لیے اندر کی اور بڑھ گیا۔“



”شام ڈھل کر رات میں تغیر ہو گئی تھی ہر سمت اندھیرے نے پر پھیلا لیے آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کو بادلوں نے اپنی اوٹ میں چھپا رکھا جس کے باعث سیاہی مزید گہری ہو گئی تھی۔“

”مین گیٹ سے داخل ہو کر راہداری سے ہوتے ہوئے سفید پنجاہ و پور ٹیکو میں آکر رکی تھی۔“

”بی بی جی! گھر آ گیا ہے۔ گاڑی کے رکنے پر ڈرائیور نے اطلاع دی مگر کوئی جواب نہ آیا تو درمیانی عمر کے ڈرائیور نے ایک سرسری سی نظر پچھلی نشست پر ڈالی تو پلٹا بھول گئی جہاں نشے میں دھت کرن خود سے بڑاڑانے میں مصروف تھی، سیاہ سلک کے سلیولس گاؤن کے ساتھ ڈارک میک میں کھلے سلکی بال نشے میں چور ہونے کے باعث بکھرے ہوئے تھے اپنی ہلکی بڑھی شیو کو کھجاتے ہوئے شیطانی مسکراہٹ پھیلی تھی جسے وہ اگلے ہی لمحے چھپا گیا۔“

”بی بی جی! گھر آ گیا ہے۔ ایک بار پھر ڈرائیور نے بتایا تو اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر دروازہ کھول کر اترنے لگی تھی کہ رک کر پلٹی تو وہ جو لپچائی ہوئی نظروں سے اس کے وجود پر نظریں گاڑھے ہوئے تھا کڑ بڑا گیا۔“

”اذہان شاہ! میرا ہے تم دیکھنا وہ ایک دن اس اپاہج کو چھوڑ کر میرے پاس آئے گا“ وہ میرا ہے اسے میرا ہونا ہی ہو گا“ یاد رکھنا۔ بند ہوتی آنکھوں لرزتے وجود اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس وقت اپنے حواس میں نہیں ہے۔“

پہلے بھی وہ آزاد خیال تھی بوئے فرینڈ کلب نائیٹ پارٹیز ڈرنک اس کے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن جب سے اذہان نے اسے ٹھکرایا تھا تب سے اسنے ڈرگزیلینا شروع کر دی تھی جس کی خبر اسکے ماں باپ کو نہ ہو سکی۔“

”گاڑی سے اتر کر لڑکھڑاتے ہوئے ابھی چند قدم ہی چلی ہوگی کہ توازن کھوتے ہوئے گرنے لگی تھی، وہ جو گاڑی اتر کر اسکی تقلید میں چلتے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھا رہا تھا اسکے زمین بوس ہونے سے قبل آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔“

”آرام سے ابھی گر جاتی آپ! اُسے اپنے اس قدر قریب دیکھ کر اسکے جذبات مچل گئے جس پر قابو باتے اس دور ہوتے بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوا۔“

”اذہان مجھے پتا تھا تم مجھے گرنے نہیں دو گے، میں جانتی تھی تو ایک دن اس اپاہج کو چھوڑ کر میرے پاس ضرور آؤں گے۔ اسے کالر سے دبوچتے اپنے قریب کر گئی جس پر وہ گھبراتے ہوئے دائیں بائیں دیکھنے لگا کیونکہ کے اگر کوئی اسے اس کے ساتھ دیکھ لیتا تو کرن کا تو کچھ نہ بگڑتا اسے اپنی نوکری کے ساتھ اپنی جان گوانی پڑ سکتی تھی۔“

”کک کیا کر رہی ہیں بی بی جی! میں، وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔ کرن سے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے ڈرائیور نے گھبراتے ہوئے وضاحت دی جس کا مقابل پر کوئی اثر نہ ہوا۔“

”جھوٹ تم میرے اذہان ہو۔! میرے اذہان۔! اس اپانج سے ڈر رہے ہونا۔! اس اپانج سے۔! بے فکر رہو وہ یہاں نہیں آسکتی۔ ایک بار پھر دونوں ہاتھوں سے اس شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑتے اپنے قریب کر گئی تو وہ بھی ڈرتے ہوئے اسکی کمرے کے گرد بازو حائل کر گیا جس پر وہ اس کے سینے پر سر رکھ گئی تو موقع غنیمت جان کر اس کے گرد بازو حائل کرتے اس بالوں میں منہ دیتے اس کی خوشبو اپنے اندر اتارنے لگا۔“

”مم میں۔! جانتی تھی میری خوبصورتی ایک نہ ایک دن تمہیں میرے پاس آنے پر مجبور ضرور کرے گی، دیکھو آج تم آگئیں میرے پاس اب میں تمہیں خود میں اس طرح مشغول کر لو گی کے تمہیں کسی کی ہوش ہی نہیں رہے گی۔ کرن کی آواز پر ڈرائیور ہوش کی دنیا میں واپس آیا تو اسکی گردن کے گرد بازو حائل کرتے اسکے کے چہرے کو اپنے قریب ترین کر گئی وہ جو بھوک کی نظروں سے اسکے چہرے کے ایک ایک نقوش کو نہارتے انگلیوں سے چھوتے ہوئے عجیب سی کیفیت مبتلا ہوتے ارد گرد سے بے خبر ہونے لگا تھا ایک سنبھل کر اس سے پیچھے ہوا۔“

”بشیر! ہوش میں آہوش میں! پہلے بھی انھیں حرکتوں کی وجہ سے تو کتنی نوکریوں سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے، اب پھر وہی کر رہا ہے۔ اس کے دلکش سراپے پر نظریں گاڑھے وہ خود سے مخاطب ہوا جس بے خبر کرن اپنی دھن میں مگن اسے اذہان سمجھ کر اس سے اپنا بنانے کے کی خاطر اپنا سب کچھ اس پر وارنے کو تیار تھی۔“

”اوبی بی! ابھی تو آپ کے سر پر چڑھی ہوئی ہے، ہوش میں نہیں، جب ہوش میں آؤں گی مجھے ہی قصور وار ٹھہراؤ گی، اس لیے بہتر یہی اپنی یہ آگ کہی اور جا کر ٹھنڈی کرو۔ بمشکل اسکی گرفت سے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے بشیر نے جھڑکا جس پر کرن آگ بگولہ ہوئی۔“

”تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے! تم مجھے اس اپاہج کے لیے نہیں دھتکار سکتے! اس اپاہج کے لیے جس کو میرے ایک اشارے پر عالی نے بھری محفل میں دھتکارا اور پھر میں نے اس عالی کو اسکی اوقات یاد دلادی، تم اس کی وجہ سے مجھے دھتکار رہے ہو! مجھے! کرن لغاری کو جس نے آج تک جو چاہا وہ حاصل کیا اور جو نہ مل سکا اسے برباد کر دیا،

تم مجھے اس دو کوڑی کی اپاہج کی خاطر مم مجھے چھوڑو گے، جان لے لوں گی اس اپاہج کی اور ساتھ تمہاری بھی اگر تم میرے نہیں ہو سکتے ت تو! میں تمہیں اس اپاہج کا بھی نہیں ہونے دوں گی! تمہیں میرا ہونا ہو گا آئی سمجھ۔ دونوں ہاتھوں سے اسے کالر سے دبوچتے کراہت آمیز لہجے غرائی تھی جس پر وہ نا سمجھی سے کرن کو دیکھتے ہوئے ایک بار آس پاس کا جائزہ لیا تھا وہ جانتا تھا کہ آج ماریہ بیگم اور عمران صاحب گھر نہیں ہے اور باقی ملازم بھی اس وقت تک اپنے اپنے کوارٹر میں جا کر آرام فرما رہے ہونگے جس پر موقع سے فائدہ اٹھانے کے غرض سے بشیر کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔“

”اب جب آپ خود مجھے اپنے خوابوں کا شہزادہ سمجھ کر اپنا بنانے کیلئے مری جا رہی ہیں، تو آپ پر یہ نوکری واردی بی بی جی! لیکن یہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں۔ وہ اس کی ابتر حالات دیکھتے ہوئے خود ہی مملات ترتیب دیتے اسے سہارا دیتے ہوئے گھر میں داخل ہوا جہاں پورے گھر میں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔“

”آپ کے کمرے چلیں۔! اسکی کمر کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی جس نیم غنودگی کے عالم میں اثابت میں سر ہلا گئی تو وہ اسے لیے کمرے کی اور بڑھ گیا۔“



”کمرے میں چار سو پھیلی گلاب کے پھولوں کی بھیننی بھیننی مہک اور مومبستیوں کی مدھم روشنی میں وہ آئینے کے سامنے بیٹھی پر سوچ انداز میں اپنی کلائی میں پہنے سفید موتیے کے گجر کو چھیڑتے ہوئے کسی اور ہی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔“

رات کے وقت سمندر کے کنارے نہایت پرسکون خاموشی چھائی ہوئی جس میں لہروں کا شور چودویں کا چاند پوری آب و تاب آسمان پر چمکتے ہوئے اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا اور وقفے وقفے سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ایک دلفریب منظر پیش کر رہے تھیں۔“

Cabana beach dining

”کا ایک خوبصورت سیٹ اپ لگا ہوا تھا

ایک ٹیبل کے گرد آمنے سامنے دو کرسیاں رکھی ہوئی تھی جن کے اطراف میں چار پلر کھڑے کیے گئیں تھے جن پر انتہائی ہلکے سفید رنگ کے پردے لٹک رہے تھے جن کے ساتھ موتیے کے پھولوں کی لڑیاں بھی جھول رہی جس کے ہالے میں ٹیبل رکھی گئی تھی۔ ٹیبل پر شیشے کے جار میں رکھی مومبتیاں جل رہی تھیں۔

اور یہ منظر تب اور بھی زیادہ مکمل لگنے لگا جب بلیک ٹوپس میں اذہان عمامہ کو اپنی بانہوں میں اٹھائے پھولوں سے آراستہ راستے پر قدم رکھتے ہوئے لے کر آیا۔“

”جو مہرون شفون کی فراک میں ہلکے میک اپ کے ساتھ مہرون ہی لپسٹک لگائے پورے استحقاق کے ساتھ اذہان کی گردن میں اپنی بانہوں کا ہار پہنائے ہوئے اس کی آنکھوں میں کھوئی ہوئی تھی۔“

”متواتر رفتار سے چلتے ہوئے اذہان نے لا کر اسے کرسی پر بیٹھایا اور اس کے سامنے رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے نظریں عمامہ کے چہرے پر ہی مرکوز تھی جو یہ سب دیکھ کر اپنی قسمت پر

ر شک کر رہی اذہان کے ساتھ گزرے لمحات کو یاد کرتے عمامہ کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے۔“

”آج کی شام واقعی اسکی زندگی کی خوبصورت ترین شام تھی جس کا کبھی اسنے اپنے خوابوں خیال بھی گمان نہیں کیا تھا۔ شیشے میں اپنا عکس کو دیکھتے ہوئے وہ ڈریسنگ پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئی۔“

مہرون رنگ کی پیرو کو چھوتی فراک جس کے گہرے گلے کو چھپانے کی غرض سے گردن کے گرد ڈوپٹہ اوڑر کھا تھا بالوں کی ایک طرف سے فرنیچ نوٹ بنائے باقی بالوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا میک اپ کے نام پر صرف کاجل مسکارا لگائے مہرون لپسٹک لگائی تھی کتنے عرصے بعد وہ آج اذہان کے کہنے پر تیار ہوئی تھی۔“

”ملک کی آواز پر دروازہ کھلنے پر چونکتے ہوئے اسکا ڈریسنگ پر رکھا ہاتھ پھسلا جس کے سہارے کھڑی ہو کر وہ اپنا عکس شیشے میں دیکھ رہی تھی۔“

”اسے قبل کے وہ گرتی اذہان نے برق رفتاری سے ہاتھ میں پکڑاٹاول ایک طرف اچھالتے آگے بڑھ کر بر جستگی سے تھام لیا جس پر اسکی پشت اذہان کے برہنہ کشادہ سینے لگی جو ڈنر سے واپس آکر اسے چینچ کرنے کا کہہ کر خود چینچ کرنے واثر و م گیا تھی۔ اسکے ہاتھ کا لمس اپنے پیٹ پر محسوس کرتے عمامہ کے دل کی طلاطم برپا ہوا تھا۔“

”دھیان کہا ہے تمہارا بھی گرجاتی! اسکا خود لے کر یو لاپرواہی برتنا اذہان کو ہر گز قبول نہ تھا۔ جس پر عمامہ محوت سے اپنا اور اذہان کا عکس آئینے میں دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں میں اپنے لیے بے تابی دیکھنا اچھا لگنے لگا تھا۔“

”میرا دھیان رکھنے کے لیے آپ ہیں تو سہی اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے کبھی گرنے نہیں دیں گے۔ سامنے نظر آتے عکس پر نظریں جمائے پر مستحکم انداز میں گویا ہوئی آنکھوں میں بلا کا یقین جھلک رہا تھا۔“

”اگر میں وقت پر نہ پہنچتا تو جانتی ہو کیا ہوتا۔؟ اسکی خفگی میں اضافہ ہوا تو عمامہ کے لب بے ساختہ مسکرائے۔ جس پر اسکی خفگی میں کمی آئی تھی جسے وہ چھپا گیا تھا۔“

”ہاں جانتی ہوں۔! پر اب کسی بات سے ڈر نہیں لگتا۔ پوری طرح خود کو اس کے سہار پر چھوڑ کر ذرا سی گردن موڑ کر نظریں اٹھا کر اسکی اور دیکھتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسکے گال کو چھوتے اسی انداز میں تصحیح کی تو عمامہ کے چھونے پر ایک عجیب سے احساس کے تحت اسکے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی جس وہ فوری طور پر چھپا گیا تھا۔“

”بتاؤں کیا ہوتا۔! اس خاموش پا کر اسکی جانب رخ پھیرتے اسکی گردن میں بانہیں ڈال کر کان کے پاس سرگوشی نما استفسار کیا، اذہان کی بانہوں کا خصار بنوازے قائم رہا جسے وہ مزید تنگ کر گیا جس پر یکدم ہی عمامہ کی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی اور چہرے پر حیا کے رنگ بکھرنے لگیں تو وہ شرم سے پلکیں جھکا گئی تھی۔“

”اگر اسی انداز میں بتاؤ گی! تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو گا۔ ایک ہاتھ اسکی کمر رکھے اپنی گرفت مضبوط کرتے دوسرے ہاتھ سے اسکے چہرے پر آنکھیں بال کان کے پیچھے کرتے ہوئے معنی خیز لہجے کہتے ہوئے ٹھوڑی سے پکڑ کر اسکا حیا سے جھکا چہرہ اوپر کیا تھا جو شرم سے سرخ قندھاری ہونے لگا۔“

اذ.. ہان..! وہ...!! کمرے میں چھایا نیم اندھیرا اور پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو ماحول کو پر فسوں خیز بنا رہا تھا جس پر اذہان کا سفر کرتا ہاتھ جو اس کی بیوٹی بورن کو چھو رہا تھا اسکی قربت سے گھبراتے اسکی زبان لڑکھڑائی۔

”میں سن رہا ہوں اذہان کی جان...!! بھاری بو جھل لہجے میں اس مہرون لپسٹک سے رنگے ہونٹوں پر نظریں جمائے ذرا سا جھک کر گویا ہوا تو اسکی قربت پر عمامہ کے دل دھڑکن مدھم ہونے لگی۔“

”اذہان! میں!... وہ!... چینیج!... اسکی نظروں کا ارتکاذا سمجھتے اسکے سینے پر ہاتھ رکھ کر
فاصلہ بڑھاتی وہ آنے والے وقت سے گھبراتے ہوئے کترائی جس پر اذہان کے چہرے پر دل
کش تبسم نمودار ہوئی۔“

”جان وقت دیا تو تھا لیکن تم نے ویسٹ کر دیا اب لگتا ہے یہ نیک کام مجھے خود ہی سرانجام دینا
ہوگا۔ جذبات سے لبریز لہجے میں انگوٹھے سے نچلا ہونٹ رب کرتے اسکی کمر پر رکھے ہاتھ سے
اس جھٹکے سے مزید قریب کرتے اسکی سانسیں خود میں الجھا گیا تو وہ بھی بنا کسی مزحمت کے اسکی
گردن میں بازو حائل کرتے خود کو اسکے سپرد کر گئی جس پر اسکے عمل میں شدت آئی تھی۔“
”کچھ ہی دیر یونہی ایک دوسرے میں کھوئے رہنے کے بعد ذر سا جھک کر اسے اپنی بانہوں میں
مقید کرتے بیڈ پر لا کر لٹاتے خود بھی اس پر کسے فاتح سپا سالار کی مانند چھاتے اسکے ماتھے پر لب
رکھے جس وہ آنکھیں بند کرتی اسکے لمس کو خود میں اترتا ہوں ہوا محسوس کرنی لگی۔“

”اب بھی کوئی ڈر یا خدشہ باقی ہے، یا پھر اجازت ہے۔ اسکے چہرے پر آنکھیں بال ہٹاتے ہوئے پر
فسوں خیز لہجے میں ناک کولبوں سے چھوتے ہوئے سرگوشی کی جس پر عمامہ کی حیا سے پلکیں
جھکا گئی اور ہونٹوں پر مانوس سی مسکان بکھر گئی تھی جسے وہ اسکی رضامندی جانتے ایک بار پھر
سے جھکتے جا بجا اپنی محبت کے رنگ بکھرنے لگا جس کی تاب لانا عمامہ مشکل تر ہونے لگا تھا۔“
”اذ.. ہان..! جب دست و لب کی بے باکیاں گردن کی حدود عبور کرنے لگیں تو اس نے فوراً
بے قراری سے پکارا لیکن اسنے فوراً بایاں ہاتھ اسکے ہونٹوں پر جماتے ہوئے اسکے وجود کو اپنے
لمس سے مہکنا جاری رکھا تو تڑپ اٹھی تو اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنا چاہا۔“
”میں کبھی تمہیں ہرٹ نہیں کروں گا ٹرسٹ می جان۔! اسکے عمل میں خلل ڈالتے ہاتھ کو اپنے
ہاتھ میں الجھاتے تکیے سے لگاتے اسکے پور پور کو اپنی محبت سے سیراب کرتے متاعِ جاں کی مانند
اپنی محبت و شناس کرواتے عشق کی حدود چھو کے کاملیت حد پہنچ گیا۔“

اسکی جنون خیزیوں میں در آتی شدت اور نرمی سے خائف وہ کوئی جائے فرافرنہ ملنے پر اسکی
بانہوں میں پناہ لیتی اسکی بے باک نگاہوں سے خود کو چھپا گئی۔

دھیرے دھیرے گزرتی رات کے ساتھ وہ اسکی روح تک رسائی حاصل کر گیا تھا۔“

تمہارا قرب جب مجھے میسر ہوتا ہے

تمام زیست میں وہ وقت معتبر ہوتا ہے



”ایک نیا سورج طلوع ہو کر سر پر آ پہنچا تھا۔

”لغاری ہاؤس کے مین گیٹ سے لینڈ کروزر داخل ہو کر پورٹیکو میں آکر رکی تو گارڈ نے فوراً سے
آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ عمران لغاری تھکے ہوئے انداز میں اتر کر دوسری جانب آتے
ہوئے اسکی طرف کا دروازہ کھولا جہاں ماریہ لغاری سیٹ کی پشت پر سر ٹکائے خاموشی سے غیر
مرئی نقطے کو تنکے جارہی تھی۔“

”مار یہ..! عمران لغاری کی پکار نے پر خالی خالی نظروں سے اسکی اور دیکھا۔“

”مار یہ ہمت کریں..! اگر آپ ایسے کریں گی تو عمر کو کون سنبھالے گا۔ گاڑی کی پچھلی نشست پر بے سود پڑے عمر کو دیکھتے ہوئے ہارے ہوئے انداز میں دلجوئی کی جس پر مار یہ بیگم کی نظر بے ساختہ عمر پر گئی تو ایک بار پھر انکی آنکھیں بھر آئی تھی۔“

”اتنے میں دو ملازم گاڑی کی ڈگی سے وہیل چیئر نکال کر عمر کے بے سود وجود کو اٹھا کر وہیل چیئر پر بیٹھایا تھا جس کا سر ایک جانب ڈھلکا ہوا تھا لقوے کے باعث ٹیڑھے ہوئے منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ جسے دیکھ دونوں کی آنکھیں نم ہوئی تھی۔“

کہاں ایک وقت تھا جب وہ عمامہ..! کی معذوری کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اپنے بچوں کو اسے دور رکھتے کہیں اس سے بات کرنے اسکے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے انکے بچوں کو کچھ نہ ہو جائے، اور وقتاً فوقتاً شہلا کو اس سب کا قصور وار ٹھراتے رہتیں کہ یہ سب اسکی وجہ سے ہوا ضرور اسنے ہی کچھ ایسا کیا جو اسکی بچی معذور ہے، اسنے ہی کوئی لا پرواہی برتی ہوگی جس کہ باعث عمامہ

ایسی ہو گئی۔ اور ایک یہ وقت آ گیا کہ انکا اپنا بیٹا اپنے ہی کیے کے سبب اس حالت میں پہنچ گیا کہ چلنا پھرنا تو درکنار بولنے سے بھی قاصر ہو گیا تھا اور وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے، گولی اسکی ریڈ کی ہڈی میں لگی تھی عباس کے نرس کے ذریعے اطلاع دینے پر یہ لوگ وقت پر تو پہنچ گئے جس کے باعث اسکی جان بچ گئی مگر ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اب وہ زندگی میں دوبارہ کبھی چل نہیں پائے گا۔“

”عمران لغاری اپنے طور پر ہر کوشش کی تھی اور آگے بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا ارادہ نہیں تھا، لیکن اب تک اسے ہر طرف سے مایوسی کا ہی منہ دیکھنا پڑا جس کے باعث وہ عمر کو گھر لے آئیں تھے۔“

”بی بی جی! میری بات تو سنیں! میں سچ کہہ رہا ہوں! آپ نے خود مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کیا میں نے تو آپ کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر آپ میری سن ہی کب رہی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی بشیر کی دہائی دیتی آواز نے انکا استقبال کیا جو پہلے ہی اپنا سب کچھ گنوا کر لٹی پٹی حالت میں گھر لوٹیں تھے یہ سب دیکھ کر دنگ رہ گئیں تھیں۔“

”شکل دیکھی ہے تم نے اپنی گھٹیاں انسان! اوقات ہے تمھاری کہ میں تمھیں! مجھے تو سوچ کر گھن آرہی ہے، میں کرن لغاری تم جیسے.....!!!!!!-ہتک آمیز لہجے میں اپنے کمرے سے دھکیلتے ہوئے لانچ تک آئی تھی جہاں سب ملازم تماشائی بنے یہ سب دیکھ رہیں تھے۔“

”کیا ہو رہا ہے یہاں! عمران لغاری کی رعب دار آواز پر کرن ہاتھ رکے تو اسے اپنی حالت کا اندازہ ہوا بلیک ناٹھی میں بکھرے ہوئے بال وہ اس وقت ابتر حالت میں تھی دوسری جانب بشیر کی شرٹ کے ادھ کھلے بٹن اور بکھری حالت گزری رات کے ساری روداد سنارہی تھی جس دیکھ کر وہ دونوں دنگ رہ گئیں۔“

”وہ ڈیڈ!! بشیر نے میرے ساتھ!! کرن نے بولنا شروع کیا تھا کہ عمران لغاری نے ہاتھ اٹھا کر سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے بولنے سے روکا، ماریہ بیگم تو پتھرانی آنکھوں سے یہ سب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، وہ دونوں تو ابھی ایک دھک سے سنبھلے نہیں تھیں کے ایک اور دھچکا لگا تھا، وہیل چیئر پر بیٹھے عمر کا بھی یہ سب دیکھ کر خون کھول کر رہ گیا تھا وہ جو کسی کی بہن کے

ساتھ کرنے کی نیت سے گیا تھا آج اسکے اپنے گھر میں اسکی بہن کے ساتھ انکے گھر کے نو کرنے کر دیا یہ سوچ کر ہی رگیں پھٹنے لگی تھی۔“

”یہاں کوئی فلم چل رہی ہے جو تم سب کام کاج چھوڑ کر یہاں تماشا بنیں کھڑے ہو۔! طیش غضب کے عالم میں خود پر ضبط کرتے دھاڑے تو سب ملازم سر سر جھکائے سرگوشیاں کرتے وہاں سے نکلتے چلے گئیں۔

بشیر بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے وہاں سے نکلنے ہی لگا تھا کہ عمران لغاری کی آواز پر اسکے قدم رکے تھیں۔“

”تم سے کس نے کہا ہے جانے کے لیے!۔

ڈیڈ ابھی پولیس کو کال کریں۔! اسے بھی پتا چلے کہ کرن لغاری کی عزت پر.....! اسکی بات مکمل ہونے سے قبل عمران لغاری نے سخت نظروں سے اس کی اور دیکھا تو فوراً سے تھوک نکلتی خاموش ہو گئی۔“

”صاحب! میں سچ کہہ رہا ہوں! میں نے انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر یہ کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھی، میں انھیں کلب سے کیسے لے کر آیا ہوں میں ہی جانتا ہوں، یہ وہاں بھی توڑ پھوڑ کر رہی تھی، گھر لایا تو یہ میرے ہی گلے پڑ گئی میرے لاکھ مناں کرنے کے باوجود یہ ہر حد!!.....

”ڈیڈ! یہ جھوٹ کہہ رہا ام میں اسکی جان لے لوگی۔ اسکی بات قطع کرتے سلگتے ہوئے اسے مارنے کے لیے آگے بڑھی تھی۔“

”بس کر دو کرن! بس تمھیں خدا کا واسطہ ہے بس کر دو! ہمارے حال پر رحم کرو! ماریہ کا صبر جواب دے گیا تھا۔“

”مام! آپ تو میری بات کا یقین کریں ی۔ یہ جھوٹ بول رہا بھی میرا معیار اتنا بھی نہیں گر کہ میں ایک ڈرائیور کے ساتھ!!....

اسکی بات مکمل ہونے سے قبل ایک زناٹے دار تھپڑ کی گونج سے پورا حال گونج اٹھا تھا کرن گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی کے عالم میں اپنے باپ کو دیکھ کر رہ گئی جس نے کبھی اونچی آواز بات بھی نہیں کی آج نوکر کے کہنے پر ہاتھ اٹھالیا اسکا تو بس نہیں چل رہا تھا بشیر کی جان لے لے۔“

”ہاں! تو تم کیا کہہ رہے تھے تمہیں یہ سب کرنے پر کرن نے اکسایا۔ لہجے میں چٹانوں سی سختی لیے اب وہ بشیر سے مخاطب ہوئے۔“

”جج جی صاحب جی! اسنے فوراً تائید کی۔“

”کوئی ثبوت ہے یا گواہ جو تمہاری اس بات کو سچ ثابت کر سکے۔ اسی انداز میں اگلا سوال کیا۔

جی! آپ باہر لگے کیمرے میں دیکھ سکتے ہیں، میں نے بی بی جی! کو کتنا سمجھانے اور بتانے کی کوشش کی، کے میں وہ نہیں جو یہ سمجھ رہی ہیں، پران پر تو جیسے کوئی بھوت سوار تھا مجھے اپنا بنانے کا یہ تو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔ بشیر بڑی مہارت سے سب کچھ کرن پر ڈالتے ہوئے ثبوت بھی وہ دیا جس میں وہ کرن کو قصور وار ٹھہرا سکے اسکی بات سن کر عمران لغاری کا دماغ گھوم گیا تھا

اور اپنی مٹھیاں بھینچ کر اپنے اندر اٹھتے طوفان کو قابو کرنے کی کوشش کرتے خود کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے روکا۔“

”ڈیڈ! میں تو ہوش میں نہیں تھی مگر یہ تو ہوش میں تھا یہ چاہتا تو روک سکتا تھا مجھے، لیکن اسے سوچا ہو گا موقع ملا تو کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا لیا جائے۔ کرن نے ایک بار پھر اپنی صفائی پیش کی جو تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔“

”مطلب تم مانتی ہو کہ تم نے اسے اکسایا! دانت چباتے ہوئے ماریہ بیگم نے استفسار کیا۔“

”اب اسے کچھ بھی کہنے سننے کا وقت نہیں رہا، اب یہ ہمارے ہاتھوں سے نکل چکی ہیں اس پہلے کہ یہ بھی اپنے بھائی کی طرح کچھ ایسا کرے جس کے بعد سوائے پچھتاوے کے ہمارے پاس کچھ نہ بچے ہمیں کچھ کرنا ہو گا، ہمیں اسکے پیرو میں زنجیریں ڈالنی ہو گی۔ تھکے ہوئے انداز میں صوفیہ پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔ تو ماریہ نے نا سمجھی سے اسی کی اور دیکھا۔“

”بشیر! شادی کرو گے میری بیٹی سے۔ ایک امید کے تحت سوال کیا وہ تو اس غیر متوقع بات پر شذر رہ گیا وہی کرن کو بھی اپنی قوت سماعت پر گمان گزرا ماریہ بیگم اور وہیل چیئر پر بے بسی کی تصویر بنے عمر کو بھی حیرت ہوئی تھی۔“

”مم میں! کیا کہہ سکتا ہوں جیسا آپ مناسب سمجھیں میری بھلا کیا اوقات کے میں آپکے کسی فیصلے پر اعتراض کروں۔ اپنے اندر اٹھتے خوشی کے طوفان کو دباتے موعدب انداز میں گویا ہوا۔“

”ڈیڈ! میں اس دو کوڑی کے ڈرائیور سے ہر گز شادی نہیں کروں گی۔ کراہت آمیز نظروں سے بشیر کو دیکھتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا جس پر بشیر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھ گیا تھا۔“

”تم سے کسی نے تمھاری رائے نہیں مانگی کرن! عمران لغاری نے سختی سے ٹوکا۔“

”لیکن !!!“

انف! از انف! بہت کر لی تم نے اپنی من مانی اب وہی ہو گا جو میں چاہوں گا، اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب تمھاری شادی بشیر سے ہی ہو گی، ماریہ اپنی بیٹی کا حلیہ درست کرواں، جب تک

میں قاضی اور گواہوں کا بند و ست کرتا ہوں اب اسے میں اور اپنی عزت خراب کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ دو ٹوک انداز میں فیصلہ سناتے ماریہ کو حکم دیا تھا۔“

”تو پھر آپ بھی سن لیں۔! میں مر جاؤں گی پر اس سے شادی ہر گز نہیں کروں گی۔ وہ ضدی لہجے میں اپنی بات کہہ کر جانے کے لیے مڑی تھی۔“

”جانے سے پہلے میری بھی ایک بات کان کھول کر سن لو کرن۔! آج اس گھر سے یا“ تو تمھاری ڈولی اٹھے گی، یا“ پھر میرا جنازہ۔! اب فیصلہ تم خود کر لو۔!۔ سرد مہری سے اپنی بات کہتے ہوئے وہ بنا کسی کی سننے تیزی سے وہاں سے نکلتے چلے گئیں پیچھے سب بت بنے بس دیکھ کر رہ گئیں بس ایک بشیر ہی تھا جو اس سیچویشن میں بھی خوش تھا۔“

”کچھ ہی دیر میں گواہوں کی موجودگی میں نہ چاہتے ہوئے بھی کرن اور بشیر کا نکاح ہو گیا۔“



”رات گئیں وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو ملگجاندھیرے نے اسکا استقبال کیا جس پر وہ متعجب ہوئی پراگلے ہی لمحے سر جھٹکتی آگے بڑھی جانتی تھی کہ یہ حرکت کس نے اور کیوں کی جسے وہ یکسر نظر انداز کرتی سوچ بورڈ کی اور بڑھی ہی تھی کہ کسی نے پیچھے سے اسے اپنے حصار میں لیا جس پر بنا کوئی مزاحمت کیے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔“

”اب معاف بھی کر دو کب تک یوں خاموش رہ کر مجھے ستاؤ گی! جانتی تو ہو جب تک تم سے لڑوں نہیں میرا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ اسکے کندھے پر ٹھوڑی رکھے لاڈ سے بولا تو وہ اس سے اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔“

”عباس! پلیز چھوڑیں، مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ اس سے اپنا آپ چھڑاتے خفگی سے بولی جس کا مقابل پر کوئی اثر نہ ہوا۔“

”اگر تم ضدی ہو تو میں بھی تم سے کوئی کم ضدی نہیں!! اگر تم سیر ہو! تو میں سوا سیر! آج میں بھی اپنی چڑیل....!!! اوو سوری پیاری بیوی کو منا کر کی رہو گا۔ پر جوش انداز میں روانی

سے بولتے ہوئے زبان دانتوں تلے دباتے آنکھیں سکیرٹے فوراً ہی اپنی بات کی تصحیح کی جس پر عنایہ کے لب کھلے تھے جسے وہ فوراً چھپا گئی۔“

”اچھا ٹھیک ہے آپ کو جو بھی کرنا وہاں جا کریں! مجھے نیند آرہی ہے میں سونے لگی ہوں۔ انگلی اٹھا کر اسے باہر کا راستہ دکھاتے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بیڈ پر آکر بیٹھی تھی۔“

”میں تو یہاں اپنی بیوی کی پاس بیٹھ کر اسے منانے والا ہوں اگر کسی کو کوئی مسئلہ ہے تو وہ باہر جا سکتا ہے۔ سرسری انداز میں کندھے اچکاتے وہ آکر اسکی گود میں سر رکھ گیا۔“

”عباس!!..“

”عنایہ!!..“

”مجھے بات نہیں کرنی!!..“

”مجھے تو کرنی ہے!!..“

”آپ بہت برے ہیں آپ نے مجھے نرس کے سامنے ڈانٹا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خفگی سے رخ پھیر گئی تھی۔“

”اچھا! چلو اسی نرس کے سامنے کان پکڑ کر معافی مانگ لیتا ہوں۔ اٹھ کر اسکے سامنے ہاتھ کر کے پیش کش کی تو نظریں اٹھا کر اس کی اور دیکھا۔“

”اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا نظریں جھکا منمائی۔“

”تو پھر تم ہی بتاؤ! ایسا کیا کروں میں جس سے تمہاری ناراضی دو ہو جائے آج ایک ہفتہ ہو گیا تم مجھ سے بات نہیں کر رہی، اور یہ دن کیسے گزر رہے ہیں میں ہی جانتا ہوں۔ پنچوں کے بل بیٹھ کر اسکی گود میں رکھے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے اسکے چہرے پر نظریں مرکوز کیے ٹھہرے ہوئے انداز سنجیدگی سے متفکر ہوا۔“

آپ!۔

”آپ نہیں! تم! اسنے کچھ کہنے کے لیے لب واپے ہی تھے کے اسکے ہونٹوں پر انگشت رکھ کر نفی میں سر ہلاتے تصحیح کی جس پر عنایہ کی آنکھوں میں حیرت اسمائی۔“

”لیکن آپ! تم نے ہی آپ کہنے کے لیے کہا تھا۔ اسنے گویا یاد دلایا۔“

”ہاں! کہا تھا لیکن وہ صرف تنگ کرنے کے لیے تھا، یہ تم بھی جانتی ہو اور جہاں تک بات نرس کے سامنے ڈانٹنے کی تو میرا ہر گزارا وہ تمہاری انسلٹ کا نہیں تھا، نہ میں نے تمہیں ڈانٹا، میں بس اتنا چاہتا تھا کہ جس طرح اسنے ہمارے ساتھ غلط کیا، تم بھی اسی طرح تم کسی کے ساتھ غلط نہ کر بیٹھو۔ اسی طرح نرمی سے وضاحت کرتے ہوئے سمجھایا۔“

”اسنے جو کیا اسکے بعد بھی آپ کو اسی سے ہمدردی ہے؟ سوال اٹھایا۔“

”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں! مجھے غرض ہے تو تم سے میں نہیں چاہتا کہ تم کچھ ایسا کرو جس کا تمہیں بعد میں پچھتاوا ہو! اور میں جانتا ہوں وقتی طور پر تو تم غصے میں تھی، لیکن جب تمہارا غصہ ٹھنڈا ہوتا اور تمہیں پتا چلتا کہ تمہارے وقتی غصے کے باعث کوئی اپنی جان سے چلا گیا تو تم

کبھ خود کو معاف نہ کر پاتی، افیت میں رہتی بس تمھیں اسی افیت سے بچانے کی کوشش کی تھی۔
ذرا اٹھ کر اسکے پہلوں میں بیٹھتے ٹھہرے ہوئے انداز میں سنجیدگی تھی۔ وہ جو پورے انمہاک
سے اسے سن رہی تھی اسکے کندھے پر سر رکھ گئی جیسے اسکی بات سمجھ آگئی تھی۔“

”ویسے بھی جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی بھرتا ہے، وہ کہتے ہیں نا عملوں کا داروں مدار نیتوں پر ہوتا
ہے، جسکی جیسی نیت اسے پھل بھی ویسا ہی ملتا ہے، اب تمھارے سامنے کی بات ہے عمر کو اسکی
نیت کے حساب پھل ملا اور تمھیں تمھاری نیت کے حساب سے میری صورت میں اتنا اچھا
فرما بردار شوہر مل گیا۔! سنجیدگی سے سمجھاتے آخر میں عباس کے لہجے میں شرارت آسمائی تھی
جس پر اسنے نا سمجھی سے اسکی اور دیکھا۔“

”کیا مطلب سراٹھا کر اسکی اور دیکھتے ہوئے جاننا چاہا۔“

”مطلب! میری بھی نیت میں کچھ انیس بیس فرق رہا ہو گا تبھی تم جیسے چڑیل سے میرا واسطہ پڑ گیا۔ بیچاری کی صورت بناتے ہوئے سرسری انداز گویا ہوا تو اسکی بات کا مطلب سمجھتے آنکھیں پھیلی تھی۔“

”عباس کے بچے میں تمہیں چھوڑو گی نہیں۔ اپنے پہلے والے انداز میں واپس آتی اسکی اور لپکی تھی اس قبل کے عنایہ اسے پکڑتی وہ اسکے ارادے بھانپ چکا تھا تبھی بھاگ کھڑا ہوا۔“

”پہلے عباس کو تو پکڑ لو! پھر بچے! نہیں ایک دو نہیں مجھے پورے گیارہ بچیں چاہیے سو چو ذرا اس کمرے میں گیارہ بچیں اور اکیلی عنایہ کیا منظر ہو گا۔ بیڈ کے دوسری جانب کھڑے ہو کر چھیڑتے ہوئے منظر کشی کی تو عنایہ نے تکیاں اٹھا کر اس کی جانب پھینکا جسے وہ کینچ کر گیا۔“

”ایک بار تم میرے ہاتھ آ جاؤ پھر دیکھنا میں تمہارا کیا حال کرتی ہوں۔ اسکے پیچھے بھاگتے ہوئے سلگتے ہوئے ہانک لگائی تھی جس پر عباس نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہنس دیا۔“

”سوچ لو! اگر میں ہاتھ آگیا تو پھر تمہیں کوئی راہ فرار نہیں ملے گی۔ معنی خیز لہجے میں دھمکی دی جس پر اسکے بھاگتے ہوئے قدم رکیں۔ بھاگتے ہوئے اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کب وہ عباس کے پیچھے بھاگتی بھاگتی کب عباس اسکے پیچھے آگیا اسے خبر ہی نہ ہوئی پیچھے سے آتے ہوئے عباس اس ٹکرایا اور دونوں جو بیڈ پر گرے تھیں۔“

”انہہ!!“ گرتے ہی عنایہ کی زوردار چیخ نکلی تھی جسے عباس نے فوراً اسے اسکے منہ پر ہاتھ رکھ کر روکا تھا۔“

”کیا کرتی ہو پاگل لڑکی! شور مچا کر پورے محلے کو جگانے کا ارادہ ہے!! دبا دبا غرایا تھا“

”بد تمیزی! جاہل انسان! کوئی کسی سے اتنی بری طرح سے ٹکراتا ہے، ابھی میرا دل بند ہو جاتا“ میں مرجاتی لیکن تمہیں اس سے کیا! تمہیں تو کوئی مل

جاتی“!!!!!!.....

”اسکی چلتی ہوئی زبان پر کفل لگاتے ہوئے اس کی سانسیں خود میں اندھیلنے لگا جس پر وہ اس کے سینے پر مکے مارتی اسے خود دور کرنے کی کوشش کی تگ و دو میں تھی جنہیں دائے ہاتھ سے پکڑ کر نرمی سے اپنی گردن کے گرد حائل کر گیا۔“



”جینز کے ساتھ شارٹ فرائیڈ پہنے کندھوں پر کتھائی شال اوڑھے بالوں کو کیچر میں مقید کیے کھڑکی سے باہر آسمان سے گرتے روئی کے گالوں پر بظاہر نظریں جمائے کسی اور ہی دنیا میں گم تھی۔“

”ساحل کے ساتھ آئیں اسے ایک مہینہ ہونے کو تھا اور زندگی اپنے ڈگر پر روادا تھی، ساحل اور اسکی فیملی نے اسے کھلے دل سے قبول کیا، ساحل کی محبت نے تو جیسے اس میں نئی روح پھونک دی زندگی میں جو کمی رہ گئی اب وہ پوری ہونے لگی تو وہ بھی سب بھول کر سب کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔ اذہان اور عمامہ بھی وقتاً فوقتاً کال کرتیں رہتیں اور اسکی خیریت دریافت کرتے۔ اذہان نے اپنے بھائی ہونے کا فرض باخوبی نبھایا ان سب کے باوجود بھی وہ جب اکیلی ہوتی اس

عورت کی باتیں اسکے زہن میں گردش کرنے لگتی جن سے چھٹکارا حاصل کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔“

”اب بھی وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی اپنی زندگی کے بارے میں محوے سوچ تھی جسے ساری زندگی وہ اپنی ماں سمجھتی رہی، اصل میں وہی اسکے ماں“ باپ“ اسکے بچپن“ اسکی خوشیوں“ کی قاتل تھی۔ جسے وہ چاہ کر بھی اپنے دل و دماغ سے نکال نہیں پاتی تھی۔ انھیں سوچوں کے بھنور میں غوطہ زن تھی کے کسی نے پیچھے سے اسے اپنے حصار میں لیا جس پر وہ بنا چوکنے چہرے پر مسکان لیے اسکی اور دیکھ گئی۔“

”چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجالینے سے تم اپنے اندر کی تلخی مجھ سے چھپا نہیں سکتی! تمھاری آنکھیں سب بول دیتی ہیں۔ نرم لہجے میں کہتے ہوئے اسکا رخ اپنی جانب کیا جس پر علیزہ نے پلکیں جھکالی تھی۔“

”ایسا نہیں ہے میں خوش ہوں۔! اور آنکھوں کا کیا ہے یہ تو کچھ بھی بولتی ہیں۔ اسنے جیسے ٹالنا چاہا۔“

”جانتا ہوں کہ تم خوش ہو۔! مگر یہاں سے نہیں۔! جس دن یہاں سے خوش ہوگی تو یہاں نظر آئے گا۔ اسکے دل کے مقام پر انگلی رکھتے ہوئے اسکی آنکھوں کی جانب اشارہ کیا۔“

”کوشش کرتی تو ہوں۔! پر یہ مطمئن ہوتا ہی نہیں ہوتا کوئی نہ کوئی وجہ ڈھونڈ ہی لیتا ہے اداس ہونے کی۔ رنجیدگی سے جواز پیش کیا۔“

”اسے مطمئن کرنے کے لیے میرے پاس ایک گڈ نیوز ہیں اور میں دعوے سے کہہ سکتا اس خبر کو سننے کے بعد تم صرف یہاں سے ہی نہیں بلکہ خوشی تمہارے روم روم سے جھلکے گی۔ اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے قریب کرتے ذرا سا جھک کر اسکے دل کے مقام پر انگلی رکھتے سرگوشی نما کہتے ہوئے تجسس پھیلا یا جس پر متعجب نظروں سے اسے دیکھ گئی۔“

”ہم واپس جا رہے ہیں۔؟ اسنے فوراً سے انداز لگایا جس پر ساحل نے نفی میں سر ہلایا۔“

”پھر بھائی! بھابھی! یہاں آرہے ہیں؟ پر جوش انداز میں اگلا نکال گایا جس پر مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

”کیا تمہاری زندگی میں کبھی میں بھی اتنی اہمیت حاصل کر سکوں گا کہ تمہاری اصل خوشی مجھ سے جڑی ہو!۔ اس کے چہرے پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے اڑیستے بے ساختہ ساحل کی زبان پر شکوہ آیا۔“

”ایسا نہیں ہے میری ساری خوشیاں صرف آپ

انف! از انف! بہت کر لی تم نے اپنی من مانی اب وہی ہو گا جو میں چاہوں گا، اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب تمہاری شادی بشیر سے ہی ہو گی، ماریہ اپنی بیٹی کا حلیہ درست کرواں، جب تک میں قاضی اور گواہوں کا بندو بست کرتا ہوں اب اسے میں اور اپنی عزت خراب کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ دو ٹوک انداز میں فیصلہ سناتے ماریہ کو حکم دیا تھا۔“

”تو پھر آپ بھی سن لیں! میں مر جاؤں گی پر اس سے شادی ہر گز نہیں کروں گی۔ وہ ضدی لہجے میں اپنی بات کہہ کر جانے کے لیے مڑی تھی۔“

”جانے سے پہلے میری بھی ایک بات کان کھول کر سن لو کرن! آج اس گھر سے یا“ تو تمھاری ڈولی اٹھے گی، یا“ پھر میرا جنازہ! اب فیصلہ تم خود کر لو!۔ سرد مہری سے اپنی بات کہتے ہوئے وہ بنا کسی کی سننے تیزی سے وہاں سے نکلتے چلے گئیں پیچھے سب بت بنے بس دیکھ کر رہ گئیں بس ایک بشیر ہی تھا جو اس سیچویشن میں بھی خوش تھا۔“

”کچھ ہی دیر میں گواہوں کی موجودگی میں نہ چاہتے ہوئے بھی کرن اور بشیر کا نکاح ہو گیا۔“



”رات گئیں وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو ملگجا اندھیرے نے اسکا استقبال کیا جس پر وہ متعجب ہوئی پراگلے ہی لمحے سر جھٹکتی آگے بڑھی جانتی تھی کہ یہ حرکت کس نے اور کیوں کی جسے وہ یکسر نظر انداز کرتی سوچ بورڈ کی اور بڑھی ہی تھی کہ کسی نے پیچھے سے اسے اپنے حصار میں لیا جس پر بنا کوئی مزاحمت کیے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔“

”اب معاف بھی کر دو کب تک یوں خاموش رہ کر مجھے ستاؤ گی! جانتی تو ہو جب تک تم سے لڑوں نہیں میرا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ اسکے کندھے پر ٹھوڑی رکھے لاڈ سے بولا تو وہ اس سے اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔“

”عباس! پلیز چھوڑیں، مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ اس سے اپنا آپ چھڑاتے خفگی سے بولی جس کا مقابل پر کوئی اثر نہ ہوا۔“

”اگر تم ضدی ہو تو میں بھی تم سے کوئی کم ضدی نہیں!! اگر تم سیر ہو! تو میں سو اسیر! آج میں بھی اپنی چڑیل....!!! اوو سوری پیاری بیوی کو منا کر کی رہو گا۔ پر جوش انداز میں روانی سے بولتے ہوئے زبان دانتوں تلے دباتے آنکھیں سکیرتے فوراً ہی اپنی بات کی تصحیح کی جس پر عنایہ کے لب کھلے تھے جسے وہ فوراً چھپا گئی۔“

”اچھا ٹھیک ہے آپ کو جو بھی کرنا وہاں جا کریں! مجھے نیند آرہی ہے میں سونے لگی ہوں۔ انگلی اٹھا کر اسے باہر کا راستہ دکھاتے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بیڈ پر آکر بیٹھی تھی۔“

”میں تو یہاں اپنی بیوی کی پاس بیٹھ کر اسے منانے والا ہوں اگر کسی کو کوئی مسئلہ ہے تو وہ باہر جا سکتا ہے۔ سر سری انداز میں کندھے اچکاتے وہ آکر اسکی گود میں سر رکھ گیا۔“

”عباس...!!“

”عنایہ...!!“

”مجھے بات نہیں کرنی...!!“

”مجھے تو کرنی ہے...!!“

”آپ بہت برے ہیں آپ نے مجھے نرس کے سامنے ڈانٹا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خفگی سے رخ پھیر گئی تھی۔“

”اچھا! چلو اسی نرس کے سامنے کان پکڑ کر معافی مانگ لیتا ہوں۔ اٹھ کر اسکے سامنے ہاتھ کر کے پیش کش کی تو نظریں اٹھا کر اس کی اور دیکھا۔“

”اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا نظریں جھکا منمائی۔“

”تو پھر تم ہی بتاؤ! ایسا کیا کروں میں جس سے تمہاری ناراضی دو ہو جائے آج ایک ہفتہ ہو گیا تم مجھ سے بات نہیں کر رہی، اور یہ دن کیسے گزر رہے ہیں میں ہی جانتا ہوں۔ پنچوں کے بل بیٹھ کر اسکی گود میں رکھے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے اسکے چہرے پر نظریں مرکوز کیے ٹھہرے ہوئے انداز سنجیدگی سے متفکر ہوا۔“

آپ!۔

”آپ نہیں! تم! اسنے کچھ کہنے کے لیے لب واکبے ہی تھے کے اسکے ہونٹوں پر انگشت رکھ کر نفی میں سر ہلاتے تصحیح کی جس پر عنایہ کی آنکھوں میں حیرت اسمائی۔“

”لیکن آپ! تم نے ہی آپ کہنے کے لیے کہا تھا۔ اسنے گویا یاد دلایا۔“

”ہاں! کہا تھا لیکن وہ صرف تنگ کرنے کے لیے تھا، یہ تم بھی جانتی ہو اور جہاں تک بات نرس کے سامنے ڈانٹنے کی تو میرا ہر گزارا وہ تمہاری انسلٹ کا نہیں تھا، نہ میں نے تمہیں ڈانٹا،

میں بس اتنا چاہتا تھا کہ جس طرح اسنے ہمارے ساتھ غلط کیا، تم بھی اسی طرح تم کسی کے ساتھ غلط نہ کر بیٹھو۔ اسی طرح نرمی سے وضاحت کرتے ہوئے سمجھایا۔“

”اسنے جو کیا اسکے بعد بھی آپ کو اسی سے ہمدردی ہے؟ سوال اٹھایا۔“

”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں! مجھے غرض ہے تو تم سے میں نہیں چاہتا کہ تم کچھ ایسا کرو جس کا تمہیں بعد میں پچھتاوا ہو! اور میں جانتا ہوں وقتی طور پر تو تم غصے میں تھی، لیکن جب تمہارا غصہ ٹھنڈا ہوتا اور تمہیں پتا چلتا کہ تمہارے وقتی غصے کے باعث کوئی اپنی جان سے چلا گیا تو تم کب خود کو معاف نہ کر پاتی، اذیت میں رہتی بس تمہیں اسی اذیت سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ ذرا اٹھ کر اسکے پہلوں میں بیٹھتے ٹھہرے ہوئے انداز میں سنجیدگی تھی۔ وہ جو پورے انہماک سے اسے سن رہی تھی اسکے کندھے پر سر رکھ گئی جیسے اسکی بات سمجھ آگئی تھی۔“

”ویسے بھی جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی بھرتا ہے، وہ کہتے ہیں نا عملوں کا داروں مدار نیتوں پر ہوتا ہے، جسکی جیسی نیت اسے پھل بھی ویسا ہی ملتا ہے، اب تمہارے سامنے کی بات ہے عمر کو اسکی

نیت کے حساب پھل ملا اور تمہیں تمہاری نیت کے حساب سے میری صورت میں اتنا اچھا فرما بردار شوہر مل گیا! سنجیدگی سے سمجھاتے آخر میں عباس کے لہجے میں شرارت آسمانی تھی جس پر اسنے نا سمجھی سے اسکی اور دیکھا۔“

”کیا مطلب سراٹھا کر اسکی اور دیکھتے ہوئے جاننا چاہا۔“

”مطلب! میری بھی نیت میں کچھ انیس بیس فرق رہا ہوگا تبھی تم جیسے چڑیل سے میرا واسطہ پڑ گیا۔ بیچاری کی صورت بناتے ہوئے سرسری انداز گویا ہوا تو اسکی بات کا مطلب سمجھتے آنکھیں پھیلی تھی۔“

”عباس کے بچے میں تمہیں چھوڑو گی نہیں۔ اپنے پہلے والے انداز میں واپس آتی اسکی اور لپکی تھی اس قبل کے عنایہ اسے پکڑتی وہ اسکے ارادے بھانپ چکا تھا تبھی بھاگ کھڑا ہوا۔“

”پہلے عباس کو تو پکڑ لو۔! پھر بچے۔! نہیں ایک دو نہیں مجھے پورے گیارہ بچیں چاہیے سو چو ذرا

اس کمرے میں گیارہ بچیں اور اکیلی عنایہ کیا منظر ہو گا۔ بیڈ کے دوسری جانب کھڑے ہو کر

چھیڑتے ہوئے منظر کشی کی تو عنایہ نے تکیاں اٹھا کر اس کی جانب پھینکا جسے وہ کینچ کر گیا۔“

”ایک بار تم میرے ہاتھ آ جاؤ پھر دیکھنا میں تمہارا کیا حال کرتی ہوں۔ اسکے پیچھے بھاگتے ہوئے

سکلتے ہوئے ہانک لگائی تھی جس پر عباس نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہنس دیا۔“

”سوچ لو۔! اگر میں ہاتھ آ گیا تو پھر تمہیں کوئی راہ فرار نہیں ملے گی۔ معنی خیز لہجے میں دھمکی

دی جس پر اسکے بھاگتے ہوئے قدم رکیں۔ بھاگتے ہوئے اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کب وہ عباس

کے پیچھے بھاگتی بھاگتی کب عباس اسکے پیچھے آ گیا اسے خبر ہی نہ ہوئی پیچھے سے آتے ہوئے عباس

اس ٹکرایا اور دونوں جو بیڈ پر گرے تھیں۔“

”انہہ۔!!“ گرتے ہی عنایہ کی زوردار چیخ نکلی تھی جسے عباس نے فوراً اسے اسکے منہ پر ہاتھ رکھ

کر روکا تھا۔“

”کیا کرتی ہو پاگل لڑکی! شور مچا کر پورے محلے کو جگانے کا ارادہ ہے!! دبا دبا غرایا تھا“

”بد تمیزی! جاہل انسان! کوئی کسی سے اتنی بری طرح سے ٹکراتا ہے، ابھی میرا دل بند ہو

جاتا“ میں مر جاتی لیکن تمہیں اس سے کیا! تمہیں تو کوئی مل

جاتی“!!!!!!.....

”اسکی چلتی ہوئی زبان پر کفل لگاتے ہوئے اس کی سانسیں خود میں اندھیلنے لگا جس پر وہ اس کے

سینے پر مکے مارتی اسے خود دور کرنے کی کوشش کی تگ و دو میں تھی جنہیں دائے ہاتھ سے پکڑ کر

نرمی سے اپنی گردن کے گرد حائل کر گیا۔“



”جینز کے ساتھ شارٹ فرائیڈ پہنے کدھوں پر کتھائی شال اوڑھے بالوں کو کیچر میں مقید کیے

کھڑکی سے باہر آسمان سے گرتے روئی کے گالوں پر بظاہر نظریں جمائے کسی اور ہی دنیا میں گم

تھی۔“

”ساحل کے ساتھ آئیں اسے ایک مہینہ ہونے کو تھا اور زندگی اپنے ڈگر پر روادا تھی، ساحل اور اسکی فیملی نے اسے کھلے دل سے قبول کیا، ساحل کی محبت نے تو جیسے اس میں نئی روح پھونک دی زندگی میں جو کمی رہ گئی اب وہ پوری ہونے لگی تو وہ بھی سب بھول کر سب کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔ اذہان اور عمامہ بھی وقتاً فوقتاً کال کرتیں رہتیں اور اسکی خیریت دریافت کرتے۔ اذہان نے اپنے بھائی ہونے کا فرض باخوبی نبھایا ان سب کے باوجود بھی وہ جب اکیلی ہوتی اس عورت کی باتیں اسکے زہن میں گردش کرنے لگتی جن سے چھٹکارا حاصل کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔“

”اب بھی وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی اپنی زندگی کے بارے میں محوے سوچ تھی جسے ساری زندگی وہ اپنی ماں سمجھتی رہی، اصل میں وہی اسکے ماں“ باپ“ اسکے بچپن“ اسکی خوشیوں“ کی قاتل تھی۔ جسے وہ چاہ کر بھی اپنے دل و دماغ سے نکال نہیں پاتی تھی۔ انھیں سوچوں کے بھنور میں غوطہ زن تھی کے کسی نے پیچھے سے اسے اپنے حصار میں لیا جس پر وہ بنا چوکنے چہرے پر مسکان لیے اسکی اور دیکھ گئی۔“

”چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجالینے سے تم اپنے اندر کی تلخی مجھے سے چھپا نہیں سکتی! تمہاری آنکھیں سب بول دیتی ہیں۔ نرم لہجے میں کہتے ہوئے اسکارخ اپنی جانب کیا جس پر علیزہ نے پلکیں جھکالی تھی۔“

”ایسا نہیں ہے میں خوش ہوں! اور آنکھوں کا کیا ہے یہ تو کچھ بھی بولتی ہیں۔ اسنے جیسے ٹالنا چاہا۔“

”جانتا ہوں کہ تم خوش ہو! مگر یہاں سے نہیں! جس دن یہاں سے خوش ہوگی تو یہاں نظر آئے گا۔ اسکے دل کے مقام پر انگلی رکھتے ہوئے اسکی آنکھوں کی جانب اشارہ کیا۔“

”کوشش کرتی تو ہوں! پر یہ مطمئن ہوتا ہی نہیں ہوتا کوئی نہ کوئی وجہ ڈھونڈ ہی لیتا ہے اداس ہونے کی۔ رنجیدگی سے جواز پیش کیا۔“

”اسے مطمئن کرنے کے لیے میرے پاس ایک گڈ نیوز ہیں اور میں دعوے سے کہہ سکتا اس خبر کو سننے کے بعد تم صرف یہاں سے ہی نہیں بلکہ خوشی تمہارے روم روم سے جھلکے گی۔“

اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے قریب کرتے ذرا سا جھک کر اسکے دل کے مقام پر انگلی رکھتے
سرگوشی نما کہتے ہوئے تجسس پھیلا یا جس پر متعجب نظرو سے اسے دیکھ گئی۔“

”ہم واپس جا رہے ہیں۔؟ اسنے فوراً سے انداز لگایا جس پر ساحل نے نفی میں سر ہلایا۔“

”پھر بھائی! بھابھی! یہاں آ رہے ہیں۔؟ پر جوش انداز میں اگلا تکالگایا جس پر مایوسی سے نفی
میں سر ہلایا۔

”کیا تمہاری زندگی میں کبھی میں بھی اتنی اہمیت حاصل کر سکوں گا کے تمہاری اصل خوشی مجھ
سے جڑی ہو۔!۔ اسکے چہرے پر آئی لٹ کوکان کے پیچھے اڑیستے بے ساختہ ساحل کی زبان پر شکوہ
آیا۔“

”ایسا نہیں ہے میری ساری خوشیاں صرف آپ لوگوں سے ہی تو جڑی ہیں، میں تو بس ویسے
پوچھ رہی تھی، اب آپکی پر موشن تو ہونے سے رہی کیونکہ آپکا اپنا بزنس ہے اور باقی اور کوئی بات

مجھے سو جھی نہیں، اسلئے جو سمجھ میں آیا کہہ دیا، اچھا بتائیں بھی نہ کیا گڈ نیوز ہیں۔ فوراً سے وضاحت دیتے ہوئے سینے پر سر رکھ دیا۔“

”اور اگر میں کہوں کہ واقعی ہماری پر موشن ہو رہی ہے تو؟ دونوں بازو اس کے گرد حائل کرتے ہوئے متفسر ہوا تو نا سمجھی سے اسکی کہی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔“

”کیا مطلب! متجسس ہوئی۔“

”مطلب یہ کہ ہم دونوں ہسبنڈ وائف کہ رتبے سے پر موٹ ہو کر پیرنٹس کی منصب پر فائز ہونے جارہے ہیں۔ اسکی کہی بات کا مطلب سمجھتے اس کے چہرے پر خوشگوار حیرت اسمائی۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ میں با! نہیں ماں بننے والی ہوں! آپ سچ کہہ رہے ساحل! مم! میں ماں بننے والی ہوں۔ بے یقینی کے عالم میں استفسار کرتے ہوئے اسکی خوشی قابلے دید تھی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہہ نکلے تھیں۔“

”ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں اسی لیے اب تم نے اپنا بہت خیال رکھنا اور گزری باتیں یاد کر کے اداس تو بالکل نہیں ہونا“ نہیں تو ہمارا ہونے والے بی بی پر بھی تمھاری طرح ہر وقت سڑی ہو شکل بنا کر رکھے گا۔ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے تاکید کی۔“

”آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں پریشان ہوں۔! میں تو بہت خوش ہوں۔! اب آپ نے بھی خوش رہنا میں نہیں چاہتی کہ میرے ہونے والے بی بی پر آپکی وجہ سے کوئی برا اثر پڑے، سب برداشت کر سکتی ہوں۔! پر اپنے بی بی کو لے کر کوئی لا پر واہی برتی یہ ہر گز نہیں برداشت کروں گی۔ ایک پل میں علیزہ کا انداز بدل گیا تھا جس پر وہ اسکا منہ کھل گیا تھا۔“

”اور ہاں یہ جو عادت ہے نا اپنی چیزیں ادھر ادھر پھینکنے کی اس عادت کو بھی ذرا صحیح کریں میں نہیں چاہتی کہ میرا بی بی آپ کو دیکھ دیکھ کر خراب ہو جا!.....“

اوو ایک منٹ یہ کیا تم میرا بی بی کر رہی ہو وہ میرا بھی بی بی ہے۔ اسکی بات قطع کرتے لٹچ کرتے اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے قریب کیا تھا۔“

”اں جب دنیا میں آئے گا تو آپ کو بھی کچھ دیر کے لیے کھینے دیدوگی! لیکن تب تک وہ صرف میرا ہے۔ اسی طرح انگلی اٹھا کر احسان عظیم کرتے ہوئے باور کروایا تو نفی میں سر ہلاتے اسے خود میں بھینچ کر اسکے بالوں پر لب رکھ گیا اسکے لیے تو یہی کافی تھا کہ وہ دل سے خوش تھی۔“

”اچھا ٹھیک ہے! بے بی تمہارا اور تم میری۔ محبت بھرے انداز میں کہتے اسے مزید خود میں بھینچ گیا تو وہ بھی اسکے گرد بازو حائل کر گئی۔“



چند ماہ بعد

”دونوں پاؤں فولڈ کیے صوفے کی پشت پر کہنی رکھ کر بازو کو فولڈ کر کے اس پر سر ٹکائے بلیک ٹراؤزر کے ساتھ بلیک ہی فل سلیوس ٹی شرٹ پہنے اسکی دودھیار نگت اور بھی نکھری نکھری

لگ رہی تھی، سیاہ سلکی بال کمر پر کھلے چھوڑ رکھے جن میں سے چند آوار لٹیں اسکے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں، بھوری آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک لیے اور گلاب کی پنکھڑی سے ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکان سجائے وہ شاید کسی کا انتظار کر رہی تھی۔“

”اتنے میں کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ سیدھی ہوتی چہرے پر مصنوعی خفگی سجائے اپنے چہرے پر آئی لٹیں کان کے پیچھے اڑتے اس سمت دیکھ کر نظریں پھیر گئی، جسے دیکھ اذہان کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور وہ ٹرے میں رکھے دو دھواں اڑاتے مگ لیے اسی کی جانب بڑھا۔“

”اتنا وقت لگتا ہے دو کپ چائے بنانے میں۔؟ اذہان کو دیکھتے ہی منہ بناتے گویا ہوئی جو ٹرے ٹیبل پر رکھتے اسکے پہلوں میں آبیٹھا تھا، انداز میں نروٹھا پن واضح تھا جسکی وجہ اذہان باخوبی جانتا تھا۔“

”چائے تو کب کی بن گئی تھی، لیکن میں یہ سوچ کر خود ہی تھوڑا لیٹ ہو گیا کہ تم آرام سے میری شکایت لگالو۔ شریر انداز میں کہتے اسکی ناک کھنچی جسے وہ فوراً سے جھٹکتے گھوری سے نوازا گئی۔“

”ہاں تو آپ موقع دیتے ہیں تبھی تو لگاتی ہوں۔! ورنہ مجھے شوق نہیں خوا مخواہ میں آپکی شکایتیں لگانے کا۔ اسکے بازو گرد اپنا بازو حائل کر کے پورے استحقاق سے اسکے سینے پر سر رکھتے ثابتہ انداز بنوزے برقرار رہا جس پر اذہان نے حیرت سے اسے دیکھ گیا جس پر اسے بیاک وقت پیار بھی آیا تھا۔“

”میں نے موقع دیا، وہ بھلا کیسے؟۔ اسکے چہرے پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے انجان بنا تو فوراً سے عمامہ نے سراٹھا کر اس کی اور دیکھا جیسے کہنا چاہ رہی ہو آپ نہیں جانتے۔“

”اچھا میں مانتا ہوں میری غلطی ہے۔! لیکن وہ کام بھی تو ضروری ہے آخر میری پاگل بیوی نے پہلی بار مجھے سے کچھ مانگا ہے میں انکار تو نہیں کر سکتا تھا۔ اسنے ہار مانتے ہوئے وضاحت دی۔“

”کیا مطلب آپکی بیوی نے کچھ کہہ دیا تو اسکا مطلب آپ اپنا خیال رکھنا چھوڑ دیں۔! مجھے وقت نہ دیں۔! اور تو اور دو دن ہو گئیں آپ میرے گجرے بھی نہیں لائیں۔! آپکی کی پاگل بیوی کا کیا ہے وہ تو کچھ!.....“

”ششش۔!! مجھے جو کہنا کہہ سکتی ہو مگر میری پاگل بیوی کے بارے میں کچھ مت کہنا۔ اسکی بات مکمل ہونے سے قبل اسکے ہونٹوں پر اپنی انگشت رکھ کر گھمبیر لہجے میں بولا تو وہ اسے دیکھ کر نظریں پھیر گئی تھی۔“

اذہان آپ جانتے سارا دن تو میں تو جیسے تیسے آپکے دیے کاموں میں مصروف رہ کر گزار لیتی ہوں مگر شام کو مجھے آپ چاہئے ہوتے ہو۔! اور یہ عادت بھی آپ کی ہی مہربانی ہے اور اب جب میں آپ کی محبت کی عادی ہو گئی ہو تو آپ رات گئے آتیں ہیں، اور صبح بھی جلدی چلے جاتے ہیں ایسے میں، میں آپکی بیوی کو برا بھلا نہ کہوں تو کیا کرو۔! وہ اس الگ ہو کر سامنے رکھے دونوں مگ اٹھا کر ایک اذہان کی جانب بڑھا کر دوسرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر لبوں سے لگاتے اسکے سینے پر سر رکھ گئی۔ مگر اب خفگی کے ساتھ برہمی بھی عیاں تھی۔“

”صرف تمہارے لیے ہی نہیں میرے لیے بھی یہ دوری ناقابل برداشت جانم! لیکن آج تو تم یہ شکوہ کر رہی ہو لیکن کل کو جب یہی شکایت میں کرو گا! تو تم کہوں گی اذہان میں بڑی ہوتی سمجھنے کی کوشش کیا کریں ٹائم ہی نہیں ملتا۔ اسکے کندھے کے گرد بازو حائل کرتے تاسف سے کہتے آخر میں رسان سے آنے والے وقت کی پیشگوئی کی تو اسی طرح اسکے سینے لگے سر اٹھا کر اسکی سمت دیکھا۔

”جی نہیں! میرے لئے ہمیشہ میری فرسٹ پائیورٹی میرا پاگل شوہر تھا ہے اور وہی رہے گا۔ اسکی بات کی نفی کرتے ذرا اوپر ہو کر اسکے گال پر لب رکھ گئی جس پر اسکے لمس کو پا کر ایک مسحور کن احساس کے تحت دلفریب مسکراہٹ چھو کر گزر تھی۔“

یہ تو آنے والا وقت بتائے گا! جب تمہارا خواب حقیقت کا روپ دھار تمہارے سامنے ہو گا اور تم ایک ایسے ادارے کی سی ای او بنو گی جس میں پورے پاکستان کے اسپیشل بچوں کو تعلیم کے ساتھ ہنر بھی سکھایا جائے گا اور انھیں زمانے کی کڑی دھوپ چھاؤں سے لڑنے کے لیے تیار کیا جائیں گا تاکہ وہ کسی پر بوجھ بننے کے بجائے خود اپنا اور اپنے گھر والوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو

جائیں۔ ہاتھ کے اشارے سے اسکے خواب کی منظر کشی کی تو وہ اذہان کو دیکھ کر رہ گئی جس کی آنکھوں میں اسے اپنے خواب نظر آئیں جنہیں وہ سچ کرنے ہر ممکن کو شش کر رہا تھا۔“

”اذہان۔! اسکی سمت دیکھ کر پکارا

”جی اذہان۔! کی جان۔! محبت سے چور لہجے میں جواب دیا“

”آپ کو لگتا ہے میں یہ سب سنبھال پاؤ گی۔؟ مگ ٹیبل پر رکھتے اپنے اندر اٹھتے ہوئے اندیشہ کا اظہار کیا۔“

”کیوں نہیں۔؟ جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا۔“

”مجھے ڈر لگ رہا اگر میں یہ سب نہ سنبھال پائی تو۔! ایک بار پھر خدشہ ظاہر کیا۔“

”تو میں ہوں نا‘ اپنی پاگل بیوی کی ہر مشکل میں اسکا ساتھ دینے کیلئے۔ یقین دلایا۔“

”تھینک یو۔! اگر آپ نہ ہوتے تو میں کبھی یہ سب نہ کر پاتی۔ اسکے انداز میں تشکر واضح تھا۔“

”تھینک یو۔! کے بجائے اگر تم آئی لو یو۔! کہتی تو زیادہ اچھا لگتا ویسے اس میں میرا کوئی کمال نہیں تم نے جیسا کہا میں نے کر دیا“ اس لیے مجھ سے زیادہ اس بات کا کریڈٹ تمہیں جاتا ہے، آخر کو یہ خواب تمہارا ہے اسپیشل بچوں کو ان کے پیر وپر کھڑا کرنے کا، تاکہ وہ کبھی اپنی زندگی سے مایوس ہو کر خود ختم کرنے کے بجائے اپنے زہن کا استعمال کر کے خود کو دنیا کے سامنے مناواں سکیں، اصل معذوی پیر و میں نہیں دماغ کی ہوتی اگر آپ کے پاس پیر تو موجود ہو پر دماغ نہ ہوں تو وہ پیر آپ کے کسی کام کے نہیں بلکہ الٹا وہ آپ کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہیں، لیکن اگر آپ کے پیر معذور ہو اور آپ کا دماغ کام کرتا ہے تو آپ کچھ بھی حاصل کر سکتے کچھ بھی ناممکن نہیں رہتا بس سوچ بدلنے کی دیر ہے۔ شروع میں شوخ انداز میں کہتے ہوئے آخر میں اچھی خاصی وضاحت کے ساتھ تصحیح کی جس پر عمامہ کے چہرے پر مسکان رہی تھی۔

میرا یہ خواب اور اس خواب کی تعبیر سب آپ کا دیا تو ہے، ورنہ میں تو اپنی زندگی سے ناامید ہو کر اپنے چھوٹے چھوٹے خوابوں کی کرچیاں چنتے ہی ٹوٹ کر بکھر گئی تھی اذہان۔! مجھے سمیٹ کر زندگی کی طرف لیکر آنے والے مجھے زندگی سے روشناس کروا کر مجھے جینے کا مقصد دینے اور یہ

خواب بھی تو آپ نے ہی دیکھایا، اور اب اسے میں حقیقت کے رنگ بھرنے کی خاطر دن رات محنت بھی آپ کر رہی ہیں! میں تو اب بھی بس شکایتیں ہی کر رہی ہوں۔ تاسف سے کہتے ہوئے وہ رنجیدہ ہوئی۔ جس پر ہاتھ میں پکڑا چائے کا گٹھلی پر رکھتے پوری توجہ اسکی جانب مبذول کی۔“

”شکایتیں بھی تو ان سے ہی کیں جاتے جو اپنے ہوتے ہیں اور مجھے تو اچھا لگتا جب تم مجھ پر یو اپنا حق جتاتی ہو۔ اسنے محبت پاش انداز میں کہتے اسکی گردن کے گرد بازو سے گرفت مضبوط کرتے اسکی ناک سے اپنی ناک ر ب کی اسکی اتنی قربت پر آج بھی اسکی دھڑکن منتشر ہوئی تھی اور گال دھک اٹھیں جس پر وہ حیا سے پلکیں جھکا گئی تھی۔“

”میں ناراض ہوں! آپ سے جھکی پلکوں سے اور مدھم لہجے فوری یاد دلاتے اسکے سینے پر ہاتھ رکھ کر فاصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔“

”میں مناں لو نگا! دوسرے بازو بھی حائل کرتے اسکی کوشش ناکام کی۔“

”میں نہیں مانوں گی۔! اپنی ہنسی دباتے سینے سے لگے بنو ز اپنی بات پر قائم رہی۔“

”سوچ لو۔! اگر میں نے اپنے تریقے سے منایا تو پھر تم ہی شکوہ کرو گی۔ اسے مزید خود میں بھنچتے اسکی کان کی لو کو لبوں سے چھو گیا تو وہ بھی اس کے گرد بازو حائل کر گئی جیسے کہنا چاہتی ہو کہ میں نہیں کروں گی شکایت۔“

ختم شد

اگر آپ بھی لکھنے کا ہنر جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر کو پلٹ فارم ملے تو کلاسک اردو میٹریل کارپوریشن آپ کو یہ موقع فراہم کر رہا ہے۔

آپ اپنی لکھی تحریر ہمیں اس ایڈریس پر میل کر سکتے ہیں

ClassicNovels04@Gmail.Com

اور اگر آپ بہت سارے ناولز پڑھنے کے شوقین ہیں تو کلاسک اردو میٹریل ویب سائٹ پر آپ کو ہر کیٹیگری کے بے شمار ناولز اعلیٰ کوالٹی پی ڈی ایف میں ملیں گے جنہیں آپ بنا کسی فضول ایڈ کے بہت آسان طریقے سے آرام سے ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ یہ رہا ہماری ویب سائٹ کا لنک

[/https://classicurdumaterial.com](https://classicurdumaterial.com)

اس کے علاوہ اگر آپ کہانیاں پڑھنے سے زیادہ سننے کے شوقین ہیں یا آپ کے فرینڈز اور فیملی میں کوئی ایسا ہے جسے اردو پڑھنے میں دقت ہوتی ہے مگر وہ ناولز کے شوقین ہیں تو ان کیلئے بھی کلاسک اردو میٹریل کے پاس ہے بہت زبردست پیشکش۔ آپ ہمارے یوٹیوب چینل "Classic Entertainment" کو سبسکرائب کر کے وہاں موجود ہر کیٹیگری کے لاتعداد اردو ناولز آڈیو بک کی صورت سن سکتے ہیں۔ یہ رہا ہمارے یوٹیوب چینل کا لنک

<https://youtube.com/channel/UCtawu1YjgdBbKh-so2FwQtA>

کلاسک اردو میٹریل کارپوریشن